تاریخ کی منتخب عربی کتابوں کے بیسویں صدی میں کیے گئے اردو تراجم: ایک جائزہ

مقالہ

برائے

پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

منہاج العابدین

اندراج نمبر: A165788

نگراں

پروفیسر محمد ظفرالدین

شعبہ ترجمہ: اسکول برائے السنہ، لسانیات وہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔ 32

(2016-2021)

تاریخ کی منتخب عربی کتابوں کے بیسویں صدی میں کیے گئے اردو تراجم: ایک جائزہ

مقالہ

برائے

پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

منہاج العابدین

اندراج نمبر: A165788

نگراں

پروفیسر محمد ظفرالدین

شعبہ ترجمہ: اسکول برائے السنہ، لسانیات وہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی حیدرآباد۔32

(2016-2021)

DECLARATION

I do hereby declare that this thesis entitle ***"Tareekh ki Muntakhab Arabi Kitabon ke Beeswin Sadi me kiye gaye Urdu Trajim: Ek Jaiza"*** *is original research work carried out by me under the supervision of* **Prof. Mohd Zafaruddin**, *for the award of degree of* ***" Doctor of Philosophy"*** *in Translation Studies, Department of Translation. No part of this thesis was published or submitted to any University / Institution for the award of any degree.*

Minhaj ul Abedin
Research Scholar
Ph.D. in Translation
Enrolment No. A165788
Dept. of Translation
Maulana Azad National Urdu University

Place: Hyderabad

Date:

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)

(Accredited "A" Grade by NAAC)

C E R T I F I C A T E

This is to certify that the thesis entitle ***"Tareekh ki Muntakhab Arabi Kitabon ke Beeswin Sadi me kiye gaye Urdu Trajim: Ek Jaiza"*** *is submitted for the award of the degree of "DOCTOR OF Philosophy" in Translation Studies, Department of Translation, School of Languages, Linguistics & Indology, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, is the result of the original research work carried out by* ***Mr. Minhaj ul Abedin*** *under my supervision and to the best of my knowledge and blief, the work embodied in this thesis does not formed part to any thesis/Dissertation/Project already submitted to any other University/Institution for any degree.*

Supervisor
Dept. of Translation.

Head
Dept. of Translation.

Dean
School of Sll&I

Place: Hyderabad

Date: ....

فہرست عناوین

سلسلہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	i-ix
1	باب اول: تاریخ و فن تاریخ نویسی تعریف و تعارف	1-37
2	لفظ تاریخ مختلف زبانوں میں	3
3	تاریخ کی اصطلاحی تعریف و تحقیق	6
4	تاریخ کی اقسام	10
5	تاریخ سے متعلق نظریات	11
6	تاریخ کی اہمیت	14
7	تاریخ و سیرت میں فرق	19
8	فن تاریخ نگاری کا آغاز وارتقاء	23
9	تاریخ عصر حاضر کے تناظر میں	24
10	تاریخ کا مطالعہ ضرورت اور طریقہ کار	34
11	باب دوم: بیسویں صدی میں عربی سے اردو تراجم ایک اجمالی جائزہ	38-71
12	عرب وہند تعلقات	40
13	ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد	44
14	ہندوستان میں ترجمہ کے مراکز اور ادارے	47
15	بیسویں صدی میں مختلف علوم وفنون سے متعلق عربی کتابوں کے اردو	58

	تراجم کا اجمالی جائزہ:	
16	**باب سوم:** عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت	72-97
17	ترجمہ کی لفظی تعریف و تحقیق	73
18	ترجمہ کی اصطلاحی تعریف	74
19	ترجمے کی قسمیں	75
20	اردو زبان میں ترجمہ کا آغاز وارتقاء	78
21	عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے میں دقتیں اور مسائل	79
22	ترجمے کے مختلف شعبہ جات اور ان میں اطلاق کردہ ترجمے کے طریقے	84
23	ترجمے کی ضرورت واہمیت	87
24	ترجمے کی نئی قسمیں	88
25	ترجمہ نگاری: مقاصد واہداف	90
26	عرب وہند کے تعلقات کے تناظر میں ترجمہ ضرورت واہمیت	91
27	کتب تواریخ کے تراجم کی ضرورت واہمیت	92
28	**باب چہارم:** بیسویں صدی کے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو مترجمین	98-118
29	علامہ عبداللہ عمادی	98
30	علامہ حکیم احمد حسین عثمانی الہ آبادی	101
31	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	104
32	مولانا عبدالسلام ندوی	106
33	ڈاکٹر ظفرالاسلام خان	108
34	مولانا شاہ معین الدین ندوی	109
35	مولانا ابوالخیر مودودی	111
36	رئیس احمد جعفری	113
37	دیگر مترجمین اور ان کا ترجمہ کردہ کتابوں کی فہرست	115

38	باب پنجم: بیسویں صدی میں منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ	119-310
39	مقدمہ ابن خلدون	120
40	تاریخ ابن خلدون	124
41	الملل والنحل	141
42	مروج الذھب ومعادن الجوہر	143
43	تاریخ الکامل	145
44	طبقات کبیر	152
45	کتاب المعارف	160
46	اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں	163
47	تاریخ طبری	166
48	تاریخ ابن کثیر	172
49	تاریخ عروج الاسلام	181
50	تاریخ تمدن اسلام	185
51	مغربی افریقہ کی تحریک جہاد	188
52	تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات	190
53	تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان	193
54	تاریخ شام	196
55	ہندوستان عربوں کی نظر میں	198
56	تاریخ افکار وعلوم اسلامی	203
57	اسلامی مذاہب	206
58	اسلام اور عربی تمدن	208
59	تنبیہ واشراف	212
60	تاریخ حرمین شریفین	215

219	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ	61
222	نفح الطیب	62
225	فتوح البلدان	63
228	سفر نامہ شیخ ابن بطوطہ	64
236	آزادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ	65
239	تاریخ الخلفاء	66
248	اخبار مجموعہ	67
251	معجم البلدان	68
253	کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت	69
255	فتوح الشام	70
258	مغازی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	71
260	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	72
262	انقلاب الامم	73
264	سفر نامہ ابن جبیر	74
267	کتاب الہند	75
271	تاریخ الحکماء	76
2773	تاریخ الحکماء	77
275	مسلمانوں کا نظام مملکت	78
277	عربی کتب تواریخ کے وہ اردو تراجم جن کا جائزہ نہیں لیا گیا	79
295	عربی اہم تاریخی کتابیں جن کے ترجمے نہیں ہوئے	80
311-324	حاصل مطالعہ / خلاصہ کلام	81
325-334	کتابیات	28

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

تاریخ صرف انسانی عروج وزوال کی داستان ہی نہیں بلکہ انسانی کائنات کی سچائی کا آئینہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاریخ کا مطالعہ اور اس پر غور وفکر ہر باشعور انسان کے لئے بہت ضروری ہے اس کے بغیر ہم بالخصوص اسلاف کے کارناموں سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتے، اور نہ ہی مستقبل کو بہتر بنانے کے اقدامات کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے اندر جوش وولولہ اور شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ غور کریں خالق کائنات نے پچھلے انبیاء کرام کے تاریخی واقعات کو قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ بعد میں آنے والی قومیں اور نسلیں ان واقعات سے عبرت حاصل کر سکیں۔ ہر چند کہ تاریخ بظاہر لڑائیوں اور حکومت کی خبروں سے اور سابق صدیوں کے بیتے ہوئے واقعات سے آگے نہیں بڑھتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا دائرہ بہت وسیع وعریض ہے اسی لیے اس پر نئے زاویہ سے غور وفکر اور بحث وتحقیق کی ضرورت ہے کیونکہ ہر دور کے اپنے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جن سے صرف نظر کر لینا علمی خیانت ہے۔

سندی تحقیق کے مراحل میں ابتدائی مرحلہ یہ ہے کہ کسی یونیورسٹی میں ایم۔ فل یا پی ایچ۔ ڈی میں داخلہ مل جائے، شکر خداوندی ہے کہ راقم کا داخلہ مادر علمی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں ہو گیا اور علمی وتاریخی تحقیق کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا، سندی تحقیق میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ کس موضوع کا انتخاب کیا جائے اور کس موضوع سے معاشرہ وسوسائٹی کو فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے اس سلسلے میں میں نے کافی غور وخوض کے ساتھ محنت کی لیکن کامیابی اس وقت نصیب ہوئی جب میرے مشفق نگراں محترم پروفیسر محمد ظفرالدین صاحب وشعبہ ترجمہ کے دیگر اساتذہ کرام کی دوررس نگاہوں نے موضوع کے انتخاب میں میری مدد فرمائی چنانچہ ان حضرات نے ایک اچھوتا اور تحقیق کے متقاضی عنوان پر مقالہ لکھنے کا موقع فراہم کیا اس حوالہ سے میں ان تمام اساتذہ کرام کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے اپنی دانائیوں، فہم وفراست اور علمی بصیرتوں، اور میرے تعلیمی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحقیق کے لیے " تاریخ

کی منتخب عربی کتابوں کے بیسویں صدی میں کئے گئے اردو تراجم: ایک جائزہ" عنوان کو تجویز کیا،اس موقع پر یہ بھی عرض کردینا مناسب ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کے لئے میری آمادگی میں میری شخصی دلچسپی کا بھی بہت بڑادخل ہے کیونکہ مجھے ماضی کی دریافت،اشخاص ورجال کے انفرادی واجتماعی کارنامے، فتوحات، ملکی وبین الاقوامی حالات، رسم و رواج اور تمدن وثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں دلچسپی رہی ہے علاوہ ازیں میرا بنیادی تعلیمی پس منظر اسلامی وعربی علوم وفنون سے متعلق ہے ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ بھی علوم وفنون کا اٹوٹ حصہ ہے نیز میں نے فضیلت تک کی تعلیم کے حصول کے دوران یہ محسوس کیا کہ ہمارے علماء کرام ودینی اسکالر حضرات نے قرآن وحدیث ،فقہ وفتاوی، منطق وفلسفہ، سائنس وطب اور تصوف وغیرہ مضامین کی تقریبا ہر چھوٹی بڑی کتابوں کے تراجم وشرحیں لکھ کر بہت گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، کیا ان کی دلچسپیاں عربی تاریخی کتابوں کے تراجم کی جانب بھی رہی ہیں کیوں کہ وہ ان کے بنیادی موضوع سے متعلق نہیں ہیں؟ میں نے یہ بھی سوچا کہ کیا اردوداں حضرات عربی کتب تواریخ کے استفادہ سے محروم ہیں؟ اور تاریخ کے جو اردو ترجمے دستیاب ہیں کیا وہ ترجمے عصر حاضر کے اسلوب سے ہم آہنگ ہیں؟ نیز ترجمے کی نوعیت، کمیت اور کیفیت کیسی ہیں ان ہی سوالات کی تفتیش اور جوابات حاصل کرنے کے لئے میں نے مذکورہ موضوع پر تحقیق لے کئے پختہ عزم وارادہ کرلیا، راقم اپنے تحقیقی سفر میں منزل مقصود تک پہونچنے میں کتنا کامیاب ہے یہ ارباب نظر اور نقد وتحقیق کے شہسوار ہی بتائیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی تحقیق کی تکمیل میں تکمیل سے پہلے مختلف زاویے نکلتے جاتے ہیں اور تحقیق کا سفر جاری رہتا ہے اس لئے راقم کی اس کدوکاوش کو بھی طالب علمانہ تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ عربی زبان میں سیکڑوں تاریخی کتب لکھی گئیں ہیں جنہیں اپنے وقت کے مایہ ناز اور یگانہ زمانہ علما واسکالر نے تصنیف کی ہیں جو ملکی وبین الاقوامی واقعات وحوادث کے بیان کے ساتھ اقوال کی کثرت اور مثالوں کی فراوانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، عقلمند اور باشعور قومیں ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان اسباب وواقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے ترقی کے منازل طے کرتی ہیں جب کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت نہ حاصل کرکے اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی قومیں ذلت وپشیمانی کے دلدل میں جا دھنستی ہے، الغرض قوموں کے عروج وزوال میں تاریخ کا بہت بڑادخل ہے، لہذا اپنے اسلاف کے کارنامے اور شاندار ماضی سے روشناس ہونے کے لئے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے چاہے اس کے لیے اگر ترجمے کا سہارا لینا پڑے تو اس سے نہ دریغ کرنا چاہیے

اور نہ ہی شرم وحیا کی چادر اوڑھنی چاہیے ،اس معنی کر عربی کتب تواریخ کے ترجمے کی افادیت واہمیت سے انکار ممکن نہیں چنانچہ میں لکھ چکا ہوں اور دوبارہ لکھ رہا ہوں کہ یہی اہمیت وافادیت میری تحقیق کے انتخاب کی شاہ کلید ہے۔

جہاں تک بیسویں صدی اور منتخب کتب کے ذریعہ موضوع کی حد بندی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر مقدار میں تراجم بیسویں صدی میں ہی انجام دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بحیثیت مجموعی بیسویں صدی کو ترجمہ کی صدی کہا جاتا ہے، گرچہ عربی کتب تواریخ کے ترجمے کی ابتداء انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہی ہو گئی تھی لیکن وہ نہ کے برابر ہے اور منتخب کتب کی قید اس وجہ سے ہے کہ راقم کے اندازہ کے مطابق ترجمہ شدہ کتب کی تعداد سو سے زائد ہے اس لیے ساری کتابوں کا جائزہ لینا امر مشکل تھا نیز سندی تحقیق میں صفحات کی حد بندی بھی اجازت دینے سے قاصر ہے۔

موضوع کے انتخاب کی تکمیل کے بعد یہ امر نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ تحقیق کس چیز کی کرنی ہے ؟ کیسے کرنی ہے ؟اور کیوں کرنی ہے ؟ان سوالوں کو بنیاد بنا کر اساتذہ کرام کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ اس کا ایک خاکہ بنا کر مذکورہ موضوع کو مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا جائے تاکہ درج بالا سوالوں کے جوابات تحقیقی انداز میں سامنے آسکیں۔ چنانچہ راقم نے موضوع کی ابواب بندی اس طرح انجام دی ہے۔

باب اول:۔ تاریخ اور فن تاریخ نویسی تعریف وتعارف

باب دوم:۔ بیسویں صدی میں عربی سے اردو تراجم ایک اجمالی جائزہ

باب سوم:۔ عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت

باب چہارم:۔ بیسویں صدی کے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو مترجمین

باب پنجم:۔ بیسویں صدی میں منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مقالے کے **پہلے باب** کے تحت تاریخ بحیثیت ایک علمی مضمون تعریف متعین کرنے اور اس سلسلے میں مختلف زبانوں کی لغات میں تاریخ کے کیا معنی بیان کئے گئے ہیں اس کا جائزہ لینے کے بعد تاریخ نویسی کے اہم اوصاف کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے نیز عصر حاضر میں تاریخ کی ضرورت واہمیت اور دینی ودنیوی فائدے کو بیان کرنے کے بعد تاریخ کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب دوم کے تحت بیسویں صدی کے اندر تاریخ کے علاوہ دیگر مختلف علوم وفنون کی عربی کتابوں کے اردو تراجم کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے، اسی طرح عرب وہند کے علمی، روحانی اور ثقافتی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد کیسے اور کب ہوئی اس کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ نیز بیسویں صدی میں قائم شدہ ترجمے کے مراکز اور ادارے کی خدمات کا جائزہ بھی لیا گیا۔

تیسرے باب میں ترجمہ کی لغوی، لفظی اور اصطلاحی تعریف پر تفصیلی گفتگو کے ساتھ ترجمہ کی متعدد قسموں سے بھی بحث کی گئی ہے، اس کے بعد ترجمہ میں پیش آنے والی بنیادی دقتوں کا حتی الامکان ترتیب وار احاطہ کیا گیا ہے نیز عربی کتب تواریخ کے ترجمے کی ضرورت واہمیت اور مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ شائقین تاریخ خصوصا نسل نو میں تاریخ کے تئیں مطالعہ میں دلچسپی پیدا کی جاسکے۔

باب چہارم میں بیسویں صدی کے منتخب اردو مترجمین کی حالات زندگی، کارنامے، کمالات اور ترجمہ کے تئیں ان کی خدمات کا بالتفصیل احاطہ کیا گیا ہے تاکہ اس تحقیق کے ذریعہ اچھے اور کامیاب مترجمین تک رسائی حاصل ہوسکے اور ان کی خدمات سے نہ صرف یہ کہ استفادہ کیا جاسکے بلکہ انہیں خراج تحسین پیش کیا جائے نیز تراجم سے متعلق محققین کے لئے تحقیق کا راستہ ہموار ہوسکے۔ اس کے علاوہ عربی تاریخی کتب کے ان مترجمین کی ایک فہرست بھی پیش کی گئی ہے جن کے مکمل تعارف سے راقم قاصر رہے۔

باب پنجم یہ باب اس موضوع کا کلیدی باب ہے جس میں بیسویں صدی کے اندر ہندوستان وپاکستان میں کئے گئے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اس میں ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے کہ ترجمے کس نوعیت اور اقسام کے ہیں اور ترجمہ میں ہدفی زبان کی سلاست وروانی اور مشکلات کا جائزہ لیا گیا ہے نیز عربی عبارات کا، ترجمے میں کس حد تک رعایت ولحاظ کیا گیا ہے اس کو بھی آشکار کیا گیا ہے۔ مزید اس بات کی وضاحت کی گئی

ہے کہ اردو داں طبقہ کے لئے ان تراجم سے کماحقہ استفادہ ممکن ہے یااس میں کچھ خامیاں رہ گئی ہیں۔اس باب میں منتخب کتب تواریخ کے جائزہ لینے کے بعد ان اردو ترجموں کی ایک فہرست پیش کی گئی ہے جن کو کسی وجہ سے جائزہ میں شامل نہیں کیا جاسکا نیز اس باب میں ان اہم تاریخی عربی کتابوں کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے جن کے تراجم یاتو ابھی تک ہوئے نہیں یا میری کوتاہ نظروں نے کسی وجہ سے وہاں تک رسائی حاصل نہ کی۔

حاصل مطالعہ کے تحت پورے مقالہ کا نچوڑ مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا جائے گا۔اس کے بعد حوالے جات کی کتابوں کی فہرست اور انٹرنیٹ ویب سائٹس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پی ایچ۔ڈی میں رجسٹریشن ، موضوع کا انتخاب اور ابواب بندی کے تحت زیر عمل ذکر کردہ کاموں کے تذکرے کے بعد راقم الحروف تحقیق کے سفر میں پیش آنے والی دشواریوں کا بیان اور تمام اساتذہ کرام وعملہ نیز خاندان ور شتہ دار اور کسی بھی طرح سے مدد کرنے والے عزیز ساتھیوں کا تفصیل کے ساتھ شکریہ ادا کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اس لئے کہ ان کی شفقت ومہربانی اور تعاون خاص کی وجہ سے راقم کا یہ کام تکمیل کو پہونچا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس تحقیق کے سفر میں بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ دور دراز مقامات کے سفر میں اس طرح کے بہت سارے واقعات پیش آئے اور ان کی سرد و گرم ہواؤں نے قدم روکنے کی کوشش بھی کی تاہم توفیق الہی، پختہ عزم و حوصلہ، تحقیقی طبیعت اور اس تحقیق سے معاشرہ وسوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کی ضرورت محسوس کرنے کی وجہ سے اپنے کام میں محنت ولگن کے ساتھ لگا رہا جس کی وجہ سے وہ تمام پریشانیاں اور حائل رکاوٹیں یاتو دور ہوتی چلی گئیں یا آسان معلوم ہوتی رہیں اور مقالہ بحسن وخوبی تکمیل کو پہونچا۔جس پر راقم سراپا تشکر و امتنان سے معمور رب کریم کے حضور شکر گزار بلکہ سر بسجود ہے۔خداوند تعالی کے شکریہ کے بعد سب سے پہلے میں اپنے کرم فرما اور ہر معاملے میں اپنے چھوٹے بھائی جیسا شفقت کرنے والے (حسن اتفاق بھی یہ ہے کہ موصوف کے چھوٹے بھائی کا نام بھی راقم کا ہم نام ہے) نیز تحقیقی امور کے مشوروں کے سلسلے میں اپنی بے شمار مصروفیتوں کے باوجود ہمہ وقت راقم کے لئے وقت نکالنے والے، دنیا ہی میں ظفریاب، معزز و محترم نگراں پروفیسر محمد ظفرالدین صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے اور ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرکے خوشی محسوس کرتا ہوں۔

بعدازاں میں اپنے شعبہ کے صدر، پروفیسر محمد خالد مبشر الظفر صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے بروقت ہر طرح کے مسائل اور ضروریات کی تکمیل میں راقم کی مدد کی اور دوران تحقیق حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

علاوہ ازیں میں اپنے شعبہ کے دیگر تمام اساتذہ کرام، ڈاکٹر محمد جنید ذاکر صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر کا بطور خاص شکریہ ادا کرتا ہوں، موصوف نے پی ایچ۔ڈی میں داخلے کے وقت کافی مدد کی تھی اور موصوف میرے ایم۔فل کے نگراں بھی رہے ہیں۔میں ڈاکٹر فہیم الدین احمد صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر کا بھی شکر گزار ہوں کہ موصوف نے موضوع کے انتخاب میں ابتداء میں مدد فرمائی تھی اور مواد کے سلسلے میں کافی رہنمائی فرمائی، محترمہ ڈاکٹر کہکشاں لطیف صاحبہ بھی میرے شکریہ کی مستحق ہیں کیونکہ موصوفہ کی دعائیں دوران تحقیق ہمیشہ شامل حال رہیں اور خصوصاڈاکٹر سید محمود کاظمی صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مواد کی رہنمائی کے ساتھ بہت سے مشوروں سے نوازا نیز کبھی کبھی غلطی کی اصلاح بھی کی۔اسی طرح عربک ڈپارٹمنٹ کے استاذ محترم پروفیسر علیم اشرف جائسی صاحب اور داکٹر جاوید ندیم صاحب اسسٹنٹ پروفیسر بھی شکریہ کے مستحق ہیں دونوں حضرات سے اس مقالہ کی تکمیل میں مدد لی گئی ہے۔

میں اپنے شعبہ سے تعلق رکھنے والے تمام محبین اور دوست واحباب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق میری رہنمائی فرمائی اور اسی طرح شعبہ کے غیر تدریسی عملہ پروفیسر خواجہ معین الدین صاحب (مرحوم)، محمد عرفان صاحب، عادل صاحب، عبدالعزیز صاحب اور بطور خاص جناب محمد نوید صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے متعدد موقعوں پر متفرق ضروریات کی تکمیل فرمائی۔

میں اس موقع پر اپنے والد ماجد جناب حضرت مولانا محمد ظفر عالم صاحب مظاہری اور اپنی والدہ ماجدہ محترمہ بدرالنساء صاحبہ کے لئے شکر گزار فرزند ہونے کے ساتھ خصوصی دعا گو ہوں کہ انہوں نے میری بہترین پرورش اور اچھی تعلیم دلا کر اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ میں ڈاکٹر آف فلاسفی کے لئے اپنا تحقیقی مقالہ پیش کرنے کا مستحق بن سکا،اللہ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ کے ساتھ ان کا سایہ تادیر قائم ودائم فرمائے، آمین ، اس موقع پر میں اپنے تمام بھائیوں، حضرت مولانا محمد انظر عالم صاحب مظاہری، جناب منظر عالم صاحب، جناب ماسٹر شہریار عالم صاحب (ان

تینوں کی شریک حیات ،فرزندان اور بیٹیاں)، جناب انجینئر محمد وسیم پرویز صاحب، جناب انجینئر محمد نسیم پرویز صاحب اور اکلوتی ہمشیرہ محترمہ غفرانہ شاہین صاحبہ اور ان کے شوہر جناب ماسٹر محمد امام اختر صاحب مع اہل وعیال کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ ان لوگوں کے دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون نے مجھے تحقیقی کام کے لئے فارغ کر دیا اور اس کے لئے موقع فراہم کیا۔

اور اس موقع پر میری زندگی کی رفیق سفر محترمہ القی اعظمی صاحبہ ، میری لخت جگر عزیزہ طوبیٰ اعظمی ، اور فرزند ارجمند عزیزم عاطف ظفر بھی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنی سلیقہ مندی اور قناعت پسندی سے دنیا کی خواہشات کے مقابلہ مجھے ذہنی سکون اور ایسا پرسکون ماحول فراہم کیا کہ جس ماحول میں علمی و تعلیمی سلسلہ کا جاری رہنا ممکن ہے ، اس موقع پر اگر میں اپنے خسر محترم جناب اشفاق عالم صاحب ، میری ساس تنظیمہ بیگم صاحبہ اور دونوں سالی محترمہ ابتسام بیگم صاحبہ و محترمہ نگہار بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا نہ کروں تو بڑی ناانصافی ہوگی کیوں کہ تحقیق کے سفر میں میری عدم موجودگی کے وقت مذکورہ سسرالی رشتہ داروں نے دونوں لخت جگر کی پرورش اور تربیت میں خوشگوار فرائض انجام دیے اور سکون کا موقع فراہم کیا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے یاران باصفا اور مخلص دوستوں کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ کاغذ کے صفحات پر تمام نام نہ لکھے جائیں تو کچھ حرج نہیں دل کے انمٹ صفحات پر ان کے نقوش ہمیشہ ثبت رہیں گے تاہم کچھ دوستوں اور بہی خواہوں کا نام لئے بغیر آگے بڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان کے بغیر مقالہ کی تکمیل کا تصور ممکن نہ تھا ان میں سے چند خاص نام یہ ہیں، جناب حضرت مولانا عبد الرشید صاحب قاسمی ، بستوی، لکچرر گائیتری کالج، میرے خاص دوست ، مصنف جناب ضیاء الرحمان صاحب سابق پرنسپل گوتم کالج ،اپنے اسکالر احباب جناب راغب بابر صاحب، جناب ثاقب سحر امانی صاحب، جناب طارق انعام صاحب، جناب مفتی تنظیم عالم صاحب، جناب عدنان حبیب صاحب، جناب زاہد اقبال صاحب، شعبہ ترجمہ کے موجودہ وسابق ریسرچ اسکالرز اور بطور خاص شیراز ہند جون پور کا مشہور ادارہ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم جونپور میں میرے سینئر کلاس فیلو، کئی کتابوں کے مصنف، جناب مولانا و مفتی محمد تبریز عالم صاحب حلیمی و قاسمی ، سابق معین المدرسین دار العلوم دیوبند واستاذ حدیث دار العلوم حیدر آباد کا بہت زیادہ ممنون و مشکور ہوں کہ مفتی صاحب نے مواد کی فراہمی میں دل وجان سے مدد کی اور پروف ریڈنگ کر کے مقالہ کو اغلاط سے پاک وصاف بنایا۔

میں یہاں خاص طور سے خدا بخش لائبریری پٹنہ، نیشنل لائبریری کولکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی کولکتہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، جامعہ نظامیہ، المعہد العالی الاسلامی، مدرسہ سبیل السلام، سالار جنگ میوزیم، ادارہ ادبیات اردو، آصفیہ سنٹرل لائبریری، خالدیہ لائبریری دارالعلوم حیدر آباد، نظام ٹرسٹ اردو لائبریری، انجمن ترقی اردو لائبریری ،اور انٹرنیٹ سے لئے گئے تمام مواد، اس کے علاوہ تمام آن لائن و آف لائن کتب خانوں کے اراکین و ذمہ داران و عملہ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے مطلوبہ مواد کی فراہمی میں کافی مدد کی۔

اخیر میں سب کے لیے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ ان تمام کے ساتھ دین و دنیا میں بہتری اور خیر و عافیت کا معاملہ فرمائے اور میری اس ادنی کوشش کو قوم و ملت کے لئے فائدہ کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

والسلام

منہاج العابدین

باب اول

تاریخ و فن تاریخ نویسی تعریف و تعارف

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جس میں ماضی میں پیش آنے والے لوگوں کے حالات اور حوادثات و واقعات کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں ،تاریخ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں ، گزشتہ نسلوں کے بیش بہا تجربات آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے تاکہ تمدن انسانی کا کارواں رواں دواں رہے ، چنانچہ تاریخ کے بارے میں یہ کہنا اور لکھنا بجا ہو گا کہ علم تاریخ کا مطالعہ انسان کی فکر و آگہی میں اضافے کا سبب بنتا ہے ،تاریخ تہذیب و تمدن کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانیت کے خد و خال اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ بڑی وضاحت سے اجاگر ہوتے ہیں ۔تاریخ دراصل ماضی کی بازیافت ہے نہ کہ صرف ماضی کے واقعات کو قلمبند کر دینا ،تاریخ میں انسانی زندگی کے تمام واقعات پوشیدہ ہوتے ہیں ۔

تاریخ صرف انسانی عروج وزوال کی داستان ہی نہیں بلکہ انسانی سچائی کا آئینہ ہوتی ہے ۔اس لئے تاریخ کا مطالعہ ہر باشعور شہری کے لئے بہت ضروری ہے بغیر اس کے ہم اسلاف کے کارناموں سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتے ،اور نہ ہی مستقبل کو بہتر بنانے کے اقدامات کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے اندر جوش و ولولہ اور شوق پیدا ہو سکتا ہے ۔تاریخ بظاہر لڑائیوں اور حکومت کی خبروں سے اور سابق صدیوں کے بیتے ہوئے واقعات سے آگے نہیں بڑھتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا دائرہ بہت وسیع و عریض ہے ، مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ میں ہے :

> "اگر گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو تاریخ میں تحقیقی نظریات بھی ہیں اور کائنات کے لطیف علل و مبادی بھی اور اسی طرح واقعات کی کیفیات واسباب کا گہرا علم بھی ہے اسی لیے تاریخ کی دنیائے فلسفہ میں گہری جڑیں ہیں اور وہ اس لائق ہے کہ علوم حکمت میں شمار کی جائے "(1)

تاریخ اپنے اندر بہت سی باتوں کو سموئے ہوئے ہے ، چنانچہ تاریخ میں کسی قوم وملت اور کسی بھی ملک کی واقعات و حادثات کے علاوہ اس قوم وملت اور ملک کے رسم ورواج اور تہذیب و تمدن بھی اس میں شامل ہیں ۔تاریخ میں اقوال کی کثرت اور مثالوں کی فراوانی ہے ان ہی مثالوں اور واقعات سے عقلمند قومیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان اسباب و واقعات

سے سبق حاصل کرتے ہوئے ترقی کے منازل کی طرف گامزن ہوتی ہیں جبکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت نہ حاصل کر کے اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی قومیں ذلت و پشیمانی کے دلدل میں جا دھنستی ہیں۔الغرض قوموں کے عروج و زوال میں تاریخ کا بہت بڑا دخل ہے۔

لفظ تاریخ مختلف لغات میں: صاحب" المنجد" نے تاریخ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لفظ" :تاریخ" ارخ، تاریخا سے ماخوذ ہے اس کا معنی وقت کا بیان، کسی چیز کے واقع ہونے کا وقت یا اس کی تاریخ، اس کی جمع تواریخ آتی ہے۔"(2)

صاحب لغات کشوری لکھتے ہیں:

" تاریخ کا معنی کسی چیز کا وقت ظاہر کرنا، علم کسی واقعہ اور حادثہ کا، کسی امر عظیم سے مدت کا تعین کرنا، کوئی دن مہینے کا"(3)

المنجد فی اللغہ والاعلام کے مصنف نے تاریخ کا معنی اس طرح بیان کیا ہے :

" التاریخ والتاریخ جمع تواریخ، تعریف الوقت یقال تاریخ الشئ ای وقت حدوثہ، وعلم التاریخ: علم یتضمن ذکر الوقائع و اوقاتہا واسبابہا"(4)

لفظ تاریخ ہندی لغت میں: تاریخ کو ہندی میں اتہاس کہا جاتا ہے۔آچاریہ رام چندر ورما" نے اپنی لغت" لوک بھارتی پرمانت ہندی کوش" میں اتہاس کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" گزرے ہوئے مشہور واقعات اور اس دور سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے کارنامے (کال کرم) کا بیان۔"(5)

ڈاکٹر صادق علی گل رقم طراز ہیں:

"لغوی طور پر لفظ تاریخ سے مراد ایک دن رات، مہینے کا ایک دن یا کسی چیز کے ظہور کا وقت یا ایسا فن یا کتاب جس میں مشہور آدمیوں اور بادشاہوں کے وقائع، حالات، پیدائش اور وفات یا کسی عہد کے وقائع، روایات، قصے، افسانے اور جنگ نامے درج ہوں۔

عمومی لحاظ سے لفظ تاریخ سے مراد قوموں کے عام وقائع کا بیان یعنی شرح وقائع کا بیان بہ ترتیب سالیانہ (Annuals) ہے، یہ لفظ کسی عصر خاص کی ابتداء کا تعین (Era)، حساب حوادث کے وقت (Date) کا تعین بترتیب تاریخی وقائع استعمال ہوتا ہے مثلاً مسلمانوں کے یہاں تاریخ ہجری کا آغاز" سن ہجری "پیدائش دنیا کی تاریخ "تاریخ العالم" حضرت عیسی کی پیدائش کی " تاریخ مسیح "اور خلقت عالم کی تواریخ وغیرہ۔ یہ لفظ بہت سی تاریخی کتابوں کے نام کا بھی جزو ہے مثلاً تاریخ الطبری، تاریخ بغداد، تاریخ مکہ، تاریخ مدینہ، تاریخ لاہور، تاریخ اندلس، تاریخ الہند اور تاریخ الحکماء وغیرہ وغیرہ۔

عربی زبان میں لفظ تاریخ زمانہ (Era) حساب اور تعین وقت (Date) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ تاریخ مادہ و، ر، خ سے مشتق ہے جو سامی زبانوں میں مشترک ہے مثلاً عبرانی زبان کے لفظ یارے اخ " چاند " اور ییرح " مہینہ " میں یہی مادہ موجود ہے اسی مشابہت کی بنا پر قیاس کریں تو لفظ تاریخ کے معنی ہوں گے " مہینہ کا تعین کرنا "(6)

لفظ تاریخ مختلف زبانوں میں:

انگریزی زبان میں یہ لفظ ہسٹری (History) کے طور پر استعمال ہوا ہے، جو لاطینی زبان کے لفظ ہسٹوریا (Historia) سے مشتق ہے جس سے مراد کسی واقعہ کی تفتیش و تحقیق کرنا ہے۔ عام طور پر لفظ ہسٹری سے مراد کسی قوم، معاشرہ اور ادارے کے واقعات کا صحت وجوہات کے ساتھ ترتیب وار تحریری رکارڈ ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے یہاں دو انگریزی اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا امریکانہ میں تاریخ کی تشریح:

> "History is the past experience of mankind. More exactly history is the memory of that past experience as it has been preserved largely in written records. In the usual sense history is the product of historians work in reconstructing the flow of events from the original written traces or "sources" into a

narrative account. The existence of written records distinguishes the historic era from prehistoric times, known only through the researches of archaeology. The subject matter of history is the significant past, meaning the institutions and individual actions that affect the experience and development of whole communities. Traditionally, history has focused on the actions of government, their leaders and the conflicts, among them. In other words, political and diplomatic history." (7)

ترجمہ:

"بنی نوع انسان کے گزشتہ تجربات کو تاریخ کہا جاتا ہے۔ زیادہ قطعیت کے ساتھ اس گزشتہ تجربات کی ان یادداشتوں کا نام دیا جا سکتا ہے جو بڑی حد تک تحریری طور پر محفوظ کر لی گئی ہیں۔ عام طور پر تاریخ مؤرخین کے اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے تحت وہ اصل تحریری نشانات و ذرائع سے حاصل واقعات کے تسلسل کو تشکیل نو کے ذریعے بیانیہ کی شکل دیتے ہیں۔ تحریری ریکارڈس کی بناء پر ہی ہم تاریخ اور اس ماقبل تاریخ دور میں امتیاز کر سکتے ہیں جس کی تحقیق آثار قدیمہ کی بنیاد پر کی جا سکتی ہے۔ تاریخ کا موضوع درخشاں ماضی، اداروں کی اہمیت اور وہ انفرادی و شخصی افعال و اعمال ہیں جو پوری قوم کے تجربات و ارتقاء کو متاثر کرتے ہیں۔ روایتی طور پر تاریخ کی توجہ حکومتوں کے اقدامات، ان کے رہنماؤں اور ان کے مابین تنازعات پر مرکوز ہوتی ہے۔ جسے ہم دوسرے الفاظ میں سیاسی اور سفارتی تاریخ کہہ سکتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں تاریخ کی تشریح:

"A sense of the past is a light that illuminates the present and directs attention toward the possibilities of the future. Without an adequate knowledge of history – the written record of events

as well as the events themselves. History is a science- a branch of knowledge that uses specific methods and tools to achieve its goal. To compile a history records are needed. Some of these are written records, government papers, diaries, letters, inscriptions, biographies and many others.” (8)

ترجمہ:

"ماضی کا ادراک ایک ایسی روشنی ہے جو ہمارے حال کو روشن اور منور کرتی ہے اور مستقبل کے امکانات کی جانب متوجہ ہونے کی ہدایت دیتی ہے۔ تاریخ کے خاطر خواہ علم کے بغیر واقعات کا تحریری ریکارڈ ہو یا پھر واقعات خود ہوں۔ تاریخ بھی ایک سائنس ہے۔ یہ علم کی ایک شاخ ہے جو اپنے ہدف کے حصول کے لئے مخصوص طریقہ کار اور اوزار کا استعمال کرتی ہے۔ تاریخ کی تالیف کے لئے ریکارڈس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ تحریری صورت میں ہیں ، سرکاری کاغذات، روزنامچے، خطوط، کتبے، سوانحات اور بہت کچھ۔"

دنیا کے کچھ مشہور و معروف زبانوں میں تاریخ کے لئے کونسے کونسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اس کو جاننے کے لیے ڈاکٹر صادق علی گل کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

"**یونانی زبان میں** یہ لفظ ایڈنئے (Eide nai) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد: کسی واقعہ کی بصیرت وادراک حاصل کرنا ہوتا ہے۔

جرمن زبان میں یہ لفظ گشٹئے (Geschichte) تین قسم کے مفہوم ادا کرتا ہے۔ 1۔ کسی واقعہ کا وقوع پذیر ہونا، 2۔ وہ سلسلہ تحقیق جس کی بدولت وقائع کا علم، 3۔ معلوم شدہ وقائع کا بیان۔

فرانسیسی زبان میں یہ لفظ ہسٹر (Istor ,Histor) کے طور پر استعمال ہوا ہے جس سے مراد ماضی کی کسی چیز یا واقعہ کے بارے میں جاننا اور معلومات رکھنا ہے۔"(9)

تاریخ کی اصطلاحی تعریف و تحقیق(Defination of History):

تاریخ کی اصطلاحی تعریف میں بڑی بڑی موشگافیاں کی گئی ہیں، مختلف اہل قلم حضرات نے الگ الگ طریقوں سے اس کی تعریف کی ہیں ہر ایک کو بیان کرنا امر مشکل ہے تاہم چند مشہور و معروف اور جامع ومانع تعریفوں کو ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ایک اہل قلم نے تاریخ کی تعریف اس طرح کیا ہے:

" تاریخ اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بادشاہوں، فاتحوں اور مشاہیر کے احوال، گذرے ہوئے زمانہ کے بڑے اور عظیم الشان واقعات وحوادث، زمانہ گذشتہ کی معاشرت اور تمدن واخلاق وغیرہ سے واقفیت حاصل کی جاسکے۔

2۔ترجمہ ءتاریخ طبری کے مترجم" مولانا عبدالشکور صاحب نے دیباچہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علم تاریخ۔وہ علم ہے جس سے کائنات سابقہ کی خبر معلوم ہو عام اس سے کہ وہ کائنات قریب العہد ہو یا بعید العہد یعنی انکے وقوع کو تھوڑا زمانہ گذرا ہو یا بہت"(10)

3۔علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "الشماریخ فی علم التاریخ" میں جو تعریف کی ہے اس کا ترجمہ اس کتاب کے اردو مترجم نے اس طرح بیان کیا ہے:

"علم تاریخ نام ہے یعنی ملکوں اور قوموں کے احوال وحالات ان کی رسوم وعادات اور ان کے کاروبار اور پیشہ اور ان کے انساب ووفیات کے جاننے کا۔بعض حضرات نے اس سے وہ سارے امور بھی ملحق کردیئے ہیں جو بڑے واقعات و حوادث سے متعلق ہوں، جنگوں امور سلطنت، تہذیب و تمدن، حکومتوں کے قیام، عروج وزوال رفاہ عامہ کے کاموں کی حکایت وغیرہ کو بھی تاریخ کہا گیا ہے۔"(11)

لفظ تاریخ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اب اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ تاریخ کی بحیثیت مضمون کیا تعریف کی جاسکتی ہے۔اس سلسلہ میں مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی تاریخ کی تعریف موزوں معلوم ہوتی ہے جس نے تمام باتوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔چنانچہ وہ اپنی مشہور و معروف کتاب تاریخ اسلام حصہ اول میں تاریخ کی اصطلاحی تعریف یوں لکھتے ہیں:

"علم تاریخ اصطلاحا اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بادشاہوں، نبیوں، فاتحوں اور مشہور شخصوں کے حالات اور گزرے ہوئے مختلف عظیم الشان واقعات و مراسم وغیرہ معلوم ہو سکیں اور جو زمانہ گزشتہ کی معاشرت، اخلاق، تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے "(12)

میرے خیال میں یہ تعریف بہت ہی جامع ومانع معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں تاریخ سے متعلق تمام اشخاص وواقعات، اخلاق، تمدن اور معاشرت کے بارے میں مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ الغرض تمام تعریفوں کا ماحصل یہ ہے کہ جو حالات واخبار بقید وقت لکھے جاتے ہیں ان کو تاریخ کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ڈاکٹر صادق علی گل کی تحقیقی کتاب " فن تاریخ نویسی، ھومر سے ٹائن بی تک " کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس علم کا موضوع:

وہ اسلاف ہیں جو زمانہ ماضی میں اپنے اپنے زمانوں میں اہمیت وعظمت کے مالک تھے مثلا، انبیائے کرام، اولیائے عظام، علماء، حکماء سلاطین اور شعراء وغیرہ جن کے کارنامے اور ان کی غیر معمولی خدمات کتب تواریخ میں موجود ہیں ان سے استفادہ اور ان چیزوں کو عقل کی کسوٹی سے پرکھ کر اپنے لئے کارآمد بنانا اور انہیں اپنے لئے مشعل راہ بنانا بہ الفاظ دیگر قوموں کا عروج وزوال، حکومتوں کی ترقی وانحطاط اور اس کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالنا، ماضی کے سبق آموز واقعات کا مطالعہ کرکے اپنے مستقبل کو روشن بنانا؛ یہی باتیں اس علم کا موضوع ہیں۔

تاریخ کی غرض وغایت:

گزرے ہوئے حالات وواقعات کی معرفت ہے۔ ابن خلدون کے مطابق تاریخ کی غرض وغایت حیات اجتماعی کا مطالعہ ہے۔ جس سے ایک صالح معاشرہ اور بہترین تہذیب وتمدن وجود میں آسکے اور دنیا میں رہنے والے لوگ بہتر طور پر بود وباش اختیار کر سکیں یعنی جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اس پر عمل کرنا تاریخ کا مقصد اور اس کی غایت ہے

مؤرخ کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے: تاریخ اسلام کے مصنف لکھتے ہیں:

"بہترین مؤرخ وہ ہوتا ہے جو سالم العقیدہ اور پاک مذہب ہو، جو کچھ لکھے وہ بیان واقعہ ہو، نہ کسی بات کو چھپائے نہ کوئی بات اپنی طرف سے بڑھائے، جہاں کہیں کم فہم لوگوں کے کے ٹھوکر کھانے اور غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو وہاں اس واقعہ کے متعلق اپنی طرف سے تشریح کر دینا اور حقیقت کو سمجھا دینا جائز ہے

مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ کسی کی خوشامد کرے اور نہ کسی سے عداوت رکھے، مؤرح کی عبارت سادہ عام فہم اور بے ساختہ ہونی چاہیے، تکلفات اور قافیہ بندی کے التزام میں مدعائے تاریخ نویسی اکثر فوت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو تاریخیں نظم میں لکھی گئی ہیں وہ عموما پایہ اعتبار سے ساقط سمجھی جاتی ہیں۔

مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ امانت و دیانت میں ممتاز ہو، صدق مقال اور حسن اعمال میں خصوصی اعتبار رکھتا ہو، جھوٹ سے کوسوں دور، بیہودہ سرائی سے نفور و مہجور ہو، تاریخ کی تدوین و ترتیب میں مؤرخ کو بڑی کاوش و جانکاری سے کام لینا پڑتا ہے پھر بھی حقیقت و اصلیت تک رسائی یقینی نہیں ہوتی، علم ہیئت، علم طبقات الارض، علم تمدن اور مذاہب عالم سے واقف ہونے کے ساتھ ہی مؤرخ کو ذہین، نکتہ رس اور منصف مزاج، ساتھ ہی ادیب اور قادر الکلام بھی ہونا چاہیے کہ مافی الضمیر کو بآسانی ادا کر سکے۔"(13)

تاریخ کا ایک سرسری جائزہ:

جب انسان معاشرتی حالات میں داخل ہوتا ہے اس وقت تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، جب تک انسان دور فطرت میں رہتا ہے اسے دوسروں کی پرواہ نہ تھی اس کی صرف ایک ہی ضرورت تھی کہ وہ کسی طرح اپنی بھوک مٹائے، دور وحشت کی انسانی حالت حیوانی حالت سے ملتی جلتی تھی، جب دور وحشت کا خاتمہ ہوا اور انسانی معاشرہ وجود میں آیا اور باہمی ضرورت کے لئے انسان آپس میں ملے تو انسانی تاریخ کا اغاز ہوا، پھر انسان نے ترقی کی، آگے بڑھا یوں گاؤں، شہر، ملک، قومیں، تمدن اور تہذیبیں وجود میں آئیں، پروان چڑھیں، پھلی پھولیں، زوال پذیر ہوئیں اور تباہ ہوئیں۔

جوں جوں انسان نے تہذیب و ثقافت میں قدم بڑھائے اس کا ماضی کے حالات دریافت کرنے کا شوق بڑھتا گیا کیوں کہ اس کی بدولت وہ ترقی کر رہا تھا، پھر آئندہ نسلوں تک اپنے تجربات و واقعات پہنچانے کی فکر اسے دامن گیر ہوئی اور اس طرح فن تحریر وجود میں آیا، پتھروں، درختوں کی چھالوں، جانوروں کی کھالوں اور صفحہ قرطاس پر وہ تجربات و واقعات اتارے جانے لگے۔ آریوں کی وید، زرتشتوں کے زند و اوتستہ، حضرت موسی کے فرامین، زبور،

توریت، حمورابی کے قوانین فراعنہ کے اہرام اور اشوک کی لاٹیں قدیم تاریخ ہیں جو انسانوں کے تاریخی ذوق و ورثہ کا پتہ دیتی ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن کا یہ سلسلہ قریباً دس ہزار سالوں پر محیط ہے۔ بقول ڈاکٹر صادق علی گل: علم تاریخ راہ حیات کی وہ گاڑی ہے جو مختلف زمانوں کی تہذیبوں کے راستوں سے گزرتی ہوئی ان کی ابتداء و انتہاء اور ارتقاء سے آگاہ کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر قوم ماضی کے اثرات میں اپنی جڑیں تلاش کرتی ہے، جس قوم کی تاریخ جتنی قدیم ہو گی وہ اتنی ہی زیادہ اس کے لئے باعث فخر و مباہات ہو گی۔ اب جس سرعت کے ساتھ قوموں اور ملک کی کشمکش کے انقلابی حادثات و واقعات رونما ہوں گے، اسی رفتار کے ساتھ تبدیلیاں وقوع پذیر ہوں گی اور اسی تسلسل کے ساتھ تاریخ جنم لیتی رہتی ہے گویا تاریخ کا مبداء خلق عالم ہے اور زمین کا چپہ چپہ تاریخ کا ایک بے پایاں دفتر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہے کہ پندرھویں صدی میں جب یورپ میں احیائے علوم کی تحریک شروع ہوئی تو تاریخ کے مطالعہ کو بہت تقویت پہنچی، اس وقت پادریوں نے تاریخ کی شدید مخالفت کی تھی اس لئے تاریخ یورپ کے اسکولوں میں داخل نصاب نہ ہو سکی، سولہویں صدی میں تاریخ کو وہاں کے اسکولوں میں جگہ ملی اور سترھویں صدی کے شروع میں یورپ نے تاریخ کو بہت زیادہ اہمیت دی اور تمام اسکولوں اور کالجوں میں اسے داخل کیا گیا۔ اٹھارہویں صدی میں تاریخ کو مزید فروغ حاصل ہوا، چنانچہ فرانس اور جرمنی میں فلسفہ تاریخ کے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ کو فلسفہ اور نظریہ ارتقاء کے ساتھ پیش کیا۔ انیسویں صدی میں تمام علوم کے ماہرین نے تاریخ کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کر لیا تھا پھر بیسویں صدی کے شروع میں یورپ کے تمام ممالک میں ماہرین نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ تاریخ کو سائنٹفک نظریہ کے مطابق پڑھا جائے۔ مذکورہ بالا باتیں ڈاکٹر صادق علی کی کتاب " فن تاریخ نویسی" کے صفحہ 12 کا تلخیص ہیں۔

تاریخ کی اقسام:

مختلف انواع واقسام کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ کو کئی اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے مثلا باعتبار کمیت تاریخ کی دو قسمیں ہیں 1 :عام،2 : خاص

عام تاریخ سے مراد یہ ہے کہ جس میں ساری دنیا کے لوگوں کا حال یا سلطنتوں کو بیان کیا جائے۔

خاص تاریخ سے مراد یہ ہے کہ جس میں کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت اور مملکت کا حال بیان کیا جائے۔

کیفیت کے اعتبار سے بھی تاریخ کی دو قسمیں ہیں،1 :روایتی،2 :درایتی

روایتی تاریخ: وہ ہوتی ہے جس میں وہ روایتیں درج کی گئی ہوں جس کا راوی نے بذات خود مشاہدہ کیا ہو یا پھر مؤرخ کو کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں اس قدر روایتیں پہونچی ہوں کہ جو قابل قبول اور تسکین بخش ہوں یا مؤرخ نے براہ راست اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو۔تاریخ کی یہ قسم سب سے زیادہ معتبر اور قابل قدر سمجھی جاتی ہے۔اس قسم کی معتبر تاریخ میں نہ تو قیاس کرنا پڑتا ہے اور نا ہی موہوم خیالات کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔اگرچہ کہ عقل و فہم ان واقعات وحادثات سے متعلق غلط فہمی کا شکار ہوں تو روایتی تاریخ سے اس کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔

درایتی تاریخ: اس تاریخ کو کہتے ہیں جو محض آثار قدیمہ و آثار منقولہ اور عقلی ڈھکو سلوں کے ذریعہ ترتیب دی گئی ہو۔اور ہم کو عہد مؤرخ یا عہد راوی کا بیان اس واقعہ سے متعلق دستیاب نہ ہو سکتا ہو۔ جیسے قدیم مصر۔قدیم عراق اور قدیم ایران کی تاریخیں بعد کی لکھی گئی ہیں۔تاریخ کی اس قسم کے ذریعہ سے بھی بہت کچھ معلومات حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن واقعات کے یقینی علم تک نہیں پہونچا جاسکتا ہے۔

تاریخ کے شعبہ جات:

عام طور پر تاریخ سے ہم سیاسی واقعات ،حالات جنگ وجدال اور حکمرانوں کے کارنامے مراد لیتے ہیں اور تاریخی کتب کے مطالعے سے بھی صرف ان ہی باتوں سے متعلق جانکاری ملتی ہے یعنی کتب تواریخ کا بیشتر حصہ اقتدار،

حکومت ، طاقت ، جنگ ، فتح و شکست کی تفصیلات پر مبنی ہوتا ہے اور ان میں کسی معاشرہ کی تہذیب و تمدن اور ماضی کے طرز معاشرت کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ جب کہ تاریخ کے شعبہ جات میں دیگر چیزیں بھی اس کے زمرہ میں آتی ہیں یعنی تاریخ، سیرت وطبقات ، مغازی، تاریخ بلدان، تاریخ ملوک، تاریخ تہذیب و تمدن، تاریخ علوم وفنون ، تاریخ سلاسل تصوف اور خاندان وانساب، تاریخ مذاہب، عقائد اور روایات وغیرہ کو شامل ہیں۔ چنانچہ پہلے قرآن کریم نے دیگر اقوام کے حالات واقعات اور تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اس فن میں امتداد زمانہ کے ساتھ وسعت پیدا ہوتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں ،آپ کے حالات ، خلفائے راشدین کے حالات ، فتوحات وغزوات، مفتوح قوموں کے حالات اوران کی تہذیب وثقافت پھر فرقوں اور مذاہب کی بابت معلومات، علماء زاہدین، شعراء، امراء اصحاب فن کے حالات کو بھی تاریخ کا حصہ بنایا گیا۔ اور اسلامی تاریخ کتب میں یہ تمام شعبہ جات پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے میں اپنے اس مقالہ میں درج بالا تاریخی امور سے متعلق تمام طرح کی کتب تواریخ کو شامل کرنے کی کروں گا۔

نوٹ: تاریخ کی اقسام اور شعبہ جات وغیرہ کے بارے میں مذکورہ بالا باتیں حذف واضافے سے ساتھ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی کتاب تاریخ اسلام اور دیگر کتابوں سے لی گئی ہیں۔

تاریخ سے متعلق نظریات:

تاریخ کی ابتداء اور ارتقائی سفر کے متعلق مختلف افکار و نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چینیوں، ہندوستانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے الگ الگ نظریات و تصورات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح انیسویں صدی کے اندر وجود پذیر دو مختلف گروپ یعنی عینیت پسند اور ثبوتیت پسند تحریک کا بھی تاریخ کے تعلق سے الگ الگ نظریہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کرہ ارض پر موجود تمام ممالک میں چین کو قدیم تاریخی روایات کے تسلسل کو برقرار رکھنے والا ملک قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور وہ اس بات کا دعوی بھی کر سکتا ہے کیونکہ قدیم چینی دستاویزات کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چاؤ سلطنت کی ابتداء دوسری صدی قبل مسیح تک پہونچتی ہے۔ اس سلطنت کے ابتدائی ایام سے ہی اس کے

تاریخی تصورات کا تسلسل اٹھارہویں صدی تک فروغ پاتا رہا۔ لیکن بعد میں مغربی اثرات اس پر مرتب ہونے لگے۔ قدیم زمانے سے ہی چین میں تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ چینی تاریخ کو لکھنے والے عام طور پر وہ عالم ہوتے تھے جن کی شاہی دربار سے وابستگی رہتی تھی۔ درحقیقت ہر شاہی خاندان میں تاریخ کا ایک دفتر قائم تھا۔ اس طریقے سے وہاں کی معیاری اور مرتب تاریخیں ہوئیں۔ تاریخ کے متعلق قدیم ہندوستانی تصور یہ کہ اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ قدیم ہندوستانیوں کے پاس اپنی تاریخ کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے اور انہیں تاریخ کا شعور نہیں تھا۔ اس بات کو مکمل طور پر صحیح خیال نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہندوستانیوں نے اگرچہ کہ سیاسی واقعات کو قلمبند نہیں کیا ہے تاہم تاریخ سے متعلق دیگر پہلوؤں کو ضرور لکھ کر ریکارڈ کو محفوظ رکھا ہے جیسے وہ حالات و واقعات اور حکایتیں جس میں مفید خیالات پائے جاتے تھے اور خصوصا شجرہ کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ ان باتوں کا ثبوت قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس ہندوستان میں پیدا شدہ بدھ مذہب کے عالم بدھ وہاروں کے تاریخی واقعات محفوظ رکھتے تھے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گو قدیم ہندوستان میں بالکلیہ طور پر تسلسل کے ساتھ تاریخی واقعات لکھنے کا رواج نہیں تھا لیکن جزوی طور پر تاریخ سے متعلق ضرور کچھ چیزیں لکھ کر محفوظ کیا جاتا تھا۔ تاریخی تصورات کے سلسلہ میں قدیم یونانیوں کا تصور یہ ملتا ہے کہ انہوں نے پہلے سے ہی تاریخ کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اور قدیم یونانی تاریخ کے مخصوص حقائق کو قلمبند کرنے پر زور دیا ہے۔ ان کے اس ٹھوس عملی کام نے ان کی تاریخی تحریروں کو مستند بنا دیا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح کے یونانی مؤرخ ہیوڈوٹس کو بابائے تاریخ سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ اس نے اسے ایک مستقل مضمون کا جہت عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی طرح سے رومیوں میں بھی قدیم مؤرخین میں سے "لیوی" ،"ٹیاسی ٹس" وغیرہ کے نام پائے جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے دو مکتب فکر عینیت پسند اور ثبوتیت پسند کے تاریخ کے متعلق الگ الگ نظریات ملتے ہیں۔ چنانچہ عینیت پسند کے مشہور فلسفی مؤرخین میں سے ڈیٹو کروس اور ول ہیلم ڈیلھی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تاریخ کی تحقیق کے طریقہ میں سائنسی طریقہ کار کو استعمال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مؤرخ اور سائنسداں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ سائنس دان عالمی قوانین اور نظریات کو ملحوظ رکھتا ہے جبکہ مؤرخ صرف کیا ہوا اور کیوں ہوا سے واسطہ

رکھتا ہے۔اور ثبوتیت پسند مکتب فکر کا تصور یہ ہے کہ تاریخ کو علم کی ایک خود مختار شاخ کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے بلکہ علم کی تمام شاخوں کی تحقیق میں ایک ہی قسم کے سائنسی طریقہ کار کو اختیار کیا جاتا ہے۔الغرض ان دونوں مکتب فکر میں یہ اختلاف ہے کہ تاریخ بذات خود ایک علم کا شعبہ ہے یا نہیں چنانچہ عینیت پسند کا خیال ہے کہ یہ علحدہ علم کا ایک شعبہ ہے جبکہ ثبوتیت پسند مکتب فکر کا خیال ہے کہ یہ سائنسی علوم کی شاخ ہے۔ الغرض ہر مکتب فکر اور ہر ممالک کا تاریخ کے تعلق سے مختلف نظریات و تصورات ہیں۔ عربوں کا خصوصاعلامہ ابن خلدون کا تاریخ کے متعلق تصور یہ ہے کہ تاریخ کی جڑیں حکمت و فلسفہ میں پیوست ہیں اس لئے اس کا شمار علوم حکمت میں ہونا چاہیے۔

عالمی تاریخ: عالمی تاریخ جسے عام تاریخ بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ دراصل اپنے وسیع معنی میں روئے زمین کی تمام انسانوں کی سرگزشت اور اس کو اس دنیا میں پیش آنے والے واقعات و حادثات اور انسانی معاشروں میں وجود آنے والے رسم و رواج، جنگیں اور انقلابات، حکومت اور فتوحات کا مرقع ہے۔ اس مرقع کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب انسان نے آدم سے پہلے یا بعد حیوانیت کی منزل سے انسانیت کے دائرے میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک کے تمام ملکوں کے واقعات و حادثات اور حکومت و سیادت کی کارکردگی کو عالمی تاریخ سے تعبیر کیا جائے گا۔ ولیم ایل لینگر لکھتا ہے:

> "تاریخ وسیع معنی میں انسان کی سرگزشت اور اس کے کارناموں کا مرقع ہے۔اس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انسان نے حیوانیت کی منزل ختم کر کے انسانیت کے دائرے میں قدم رکھا تھا اس مرقع کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے
>
> 1۔ تاریخ۔ جو تحریری دستاویزوں کی بنیاد پر تیار ہوئی اس میں انسان کی گذشتہ پانچ ہزار سال کی سرگرمیاں بیان ہوئی ہیں
>
> 2۔ تاریخ سے پیشتر کا دور۔ یہ عموماً آثار قدیمہ کی پیش کردہ شہادتوں پر مبنی ہے اور اس میں وہ پورا زمانہ آجاتا ہے جو شاید دس لاکھ سے بھی زیادہ مدت پر حاوی ہے۔"(14)

ملکی تاریخ: ایک ملک کا انسانی شخصیت اور پہچان پر گہرا اثر ہوتا ہے، نیز ملک، نظام و انتظام کا مجموعہ بھی ہوتا ہے جس پر قوم کی بنیاد ہوتی ہے۔ ملک کے دو اہم جز ہوتے ہیں ایک جغرافیہ اور دوسرا نظریاتی ہر ملک کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے جس میں جغرافیائی یا ارضیاتی وجود کی سیاسی تقسیم پر بحث ہوتی ہے اسی لیے ملکی تاریخ جس کو خاص تاریخ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کسی ایک خاص ملک کی تاریخ جیسے جنگ و جدال معاشرہ و تہذیب، زبان و بیان رسوم و رواج اور حکومت و سیادت، رفاہی و عوامی کام، ملک کی ترقی و تنزلی کے اسباب اور فتوحات کو بیان کیا جاتا ہے۔

تاریخ کی اہمیت:

قوموں کی زندگی میں تاریخ کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت وہی ہے، جو فرد واحد کی زندگی میں اس کے حافظہ اور یادداشت کی ہوتی ہے جس طرح ایک شخص کی یادداشت اس کی سوچ، شخصیت، کردار، افکار اور نظریات پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح ایک قوم کی اجتماعی زندگی اور مجموعی طرز ہائے عمل پر سب سے گہرا اثر اس کی تاریخ کا ہوتا ہے، تاریخ ہی کے ذریعہ قوموں کے مد و جزر، عروج و زوال اور ترقی و انحطاط کی راہیں متعین ہوتی ہیں اسی سے امم سابقہ کی لغزشوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور غلطیوں کا پتہ چلتا ہے اور ان کے اسباب و وجوہات معلوم ہوتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ انسان ان گزرے ہوئے حالات و واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور انقلابات زمانہ سے انسان کو تجربات حاصل ہوں تاکہ گزشتہ زمانہ میں جو حالات و واقعات انسان کے لئے ضرر رساں رہے ہوں ان سے بچیں اور جو واقعات انسان کے لئے نافع ثابت ہوں ان کو حاصل کریں۔ اور مستقبل کی بہتری کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کریں۔ کسی بھی قوم کے لئے قعر مذلت سے اٹھ کر بام عروج تک پہونچنے کے لئے تاریخ ہی بہت بڑی محرک شیٔ ہوتی ہے اسی تاریخ کے ذریعہ اقوام عالم نے اپنے آپ کو ذلت و پستی سے نکال کر ترقی کے بیشمار منازل طے کرائے لہٰذا تاریخ ترقی کے لئے ایک زبردست مؤثر اور نہایت قیمتی ذریعہ ہے۔ اور اپنے مستقبل کو تابناک اور درخشاں بنانے کے لئے اس سے زیادہ مؤثر اور کارآمد ہتھیار نظر نہیں آتا۔ اور یہی تاریخ ہمیں دعوت فکر و عمل بھی عطا کرتی ہے۔ جب کہ موجودہ دور میں کچھ ایسے غیر سنجیدہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو تاریخ کا مذاق اڑاتے

ہوئے اسے گڑے ہوئے مردے اکھاڑنا سے تعبیر کرتے ہیں جب کہ صدیوں سے لے کر آج تک بیشتر مؤرخین کا قول ہے کہ تاریخ کا مقصد تفریح کرانا نہیں بلکہ سبق دینا ہے۔اور تاریخ کا مقصد داستان گوئی نہیں بلکہ تاریخ کا مقصد انسانی تجربات سے فائدہ حاصل کرنا ہے نیز زندگی کی کامیاب منصوبہ بندی کے لئے تاریخ سے بہتر کوئی رہنما نہیں ان مذکورہ بالا نکات سے تاریخ کی اہمیت وافادیت کا پہلو اجاگر ہو جاتا ہے۔

تاریخ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کلام مقدس جو رشد وہدایت کا علم بردار، راہ حق اور صراط مستقیم کا حقیقی معیار ہے اس کتاب الٰہی کا ورق ورق امم ماضیہ کے تذکروں، سلاطین عالم کی گمراہیوں اور غافل قوموں کی بے اعتدالیوں سے بھراپڑا ہے، قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سعادت انسانی اور دنیاو آخرت کی کامیابی کے لئے تاریخ کا مطالعہ از حد ضروری ہے چنانچہ خدائے بزرگ وبرتر نے قرآن کریم میں اشرف المخلوقات کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لئے امم سابقہ کے حالات وواقعات کو ذکر کرکے یہ بات واضح کردی ہے کہ فلاں قوم نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے کیسے کیسے نتائج دیکھے اور وہیں کچھ اقوام اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے کامیاب اور فائز المرام ہوئی۔غرض انبیاء کرام حضرت آدم، ابراہیم، موسی وعیسی علیہم الصلاۃ والسلام وغیرہم کے واقعات اور فرعون، نمرود، عاد وثمود وغیرہم کے حالات قرآن کریم میں اس لئے مذکور ومسطور نہیں ہیں کہ ہم ان کو دل بہلانے اور نیند لانے کا سامان بنائیں بلکہ انسان ان چیزوں کو پڑھ کر بداعمالیوں سے بچ کر نیک اعمال کی طرف گامزن ہو اور اپنے حال کو بہترین مستقبل کا ذریعہ بنا سکیں۔تاریخ کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں:

> " تاریخ ہم کو بزرگوں کے حالات سے واقف کرکے دل دماغ میں ایک بابرکت جوش پیدا کردیتی ہے، انسانی فطرت میں ایک خاص قسم کی پیاس اور خواہش ہے جو ممالک کی سیاحی، باغوں کی سیر اور کوہ وصحراء کے سفر پر آمادہ کردیتی ہے۔یہی وہ فطری تقاضہ ہے جو تاریخی کتابوں کے مطالعہ کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔اس فطری تقاضے پر نظر فرما کر فطرتوں کے خالق نے کتب سماویہ میں چاشنی رکھی ہے۔۔۔۔۔۔

اس ضرورت کوملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے بنواسرائیل کواس جانب متوجہ کیابنواسرائیل کیسی عظیم الشان قوم تھی کہ نحن ابناء اللہ واحبائہ تک کہہ گزرے لیکن جب اپنے بزرگوں سے بے خبر ہوتے گئے قعرمذلت میں گر گئے۔اسی لئے خدائے تعالی نے یابنی اسرائیل اذکروا کے الفاظ سے بار باران کو مخاطب فرمایااوران کے بزرگوں کے حالات کویاددلایا"۔(15)

مذکورہ بالااقتباس میں مولانااکبر شاہ نجیب آبادی نے تاریخ کی اہمیت وافادیت کونہایت ہی بہتر طریقے سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ایک اور اقتباس تاریخی کتب کے فائدے سے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔مولاناابوالعرفان ندوی لکھتے ہیں:

"یہ علم جیساکہ کہاجاتاہے انسان اس کے ذریعہ سے مکان میں بیٹھ کروہ تجربات اوروہ نافع واقعات وحالات معلوم کر لیتاہے جو دوسروں کوسفر ومشقت کے بعد حاصل ہوتے ہیں"(16)

تاریخ کے دنیوی فائدے: ہر انسان جنہیں اللہ تعالٰی نے عقل سلیم ودیعت کی ہے،اوروہ صراط مستقیم پرہے اچھی طرح سمجھ سکتاہے کہ تاریخ کے بیشمار فوائد ہیں،اوراس میں دنیوی اوراخروی منافع بھی ہیں چنانچہ ہر انسان کے خاصہ میں یہ بات داخل ہے کہ اسے بقاء حاصل ہواوراس کا شمار زمرہءاحیاء میں رہے اس کے لئے وہ تاریخ کے اوراق کوالٹ پلٹ کرتاہے کہ نامور ہستیوں نے کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کاموں کی وجہ سے انہیں عزت وشہرت ملی اور ان سے کونسی ایسی خطاء سرزدہوئی جس کی وجہ سے ان کی بدنامی ہوئی اوراس سے مال ومتاع کانقصان ہوا۔جب قاری تاریخ کے ان واقعات کی ورق گردانی کرتاہے تواس کے سامنے بہت سے دریچے کھل کر سامنے آتے ہیں جس سے انسان کوتجربہ اور معرفت حاصل ہوتی ہے نیز تاریخ کامطالعہ حوصلہ بلند کرتاہے،اس سے دانائی اور بصیرت ترقی کرتی ہے،دوراندیشی بڑھتی ہے،حزم واحتیاط کی عادت پیداہوتی جاتی ہے،اسی سے حق کو پہچاننے اور باطل کورد کرنے کی قوت ترقی اور قوت فیصلہ بڑھ جاتی ہے،تاریخ کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے دل ودماغ میں ہر وقت تازگی اور نشو ونما کی کیفیت موجودرہتی ہے اور وہ ہر کام میں اچھے اور برے نتائج سے آگاہیت حاصل کرسکتاہے کیونکہ دنیامیں کبھی کوئی کام یاواقعات وحوادث ایسے نہیں ہوتے کہ پہلے اس طرح کے حوادث وواقعات پیش نہ آئے ہوں۔اس لئے ان سے انسان کے عقل میں زیادتی ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں کسی عربی شاعرنے کیاخوب کہاہے:

رایت العقل عقلین فمطبوع ومسموع
فلا ینفع مسموع اذالم یک مطبوع
کما لا تنفع الشمس و ضوء العین ممنوع

ترجمہ:

میں نے جب عقل کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ دو طرح کی عقلیں ہوتی ہیں ایک تو مطبوع یعنی پیدائشی اور دوسری مسموع یعنی جو سننے سنانے سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر عقل مسموع اس وقت تک کچھ نفع نہیں بخشتی جب تک کہ عقل مطبوع جو کسی انسان کو خدا کے یہاں سے نہ ملی ہو۔ اس کا حال بعینہ ایسا ہی ہے کہ جیسے آفتاب کی روشنی اس وقت تک مفید نہیں جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو۔ یہاں عقل مطبوع سے مراد عقل جبلی ہے جو انسان کے اندر اللہ نے ودیعت کی ہے اور عقل مسموع سے مراد وہ عقل ہے جو انسان علم اور تجربہ سے حاصل کرتا ہے جو عمر کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے

تاریخ کا ایک دنیوی فائدہ یہ بھی ہے کہ جب انسان کسی مجلس میں تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہے تو لوگ اس کی باتوں کو بغور سنتے ہیں، سنانے والے کی عزت کرتے ہیں اور اس کے اطراف دل لگا کر بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ان تاریخی باتوں میں نصیحت آموز سبق ہوتا ہے اور تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ غرض تاریخ اس کائنات کا پس منظر بھی ہے اور پیش منظر بھی، اسی پر بس نہیں، بلکہ اس سے آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کرنے میں خوب مدد ملتی ہے۔

تاریخ کے اخروی فوائد: تاریخ کے اخروی فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی عاقل و دانشمند انسان تاریخی واقعات کو غور سے پڑھے گا تو اس کے سامنے دنیا میں ہونے والے انقلابات اور حوادث و مصائب کے واقعات واسباب سامنے آئیں گے تو وہ اس طرح کے حالات واسباب کو دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ دنیا میں امیر و غریب، جلیل و فقیر کسی کو بھی ثبات اور چین وسکون میسر نہیں ہے تو دنیا کو فانی سمجھ کر اس سے دل لگانے سے بچے گا، اس سے اعراض کرے گا اور آخرت کے لئے اپنا توشہ جمع کرے گا اور اس گھر کی طرف جانے کے لئے شوق و رغبت کرے گا جہاں یہ نقائص نہیں پائے جاتے۔ اور اس میں رہنے والے سلامت اور محفوظ ہونگے۔ اخروی فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کو تاریخ بینی سے صبر اور عبرت پذیری کی عادت ہوتی ہے جو عمدہ صفات میں سے ہے۔

قرآن مجید میں بھی بہت سے تاریخی واقعات کو اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے بنی نوع انسان عبرت حاصل کریں گے چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ " جو شخص صاحب دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا ہے اس کے لئے ان باتوں یعنی تاریخی واقعات میں پوری پوری نصیحت موجود ہے"۔ سورۃ الملک آیت نمبر 10 میں یہ مضمون بھی مذکور ہے کہ اہل دوزخ کہیں گے کہ : اگر ہم سنتے یا سمجھتے یعنی پیغمبروں کے کہنے کو قبول کرتے اور مانتے تو ہم اہل دوزخ میں شامل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبروں نے امم سابقہ کے حالات و واقعات بھی سنائے ہوں گے ،ان کی تاریخ اور فلسفہ تاریخ بھی بتایا ہوگا پس اگر وہ اس تاریخ کے عروج وزوال سے سبق حاصل کر لیتے اور کفر و عناد سے باز آکر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے تو خود کو اہل بہشت کی فہرست میں موجود پاتے اور ایسے کتنے ہی لوگ گزرے ہیں کہ انہیں تاریخ سے عبرت ملی اور ان کی اخروی زندگی سنور گئی علاوہ ازیں قوم نوح، قوم لوط، قوم عاد اور قوم ثمود کا مفصل تذکرہ اور ان کے انجام کا بیان امت محمدیہ کو عبرت و موعظت کا اخروی درس دیتا ہے۔تاریخ کی دنیاوی و اخروی فوائد کے بارے میں درج بالا باتیں " التاریخ الکامل" کے مصنف "علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم" المعروف بہ "ابن الاثیر الجزری" نے لکھی تھیں جن کا اردو ترجمہ مولانا عبدالغفور خان صاحب رامپوری نے کیا ہے چونکہ وہ پرانی اردو تھی لہذا اسی اردو کو موجودہ زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے اس میں کچھ ایڈیٹ کر کے نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ کا یہ فائدہ بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ تاریخ کا طالب علم ہر آن اور ہر لحظہ اپنے آپ کو انبیاء ورسل، اولیاء و امراء اور فاتحین و علماء کی مجلسوں میں محسوس کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر زندہ اور باشعور قوم اپنی تاریخ رقم کرنے، اس کو محفوظ رکھنے اور ممکنہ حد تک اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے کی پوری سعی اور کوشش کرتی ہے اس سلسلہ میں ایک عمومی اقتباس پڑھیئے:

"تاریخ میں چونکہ اچھے آدمیوں کی خوبیاں اور برے لوگوں کی برائیاں لکھی جاتی ہیں لہذا کسی رذیل یا کمینہ خاندان والے کو علم تاریخ سے بہت ہی کم محبت ہو سکتی ہے، شریف قوموں کو اپنے آباء واجداد کے کارہائے نمایاں یاد ہوتے ہیں، جن کی پیروی کو وہ اپنی شرافت قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، رذیل قومیں امتداد زمانہ کے سبب اپنے بزرگوں کے بزرگ کاموں کو بھی بھول جاتی ہیں کسی خاندان یا قوم کو جس کے باپ دادا نے خدا پرستی، جوانمردی علم

وہنر، جاہ وحشمت وغیرہ میں خصوصی امتیاز حاصل کیا ہو اور وہ اس کو بالکل فراموش نہ کر چکے ہوں تو ان کو بزرگوں کے بڑے بڑے کارنامے بار بار یاد دلا کر عزم وہمت اور غیرت وحمیت ان میں پیدا کر سکتے ہیں، یہی سبب ہے کہ علم تاریخ کا شوق رکھنے والے اکثر شریف القوم، عالی نسب بزرگ زادے اور نیک آدمی ہوتے ہیں کوئی کمینہ خاندان کا آدمی یا خدائے تعالی کا منکر یعنی دہریہ یا کوئی بزدلی میں شہرت رکھنے والا دنیا میں اعلی درجہ کا مؤرخ اور تاریخ کا امام نہیں گزرا"(17)

سیرت اور تاریخ میں فرق

سیرت عربی زبان کا لفظ ہے جو اخلاق وعادات اور اطوار کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور سیرت کی جمع سیر ہے یعنی خصلتیں اور عادتیں وغیرہ جبکہ تاریخ نام ہے اس علم کا جس میں نبیوں رسولوں، خلفائے راشدین، علماء، حکماء، بادشاہوں اور امیروں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں نیز اس میں ماضی کے اخلاق وعادات، رسوم ورواج اور معاشرہ کی تہذیب وتمدن سے بھی بحث کی جاتی ہے۔اور تاریخ ایک مستقل فن ہے جبکہ سیرت تاریخ کا ایک اہم پہلو ہونے کے ساتھ ساتھ فن تاریخ سے الگ اور ممتاز ہے۔اس لئے کہ تاریخ کی ترتیب میں جن مراجع کو بنیاد بنایا جاتا ہے وہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔

1۔آثار مضبوطہ 2 ۔آثار منقولہ 3 ۔آثار قدیمہ

آثار مضبوطہ وہ تمام لکھی ہوئی تحریریں ہیں جو یادداشتوں، کتابوں اور دفتروں کے فیصلہ شدہ دستاویزات اور احکامات کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔تاریخی مواد میں اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

آثار منقولہ سے مراد زبان زد باتیں ہیں مثلا ضرب الامثال، کہانیاں، نظمیں،واقعات اور دیگر چیزیں جو تصدیق شدہ نہ ہوں۔بمقابلہ آثار مضبوطہ اس کی اہمیت کم ہوتی ہے۔

آثار قدیمہ :۔قدیم زمانے کی نشانیاں کہلاتی ہیں جیسے عمارات،شوارع اور باغات اور کھنڈرات وغیرہ

جس طرح تاریخ کے تین مراجع ہیں اسی طرح سیرت کے بھی تین اہم مراجع بیان کئے جاتے ہیں۔ 1۔قرآن مجید، 2۔ احادیث شریفہ صحیحہ اور 3۔ سیرت کی وہ ابتدائی کتب جو صحابہ کے اقوال وافعال اور مشاہدات کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔

تاریخ اور سیرت کے درج بالا مراجع سے ہی دونوں کا فرق واضح ہوتا ہے کہ سیرت کے مراجع نہایت مستند اور قابل اعتبار ہیں جبکہ تاریخ کے مراجع کی اہمیت اس سے کمتر ہے کیونکہ تاریخ کے مراجع انسانی اور عقلی روایت اور درایت پر مشتمل ہیں۔

تاریخ اور سیرت میں مذہبی فرق: انسان کے پاس جو جو حواس ہیں اور علم کے جو ذرائع ہیں وہ اس کو یہ نہیں بتلا سکتے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے ؟ وہ کیسا ہے ؟ اس کی صفات کیا ہیں ؟ اس کا اپنی مخلوق سے کس قسم کا رشتہ ہے ؟ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے اس کا مقصد تخلیق کیا ہے ؟ اس عالم زندگی کا کیا انجام ہے ؟ فن تاریخ بھی عموماً ان سوالات کے جواب نہیں دیتا، لیکن سیرت ان تمام سوالوں کے جواب دیتی ہے، چنانچہ سیرت میں انسانی افراد اور جماعتوں کے لیے وہ کامل نمونہ ہے جس کو اسی لیے تیار کیا گیا تھا کہ فرزندان آدم ہر حال میں اس سے اپنے لیے رہنمائی اور ہدایت کی روشنی حاصل کریں خاص طور پر اہل ایمان کے لیے اس کا ہر پہلو لائق اقتداء اور واجب اتباع ہے۔ اللہ کی قدرت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے کہ نبوت کے تیئیس سال کے مختصر عرصہ میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سارے حالات وکیفیات کا گزر ہو گیا جن سے قیامت تک کسی انسان کا سامنا ہو سکتا ہے، تاریخ میں قوموں کے عروج وزوال کی داستان اور سلطنتوں وملکوں کی ترقی وپستی کے قصے تو ملیں گے لیکن کسی ایسے ستودہ صفات شخص کی سیرت کا تذکرہ نہیں ملے گا جو ایک عالم گیر فساد کا تریاق ہو، جس نے انسان کو خدا کی رحمت سے دور اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر اخروی ترقی عطا فرمائی ہو اسی لیے سیرت کو اصلاح کی شاہ کلید بھی کہا جاتا ہے جو اسے تاریخ سے جدا کرتی ہے۔

آغاز تاریخ: تاریخ کی ابتداء وارتقاء کے حوالے سے ماقبل میں ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا تھا یہاں اس کی مزید تفصیل پیش کی جاتی ہے تاکہ بصیرت کے ساتھ تاریخ کے وجود کی داستان سامنے آسکے۔ تاریخ کے آغاز وابتداء اور سنہ کے تعین کے سلسلے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا گیا اور ان کی اولاد نے دنیا میں بود وباش

اختیار کی اور دنیا میں آبادی پھیلتی گئی۔ تو انہوں نے کسی بھی واقعہ کے سال، مہینہ اور دنوں کو شمار کرنے کے لئے اس کو ہبوط آدم سے جوڑنے لگے یعنی ہبوط آدم کے اتنے سال بعد یہ واقعہ پیش آیا وغیرہ وغیرہ پھر جب طوفان نوح آیا تو اپنی یادداشت کو محفوظ کرنے کے لئے اسی سے مہینوں اور سالوں کو یاد کرنے لگے، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی سے لوگ اپنی تاریخ کو مربوط کرنے لگے اور حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ تک یہی طریقہ اور رواج چلتا رہا۔ بالآخر حضرت عیسی علیہ السلام کے اس دنیا سے آسمان دنیا پر اٹھالئے جانے کہ بعد عیسوی تقویم کا رواج ہوا۔ پھر جب اسلام کا سورج نمودار ہوا تو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں میں عام طور پر تاریخ نویسی کا دستور نہیں تھا جب اسلام عرب سے نکل کر عجمی ملکوں میں داخل ہوا اور خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور خطوط بغیر تاریخ کے لکھے جارہے تھے تو ایک مرتبہ حضرت ابو موسی اشعری نے خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ آپ کی طرف سے حکومت کے مختلف علاقوں میں خطوط روانہ کیے جاتے ہیں مگر ان خطوط میں تاریخ درج نہیں ہوتی ہے جب کہ اس زمانہ میں تہذیب یافتہ قوم تاریخ کا استعمال کرتی تھی تو حضرت عمر نے اسلامی تاریخ کے رواج دینے کے سلسلہ میں کبار صحابہ سے مشورہ کیا جس میں آغاز اسلامی تاریخ کی تعیین میں کئی مشورے آئے اس میں ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ اس کی تعیین ھجرت کے واقعہ سے کی جائے۔ چنانچہ یہ رائے حضرت عمر کے سوا دیگر صحابہ کو بھی پسند آئی۔ بالآخر اسلامی تاریخ کا سنہ ھجرت کے واقعہ سے منسوب ہوا۔ اور مہینہ کی تعیین کے سلسلہ میں حضرت عمر نے محرم کے مہینہ کو مختص کیا کیونکہ لوگ اسلام کا ایک اہم فریضہ کی ادائیگی ذوالحجہ میں کرتے ہیں اس کے بعد جب اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو گویا ایک نئی زندگی کی شروعات کرتے ہیں اس لئے ماہ محرم کو اسلامی تاریخ کا پہلا مہینہ مقرر کیا گیا۔

اسلامی تاریخ: ہر قوم و مذہب کی الگ الگ تاریخ ہوتی ہے جس میں اس مذہب و قوم کی قابل قدر شخصیتوں کے حالات و واقعات، حکمراں، سیاست، تہذیب و تمدن، طرز معاشرت اور رسوم و رواج کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب اسلام کی بھی ایک درخشاں اور نمایاں تاریخ ہے۔ جس میں مذکورہ بالا تمام امور کو سپرد قرطاس کیا گیا ہے۔ دیگر تمام تاریخوں کے مقابلہ میں اسلامی تاریخ کا ایک الگ اور منفرد مقام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ لکھنے میں مسلمانوں نے بہت ہی سخت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ اور ایک عظیم الشان تاریخ دنیا والوں کے سامنے پیش کی

ہے۔ چنانچہ از اول تا آخر تمام حالات، واقعات اور کارنامے تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ اسلامی تاریخ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں:

"دنیا کی تمام قوموں اور مذہبوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ شروع سے لے کر اخیر تک بتمامہ مکمل حالت میں موجود ہے اور اس کے کسی حصے اور کسی زمانے کی نسبت شک وشبہ کو کوئی دخل نہیں مل سکتا۔ مسلمانوں نے آنحضرت صلعم کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گزرنے والے حالات و واقعات کے قلمبند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں مطلق کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ مسلمانوں کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ وہ اسلام کی مکمل تاریخ ہم عہد مؤرخین اور عینی مشاہدوں کے بیان سے مرتب کر سکتے ہیں۔ غرض کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مستند اور مکمل تاریخ رکھتی ہے اور دنیا کی کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو اس خصوصیت میں مسلمانوں کے شریک بن سکے۔ مؤرخین اسلام نے یہاں تک احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ ہر ایک واقع اور ہر ایک کیفیت کو جوں کا توں بیان کر دیا اور اپنی رائے مطلق نہیں لکھی"۔(18)

اس اقتباس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ اسلامی تاریخ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتی اور یقیناً دوسری اقوام و مذاہب کی تاریخ صحت روایت اور سچائی میں عربی اسلامی تاریخ سے کمتر نظر آتی ہے۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلامی تاریخ یا عالمی تاریخ سے مسلمانوں کو خصوصی دلچسپی رہی ہے۔ مسلمانوں کا اس فن کے فروغ و ترقی اور اس کو باقاعدہ فن کے درجہ تک پہونچانے میں جتنا وافر حصہ پایا جاتا ہے شاید دیگر مذاہب اور اقوام عالم کے مؤرخین اس میں مسلمان مؤرخین سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مختصر تاریخ اسلام کے مصنف سید مشتاق حسین صوفیائی قادری لکھتے ہیں:

"فن تاریخ مسلمانوں کا خصوصی فن ہے، انہوں نے اسے ایک باقاعدہ فن کا درجہ دیا۔ روایت تاریخی کو پرکھنے اور کھرے کھوٹے کے مابین امتیاز کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ اسلامی تاریخ نویسی سے پہلے حقائق اور قصہ کہانیوں میں امتیاز نہ ہوتا تھا، اسلامی مؤرخین نے تاریخ نویسی کا ایسا محکم اور عظیم الشان، معیار قائم کیا کہ وہ آج تک دنیا کی ہر قوم کے لئے مشعل ہدایت کا کام کر رہا ہے۔ دراصل قوموں، نسلوں اور زمانوں کے واقعات کی حقیقی ترجمانی کا نام ہی تاریخ اسلام ہے۔"(19)

فن تاریخ نگاری کا آغاز وارتقاء

جس طرح ہر زبان وادب اور علوم وفنون کے آغاز وارتقاءاور ترقی کے منازل اوراس کے نشو ونما سے بحث ہوتی ہے اوراس میں مختلف آراءوخیالات پائے جاتے ہیں اسی طرح تاریخ کے آغاز وارتقاء کے متعلق بھی مختلف افکار و نظریات پائے جاتے ہیں۔اور علم وفن کے مختلف شعبوں کی طرح تاریخ نگاری کا فن بھی ارتقائی مرحلوں سے گزرا ہے۔فن تاریخ کی ابتداءوارتقاء کے بارے میں علامہ شبلی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس طرح تمام علوم وفنون کا ہیولی پہلے سے موجود ہوتا ہے اور تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیا کرلیتا ہے اوراسے فن کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہےاور وہ ایک خاص نام یالقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔اسی طرح فن تاریخ وتذکرہ نے بھی ترقی کی ہے اور ایک فن وجود میں آیا ہے۔چنانچہ علامہ شبلی الفاروق کی تمہید میں تاریخ کے آغاز وارتقاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

" دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا،تاریخ وتذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے، تفریح اور گرمی صحبت کے لئے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا، باپ دادا کی تقلید پرانی عادات ورسوم کی یاد گاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں اور یہی چیزیں تاریخ وتذکرے کا سرمایہ ہیں۔اس بناپر عرب، عجم،ترک،تاتار، ہندی،افغانی، مصری،یونانی غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہم سری کا یکساں دعوی کرسکتی ہیں۔ (20)

اوپر کے اقتباس سے فن تاریخ نگاری کے نقطہ آغاز پر روشنی پڑتی ہے کہ اگرچہ اس فن کے تحریری شکل میں لکھنے کا زمانہ بہت بعد کا ہے لیکن جب سے انسان میں گروپ بندی کے ساتھ رہنے کا طور طریقہ وجود میں آیا تھااسی زمانہ سے تاریخ کا نشو ونما بھی ان کے مابین پنپ رہا تھا۔اور سینہ بہ سینہ بعد میں آنے والوں میں وہ باتیں منتقل ہو رہی تھیں۔ تاریخ نگاری کی ابتداءسے متعلق ایک اور اقتباس یہاں نقل کرنامناسب معلوم ہوتا ہے پروفیسر سعید اختر لکھتے ہیں:

"جہاں تک تاریخ کے موضوع کے جزء ثانی یعنی احوال انسانی کے جمع اور محفوظ کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں صورتحال یہ ہے کہ ابتدائی ادوار تاریخ میں انبیاء، علماء فضلاء، حکماءاور ملوک وامراء کے سوانح حیات کی باقاعدہ تدوین نہ ہوسکی۔بلکہ اہم تاریخی واقعات وحقائق کی چند جھلکیاں منتشر ومبہم روایات کی صورت میں (سینہ بہ سینہ) اسلاف سے اخلاف تک پہونچتی رہی،اوران کو محفوظ کرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ ہوسکا۔یہ صورت حال صدیوں تک

چلتی رہی ۔البتہ خال خال حکمرانوں نے سکوں ، پتھروں اور تانبے کی تختیوں پر چند معروف واقعات کو اجمالا کندہ کروایا۔ بعد ازاں ان قوموں ہاں کہ جنہوں نے تمدن کا کچھ حصہ پایا تاریخی احوال و کوائف تحریری صورت میں مدون ہونے لگے۔ مثلا فارس، روم، ہند اور چین کی اقوام وغیرہ۔"(21)

قابل قدر ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی تمام کوششوں کو علم تاریخ کی طرف متوجہ کیا اور تاریخ کو اپنا علمی موضوع بنایا۔ جب ہم تاریخ کے آغاز وابتداء اور اس کے ارتقائی مراحل کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس سے لے کر بشمول تمام اسلامی عہد کے عظیم عربی مؤرخین اور ہمارے عہد کے پروفیسر محمد مجیب، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد میاں دہلوی، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، سید صباح الدین عبدالرحمن اور پرفیسر عرفان حبیب وغیرہ تک ایسے نام نظر آتے ہیں جنہوں نے فن تاریخ نگاری میں ایک طویل اور کامیاب سفر کیا ہے۔ اور ہر زمانے میں انہوں نے مختلف زبانوں میں تاریخ کی آبیاری کی ہے۔ اور جب تک دنیا قائم ہے مؤرخین اس کام کو ہر زماے میں انجام دیتے رہیں گے۔

تاریخ عصر حاضر کے تناظر میں:

کسی بھی قوم کی کمزور تاریخ یا پھر اپنی عظیم تاریخ کا کمزور شعور تخلیقی صلاحیتوں کو مردہ اور سارے نظام اقدار وخیالات کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اقوام عالم میں صرف مسلم قوم ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ تمام قوموں میں سب سے زیادہ روشن تاریخ اور شاندار ماضی رکھتی ہے اور یہ ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کا غیروں نے بھی کھل کر اعتراف کیا ہے، مگر حیف صد حیف کہ مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی جو کسی درجہ میں بیدار اور ہوشیار کہا جاسکتا ہے اپنے درخشاں ماضی سے غافل اور اپنی تابناک تاریخ سے لاپرواہ نظر آتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج عالمی سطح پر دانشوران مغرب یہ باور کرا رہے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی تاریخ نہیں ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم مسلم اپنے اس موروثی سرمایہ کی حفاظت کرے، اسے پڑھے اور دیگر قوموں کو اس سے روشناس کرائے۔

تاریخ نگاری اصول وضوابط: تاریخ نگاری کے اصول وضوابط کے حوالہ سے عربی اور اردو زبان میں بکثرت کتابیں موجود ہیں، تاریخ کے طالب علم کو ان اصول سے واقف ہونا از حد ضروری ہے، تاکہ موقع آنے پر وہ ملک و قوم کے لئے ان اصول کی روشنی میں تاریخی خدمات انجام دے سکے، چونکہ ابن خلدون (1332ء۔1406ء) نہ صرف عالم اسلام کے بلکہ پورے عالم کے مشہور و معروف مؤرخ، فقیہ، فلسفی اور سیاست داں تھے، نیز ابن خلدون کو رئیس المؤرخین اور عمرانیات کا بانی تصور کیا جاتا ہے اس لئے ان کی طرف منسوب تاریخ نویسی کے اصول وضوابط بیان کرنا قرین قیاس بات ہوگی اس لئے ذیل میں ان کے حوالے سے اس پر مختصر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

ابن خلدون کے تاریخ لکھنے کا طریقہ کار: یہ بات بالکل مسلم ہے اور جیسا کہ اوپر ذکر بھی کیا گیا کہ فن تاریخ اور فلسفہ تاریخ میں علامہ ابن خلدون کو سب سے بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہے نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بلکہ ساری دنیا کی نظر میں علامہ ابن خلدون سب سے بڑے مؤرخ اور فلسفہ تاریخ کے سب سے بڑے امام مانے جاتے ہیں۔ بلکہ علامہ ابن خلدون امام المؤرخین بھی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بعد پیدا ہونے ولے تمام مؤرخین چاہے وہ کسی بھی ملک و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں ان کے بے مثال مقدمہ تاریخ اور تاریخ نویسی کے متعلق بنائے گئے معیاری اور جنچے تلے اصول وضوابط سے استفادہ کرنے کی وجہ سے اس امام کے مقتدی اور شاگرد کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون کے تاریخ لکھنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی بھی واقعات و حادثات کو بیان کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ان واقعات پر ناقدانہ اور فلسفیانہ نظر ڈال کر اس کے اسباب و وجوہات سے بحث کرتے ہیں۔ انہوں نے معاشرت کے انتظام وانصرام کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلی بار دنیا والوں کے سامنے یہ فلسفہ پیش کیا کہ تاریخ صرف سیاسی عروج و زوال کی داستان، یا سنین یا افراد کے اقتدار کا نام نہیں ہے بلکہ ان واقعات و حالات کی جڑیں حکمت و فلسفہ سے جڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے انہوں نے وقوع پذیر واقعات کے اسباب و علل کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان باتوں کے التزام کی وجہ سے ان کی تاریخ اور لامثال مقدمہ تاریخ سے بہت سے مختلف علوم وفنون وجود میں آئے، فکر و تخیل کے نئے نئے ابواب کھلے، تحقیق و تفتیش کی راہیں کھلیں اور تاریخ سائنسی اور فلسفیانہ اصولوں سے روشناس ہوئی، حتی کہ علوم اجتماعیت میں سے فن عمرانیات کا بھی زبردست بول بالا ہونے لگا اور علامہ ابن خلدون فن عمرانیات کے بانی قرار پائے۔

تاریخ لکھنے والوں کے لئے ابن خلدون کے چند اصول وضوابط: علامہ ابن خلدون پر تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہوئے جب یہ انکشاف ہوا کہ بڑے بڑے مشہور و معروف مؤرخین اسلام نے رطب ویابس کی پرواہ کئے بغیر تاریخی واقعات و حادثات کو نقل کرنے پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔اوران واقعات کے وقوع پذیر ہونے میں کس طرح کے اسباب و عوامل اور وجوہات تھے ان باتوں پر غور وفکر کرنے کی طرف توجہ نہیں دی ہے تو انہوں نے ایک ایسی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا جو مذکورہ بالا نقائص و سقم سے صاف ستھری اور خالی ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایک تاریخ لکھی جس کا مکمل نام (کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر فی معرفۃ ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر) ہے جو "تاریخ ابن خلدون" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ علامہ نے تاریخ تصنیف کرنے سے پہلے تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ایک ایسا بے مثال اور لاثانی مقدمہ تحریر کیا جس میں تاریخ لکھنے کے اصول وضوابط اور تاریخی واقعات کے بیان میں جو غلطیاں واقع ہوتی ہیں ان کے اسباب درج کیے۔ نیز دیگر علوم وفنون جیسے تاریخ، معاشرت، سیاست، تمدن و ثقافت،۔ مذہب اور بطور خاص فن عمرانیات کو اس میں بیان کیا۔ علامہ ابن خلدون کی تاریخ نویس کے لئے بنائے گئے کچھ اہم اصول مندرجہ ذیل ہیں:

- ایک مورخ کو غیر جانب دار ہونا چاہیے اس لئے کہ جب مؤرخ کسی رائے یا مذہب کا تابع ہوتا ہے تو فوراً اس خبر کو مان لیتا ہے جو اس کی رائے یا مذہب کے موافق ہو چاہے وہ خبر جھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔
- راویوں کی ہر روایت کی اچھی طرح چھان بین لازمی طور پر کرنی چاہیے اس لئے کہ بسا اوقات ایسے راویوں کی باتوں کو نقل کیا جاتا ہے جن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔
- مؤرخین کو نفس واقعات کی خوب تحقیق و تفتیش کر لینی چاہیے اس لئے کہ تاریخی واقعات و اخبار کو بیان کرنے میں کذب وافترا کا بھی احتمال رہتا ہے اور سچ کے ساتھ جھوٹی روایات کی آمیزش ہو جاتی ہے۔
- مؤرخین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس ملک و مذہب کی تاریخ لکھ رہے ہیں انہیں اس کی تمدنی اور تہذیبی حالات سے بھی واقفیت حاصل ہو۔

- مؤرخین کو چاہیے کہ وہ اشراف اور صاحبان اقتدار کو خوش کرنے اور ان کا قرب حاصل کرنے سے احتراز کریں۔اس لئے کہ خوشامدی لوگ بڑوں کی ہر بات کو خوشنما رنگ دینے کی پوری کوشش کرتے ہیں اس طرح جھوٹی خبر پھیل جاتی ہے۔
- مؤرخین کو واقعات کے مقاصد کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے،مقاصد کو مد نظر نہ رکھنے کی وجہ سے روایت میں غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔(مقدمہ ابن خلدون میں الگ الگ بحثوں سے ماخوذ ہے)

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ لکھتے وقت مذکورہ بالا باتوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو تاریخی واقعات کے بیان میں ایسی غلطیاں واقع ہوتی ہیں کہ حقائق پردہ خفا میں ہی رہ جاتے ہیں اور یوں قوم اپنے اصل سرمایہ سے نہ صرف یہ کہ محروم ہو جاتی ہے بلکہ وہ قعر مذلت میں جا گرتی ہے۔ چنانچہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون کے مقدمہ میں "صہیب ربانی" نے ان چیزوں کی رعایت اور ان اصولوں سے بے اعتنائی کو غلطی کے اسباب میں شمار کیا ہے۔

اردو زبان میں تاریخ نگاری کی ابتداء: اردو زبان میں تاریخ نگاری کی ابتداء اٹھارہویں صدی کے ربع آخر میں ہوئی تھی اس کے بعد سے یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا اور طبع زاد کتابوں کے علاوہ مختلف زبانوں کے تاریخی کتب کے تراجم اردو میں ہونے شروع ہوئے۔ جب ہم اردو تاریخ نویسی کے ابتدائی مرحلہ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں محققین کے قول کے مطابق اردو زبان میں تاریخ کی اولین کتاب" قصہ واحوال روہیلہ" کی شکل میں نظر آتی ہے۔اس کتاب کے مصنف رستم علی بجنوری ہیں۔اس کے زمانہ تصنیف کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے کہ یہ کتاب اٹھارہویں صدی کے آٹھویں دہائی یعنی 1774ء۔1781ء کے درمیان میں لکھی گئی تھی۔اس کے بعد دیگر تاریخی کتابیں اردو میں لکھی گئیں جیسے مولوی محمد ذکاءاللہ کی تاریخ ہندوستان اور نصراللہ خان،عبدالعلیم کی تاریخ سوانح دکن وغیرہ۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام تک اردو زبان میں تاریخ نگاری کی کتابوں کا سلسلہ اس سے دراز نہیں ہوا۔انیسویں صدی کی ابتداء ہی سے اردو تاریخ نگاری کا عہد زریں شروع ہوتا ہے۔اس صدی میں اردو تاریخ نگاری میں بیشمار کارنامے انجام دیئے گئے ، طبع زاد کتابوں کے علاوہ دیگر زبانوں سے بہت بڑی تعداد میں ترجمے کئے گئے اس وجہ سے انیسویں

صدی کو اردو تاریخ نگاری کا سنہرا دور کہا جاسکتا ہے۔اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی میں اردو تاریخ نگاری کے کارنامے کی منظر کشی کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اپنی کتاب دارالمصنفیں کی تاریخی خدمات میں رقمطراز ہیں:

"مذکورہ بالا کتابیں اٹھارہویں صدی میں تاریخ نویسی کا کل موجود دستیاب سرمایہ ہیں ،اس کے علاوہ ہمیں کسی اور تاریخی تصنیف کا اس صدی میں سراغ نہیں ملتا۔۔۔۔۔۔۔انیسویں صدی کو اردو تاریخ نویسی کا عہد زریں قرار دیا جاسکتا ہے۔اس صدی میں باقاعدہ اس کی طرف توجہ دی گئی۔سیکڑوں تاریخی کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں،مؤرخوں کی انفرادی کوششوں کے علاوہ اجتماعی طور پر فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور مرحوم دہلی کالج نے درجنوں کتابیں ترجمہ کرائیں۔اس کے بعد سرسید کا احمد خان کا دور آتا ہے جنہوں نے نہ صرف تاریخ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ اسے جدید فکر و نظر اور اسلوب و آہنگ سے روشناس کرایا۔سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ اس کا ذوق عام کرنے کی بھر پور کوشش کی اور ان کی نگرانی اور سرپرستی میں اردو تاریخ نویسی کا سب سے تابناک ستارہ علامہ شبلی کی شکل میں آسمان علم پر روشن ہوا جس نے تاریخ نویسی کے بلند ترین اور جدید ترین نمونوں کے علاوہ ایک نیا فلسفہ تاریخ بھی پیش کیا۔" (22)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اردو تاریخ نویسی کی ابتدائی دور کی شروعات اٹھارہویں صدی کے ربع آخر سے ہوتی ہے اور انیسویں صدی میں اس کو زبردست عروج حاصل ہوا۔چنانچہ اس میں طبع زاد تصانیف کے علاوہ دیگر زبانوں کی تاریخی کتب کے ترجمے کی وجہ سے اردو زبان میں تاریخی مواد میں قابل قدر اضافہ ہوا۔پھر جب بیسویں صدی کی ابتداء ہوئی تو اس میں بھی تاریخی مواد میں بیشمار اضافہ ہوا اسی زمانہ میں ملکی اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ ممتاز اور باوقار ادارہ دارالمصنفین معرض وجود میں آیا جس کی تاریخی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ انہیں سنہرے الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔دارالمصنفیں کی تاریخی خدمات زیادہ تر طبع زاد کتابوں کی ہیں ترجمے کم مقدار میں کئے گئے ہیں جبکہ اسی زمانہ میں قائم شدہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے زیادہ تر تراجم کے کام انجام دیئے۔اس کے علاوہ انفرادی طور پر بھی ترجمے کا کام ہوتا رہا۔چنانچہ انفرادی طور پر عربی کتب تواریخ کی سیکڑوں کی تعداد میں ترجمے کئے گئے۔

عربی زبان میں تاریخی کتابیں لکھنے کی روایت: یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فن تاریخ نگاری میں تمام اقوام عالم میں عربوں کو جو برتری و فوقیت حاصل ہے اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔اوران کے متمدن قوم بننے اور تمدنی وتہذیبی اعتبار سے عروج وارتقاء حاصل ہونے کے پہلے ہی سے انہیں تاریخ وانساب سے بے حد لگاؤ تھا۔ان کے علم انساب،ایام العرب اور اشعار عرب کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عربوں کو اسلام سے پہلے ہی سے تاریخ سے جس قدر شغف و تعلق تھا اس کی مثال دنیا کی دیگر قوموں میں نہیں مل سکتی ہے جس سے تاریخ کی حفاظت وخدمات کے سلسلہ میں عربوں کی انفرادیت ثابت ہوتی ہے۔اسلام کے ورود ونزول کے بعد عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے تاریخی تصانیف کی طرف اپنے آپ کو مبذول کیا۔اوران کے ذریعہ سے زبردست تاریخی کتب معرض وجود میں آئیں۔اس لئے کہ اسلام کے عہد اول یعنی پہلی ہجری میں ہی زبانی روایتوں کا ذخیرہ جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور عربوں کو خدا نے اس قدر قوت حافظہ سے نوازا تھا کہ سیکڑوں اشعار اور لمبی لمبی نظمیں نوک زبان تھیں۔ سیکڑوں داستانیں،تاریخی واقعات، عرب وعجم کی حکومتوں کی فتح وشکست کے قصے ان کے دماغوں میں محفوظ رہتے تھے۔وہ مجلسوں اور عام اجتماعات میں ان کو بیان بھی کرتے تھے۔ان داستان بیان کرنے والوں کو عربوں کی اصطلاح میں اخباری کہا جاتا تھا۔لیکن اس کے باوجود یہ حیرتناک حقیقت ہے کہ عربوں میں نوشت وخواند کا فن عنقا تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت چند ہی افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے،اس لئے کوئی خاص کتاب فن تاریخ یا دیگر علوم و فنون میں اس کے عہد اول میں نہیں لکھی گئی۔لیکن جب عربوں کا شوق لکھنے پڑھنے کی طرف بڑھا،اور اس پر انہیں دسترس حاصل ہوئی اور تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو تمام علوم وفنون میں پہلی تصنیف تاریخ کے سلسلہ میں وجود میں آئی۔چنانچہ علامہ شبلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

" جب تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی،تاریخ کے فن میں تھی۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ المتوفی 60ھ کے زمانہ میں عبید بن شربہ ایک شخص تھا،جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب وعجم کے اکثر معرکے یاد تھے،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو صنعا سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے، قلم بند کرتے جائیں،علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے۔جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک واخبار الماضئین لکھا ہے،غالبا یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ رضی اللہ

عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا، عبید کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی 147ھ کا نام ذکر کے قابل ہے، جو اخبار وانساب کا ماہر تھا، اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنوامیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی، 117ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی"(23)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربی زبان میں تاریخ نویسی کا سلسلہ دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور جملہ علوم وفنون میں سب سے پہلے جس علم و فن کی تصنیف وتالیف اور ترویج و اشاعت عمل میں آئی وہ تاریخ کی کتابیں تھیں جس کو تدوین واشاعت میں اول مقام حاصل ہے اس سے تاریخ کے فن سے عربوں کی بے پناہ محبت ولگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ پہلی صدی میں زبانی طور پر اور دوسری صدی ہجری میں فن تاریخ میں کتابوں کی تصنیفات وتالیفات کی شروعات ہوگئی تھی اور کچھ کتابیں معرض وجود میں آگئی تھیں تاہم جب تیسری صدی ہجری کا آغاز ہوا تو اس عرصہ میں فن تاریخ اور اسلامی تاریخ نے خوب ترقی کی اور اس دور کو اسلامی تاریخ کا تابناک اور درخشاں دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

قدیم اسلامی مؤرخین اور ان کی کتابیں: دوسری صدی ہجری سے لے کر چوتھی صدی کے اختتام تک کے دور کو قدیم مورخین کا دور کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں بڑے بڑے مؤرخین اسلام پیدا ہوئے جیسے عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ التولد 213ھ والمتوفی 276ھ، یہ مشہور و معروف اور مستند مصنف ہیں۔ تاریخ میں ان کی کتاب "المعارف" کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے کیا ہے، اس کے بعد دیگر انبیاء، خلفاء، صحابہ، تابعین، فارس اور یمن کے بادشاہوں کا تذکرہ کیا ہے اس کتاب میں مشہور تاریخی مساجد کا ذکر خاصے کی چیز ہے۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی 230ھ یہ ثقہ اور معتمد مؤرخ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب " طبقات ابن سعد" کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے حالات دس جلدوں میں بسط وتفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح الیعقوبی کاتب عباسی (المتوفی 897ھ) تیسری صدی کے مؤرخ ہیں۔ ان کی تاریخی تصنیف "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک عمومی تاریخ کی کتاب ہے اور یہ کتاب ابتداء سے لے کر

تیسری صدی ہجری کے وسط تک کی تاریخ جہاں کا خلاصہ ہے یہ دو حصوں: اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس طرح یہ کتاب ایران کی قدیمی اور ساسانیوں کی تاریخ کا مصدر سمجھی جاتی ہے۔

احمد بن یحیی البلاذری (التوفی 279ھ) تیسری صدی ہجری کے نامور عرب مؤرخ اور جغرافیہ داں، شاعر اور ماہر الانساب ہیں، ان کی دو کتابیں مشہور ہیں، فتوح البلدان اور انساب الاشراف، اول الذکر کتاب میں بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کر کے ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ ثانی الذکر کتاب عربوں کی ایک ضخیم تاریخ ہے جس کی ترتیب ان کے انساب یعنی خاندانوں کے اعتبار سے ہے، چونکہ بلاذری روایات کے انتخاب میں بہت محتاط تھے، اس لئے ان کی تالیفات بڑی مستند اور قابل اعتبار سمجھی جاتی ہیں۔

ابو جعفر بن جریر طبری التوفی 310ھ عہد عباسی کے مشہور مؤرخ، فقیہ اور مفسر ہیں۔ ان کی کتاب تاریخ الرسل و الملوک یعنی تاریخ طبری نہایت بسیط مفصل اور تاریخ کے لحاظ سے اولین ماخذ کا درجہ رکھتی ہے جو تیرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی (التوفی 346ھ) فن تاریخ کا امام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں آج تک ان کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ پوری دنیا کی قوموں کے حالات و تواریخ کے جانکار تھے، انہوں نے کثیر مقدار میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا لیکن صرف ان کی دو کتابیں دستیاب ہیں: مروج الذہب اور معادن الجوہر۔

بہر حال ان مصنفین کے ذریعے عربی کتب تواریخ کے لکھنے کا جو سلسلہ دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا تھا رفتہ رفتہ چوتھی صدی ہجری تک تاریخ کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ ان قدیم مؤرخین اسلام کی تاریخی تصانیف کا موضوع اور عنوان مختلف ہوتا تھا۔ اور ہر مصنف کی کتاب دوسرے مصنف کی کتاب سے موضوعات کے لحاظ سے نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ نیز اس میں اس زمانہ کی تہذیب و تمدن کی جھلک بھی نظر آتی تھی۔ قدیم اسلامی مؤرخین کی کتابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ تاریخی واقعات کو حدیث پاک کی طرح پوری سند کے ساتھ نقل کرتے

تھے۔تاکہ اگران واقعات میں کچھ شک وشبہ کی گنجائش نظر آئے تواس کی تحقیق کرلی جائے۔ان مصنفین کے عہد کو قدیم مؤرخین کادور کہاجاتاہے۔

جدید مؤرخین: اس کے بعد پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے متاخرین یعنی جدید مؤرخین کادور شروع ہوتاہے۔ان مؤرخین نے قدماء کی طرح تاریخی موضوعات میں کوئی جدت پیدا نہیں کی بلکہ قدماء کی تصانیف کو سامنے رکھ کر معمولی ردوبدل اور اختصار کے ساتھ کام لیتے ہوئے تاریخ کوایک نئے قالب اور الگ اسلوب میں پیش کیا۔نیز قدیم مؤرخین نے تاریخی واقعات کولکھنے کا جو طریقہ اپنایا تھا یعنی مسلسل اور مکمل اسانید لکھنے کا التزام ،نئے نئے موضوعات اور عنوانات پر مشتمل کتابیں پیش کرنااور تہذیب وتمدن کی جزئیات کی طرف اشارہ وغیرہ ان باتوں کو متاخرین نے نظر انداز کیا۔حالانکہ اگرمتاخرین چاہتے تواس فن کومزید ترقی کی طرف گامزن کر سکتے تھے۔اسی لئے علامہ شبلی کاخیال ہے کہ یہ دور" فن تاریخ کے تنزل کاپہلازینہ ہے"۔اس دور کے اہم مؤرخین میں چنداسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے علامہ ابن الاثیر الجزری(المتوفی630ھ) عمومی انداز پر لکھی ہوئی ان کی کتاب "الکامل فی التاریخ"ان کا بڑا کارنامہ ہے،علامہ ابن خلدون جنہوں تاریخ میں تاریخ ابن خلدون جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر رئیس المؤرخین کے لقب سے سرفراز ہوئے،ابوالفداء(المتوفی732ھ)تاریخ کے موضوع پر ان کی کتاب "تاریخ ابوالفداء"ایک گراں قدر کتاب ہے،علامہ جلال الدین سیوطی(امتوفی 911ھ)یہ کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں،خلفاء ملت اسلامیہ پر آپ کی تصنیف" تاریخ الخلفاء" بہت مشہور ہے،اس کتاب کاانگریزی زبان میں ترجمہ بھی ہواہے جو(History of the caliphs) کے نام سے شائع شدہ ہے اور علامہ شمس الدین ذہبی(المتوفی 748ھ)آپ معروف محدث اور مؤرخ تھے،تاریخ الاسلام اور تذکرۃ الحفاظ نامی کتابیں آپ کی یادگار زمانہ تالیفات میں ہیں۔

عربی سے اردو زبان میں تاریخی کتب کے تراجم کی روایت: عربی کتب تواریخ کی اردو زبان میں تراجم کی روایت کے سلسلے میں حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتاہے کہ سب سے اولین تاریخی ترجمہ کون سا ہے۔کیونکہ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات اور علاقے میں ترجمہ کا کام انجام دیاہے۔اور کسی محقق نے اس بارے میں تحقیق کرکے اولین تاریخی ترجمہ تک پہونچنے کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔البتہ بغیر وثوق کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کی شروعات انیسویں

صدی کے نصف اول میں ہو گئی تھی۔ چنانچہ عربی تاریخی کتب کے اردو تراجم میں پہلا ترجمہ "تاریخ ابو الفداء" کی شکل میں ملتاہے۔ یہ مشہور اسلامی مؤرخ ابوالفداء کی پہلی، دوسری، چوتھی اور پانچویں جلد کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کو عربی سے اردو میں منتقل کرنے والے مولوی کریم الدین صاحب ہیں۔ اس کی اشاعت 1847ء میں اشرف علی کے زیر اہتمام مطبع العلوم سے عمل میں آئی ہے۔ اس کے بعد علامہ حکیم احمد حسین عثمانی الہ آبادی نے تاریخ ابن خلدون کا اردو زبان میں ترجمہ 1898ء شروع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مقدمہ کے ترجمہ کے بغیر صرف تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ 18 جلدوں میں کریں گے تاہم 1933ء میں اچانک انتقال ہو جانے کی وجہ سے یہ کام نامکمل رہا۔ اور مترجم موصوف صرف 14 جلد ہی مکمل کر سکے۔ اس کے بعد "تاریخ عروج الاسلام" کے نام سے ایک اردو ترجمہ ملتا ہے۔ اس کتاب کا عربی نام" التاریخ الکامل" ہے اور اس کے مصنف "علامہ ابی الحسن علی بن ابی الکریم محمد بن محمد بن الکریم عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری الملقب بہ عزالدین رحمہ اللہ" ہیں۔ اور اس کے مترجم مولوی محمد عبد الغفور خان ہیں جو رامپور کے متوطن اور سر رشتہ علوم و فنون سرکار نظام کے مترجم تھے، انہوں نے مذکورہ کتاب کا عربی زبان سے اردو زبان میں سلیس ترجمہ کیا۔ ذکر کردہ ترجمہ "مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی سے 1318ھ مطابق 1901 میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا، جس میں ابتدائے خلقت، انبیائے کرام، اقوام عرب و عجم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، بنی امیہ اور بنی عباس نیز تمام روئے زمین کے سلاطین اسلامیہ اور اقوام معاصرین کے 625 ھجری تک کے حالات و واقعات کا بیان شرح وبسط سے کیا گیا ہے، دارالمصنفین کی تاریخی خدمات کے مصنف ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے اس ترجمہ کی اشاعت کا سال سن 1813ء لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دراصل وہ 1318 ھجری ہے۔ عیسوی اعتبار سے اس کی اشاعت کی تاریخ 1901ء ہوتی ہے۔ مزید انہوں نے سید زاور حسین کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ مذکورہ کتاب 36 جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف موصوف کی رسائی اس ترجمہ تک نہ ہوئی ہو لیکن اس کتاب کی آٹھ جلدیں جامعہ نظامیہ حیدر آباد کی لائبریری میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر اس کی کچھ تفصیل درج کی گئی ہے۔ اس کی مزید تفصیلات پانچویں باب میں دستیاب ہیں۔ اسی طرح انفرادی طور پر سیکڑوں کتابوں کے تراجم ہوئے اور جب حیدر آباد میں

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ قائم ہوا تو یہاں بھی حکومت کے زیر سرپرستی درجنوں عربی تاریخی کتب کے تراجم اردو زبان میں ہوئے۔ اسی طرح سے کچھ اہم کتابوں کے ترجمے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے کئے گئے۔ اسی عرصے میں دینی مدارس بالخصوص دارالعلوم دیوبند سے عربی علوم وفنون کی تقریباً تمام ہی اصناف کے عربی کتابوں کے تراجم ہونے شروع ہوئے جس کا سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے۔ الغرض عربی تاریخی کتب کے تراجم کا جو سلسلہ انیسویں صدی میں شروع ہوا تھا اس نے بیسویں صدی میں خوب ترقی کی اور اردو زبان کا دامن تاریخی کتابوں کے تراجم سے مالامال ہو گیا اور اکیسویں صدی میں بھی اگرچہ اس کی رفتار دھیمی ہے لیکن ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ ضرورت اور طریقہ کار:

ہمارے تاریخ کے مطالعہ کی دو جہتیں ہیں ایک ہماری سیاسی تاریخ ہے اور دوسری ثقافتی اور علمی: سیاسی تاریخ میں اتار چڑھاؤ معمول کی بات ہے البتہ یہ اعزاز صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ ان کی علمی ترقی مغرب کی ترقی کی طرح حکومت کی مرہون منت نہیں ہے۔ یہ بات ہماری تاریخ میں عام ہے کہ سیاسی حالات ابتر ہیں یا حاکم وقت ظالم ہے مگر دوسری طرف علمی میدان روز بروز ترقی پر ہے۔

مغرب کی تاریخ اور اسلامی تاریخ کی مبادیات میں بھی فرق ہے: مغرب کا اصول حیات افادیت ہے جبکہ اسلام کی تاریخ ایمانیات سے مربوط ہے، مغربی وقائع نگار اور مؤرخ کے نزدیک اخلاقی معیار اور ہیں اور ہمارے یہاں اور، وہ کسی شخصیت کا تذکرہ محض اس کے کارناموں کو دیکھ کر کرتے ہیں، سوسائٹی کو جو فائدہ اس سے ہوا وہی ان کے لئے اہمیت رکھتا ہے اس لئے ان کی تاریخ پڑھتے ہوئے ہمیں کامیاب شخصیات سے واسطہ پڑتا ہے گویا مغرب کی نامور شخصیات معصوم ہوتی ہیں۔ مسلم مؤرخ کے نزدیک اخلاقی اور ایمانی پیمانہ سب سے اہم ہوتا ہے اس لئے ان کے تذکروں میں اخلاقی بے ضابطگی سے وہ صرف نظر نہیں کرتے، ہماری وسعت نظری اور دیانت داری ہی جدید مؤرخ کے نزدیک ہمارا عیب ہے، جدید مؤرخ کے نزدیک اپنے عیوب ہی بیان کرتے چلے جانا تاریخ کا صحیح مطالعہ ہے۔ ہمیں اپنا نقطہ نظر محولہ بالا اصولوں کے مطابق بدلنا ہوگا، اجتماعی شعور زندہ قوم کا شعار ہوتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے

ہمارے سامنے کون سے امور واہداف ہونے چاہییں یہ بات تاریخ کے مطالعہ سے زیادہ اہم ہے۔تاریخ کو پڑھنا،اس کے نتائج زمانے میں محسوس کرنااور مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا زندہ قوموں کے لئے یہ تینوں کڑیاں یکساں اہمیت رکھتی ہیں۔

قرآن مجید بھی تاریخ بشری کو اہمیت دیتا ہے،قرآن مجید قاری کے سامنے قوموں کی کامیابی اور ناکامی کے اصول رکھتا ہے،ان کے سامنے اخلاقی اور عمرانی ضابطے بیان کرتا ہے،قوموں کی سرفرازی اور ناکامی کے اسباب ابن خلدون نے بھی بتائے ہیں،اس لیے ہمیں تاریخ کا مطالعہ نئے زاویہ سے کرنا ہے جس کا مقصد ناک بھوں چڑھانا نہ ہو بلکہ بے جان روح میں جان ڈالنا اور اتھاہ گہرائی سے نکل کر اپنے زمانے کو سمجھنا،ماضی کو حال سے جوڑنا،وقائع سے حقائق نکالنا،غیر جانبداری برتنا اور مؤرخین سے جہاں سہوا یا عمداً لغزش ہوئی ہے،حقائق اور دلائل کی روشنی میں اس کی اصلاح کرنا ہو۔

تاریخ کے مطالعہ کے بعد کسی شخص کو برا کہنا یا گالیاں دینا جو اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے،جوانمردی نہیں ہاں کسی گزرے ہوئے سے محبت کا اظہار اور اس کے لیے دعائے خیر کرنا،اس کی برائیوں کی نیک تاویل کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے،تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا جس قدر بے جا تعصب میں مبتلا ہو گا اسی قدر اس کو تاریخی مطالعہ کا نفع کم ہو گا ۔(حذف و اضافہ کے ساتھ ماخوذ از:(مطالعہ تاریخ، چند مبادیات ، ڈاکٹر محمد عبدہ، ترجمہ محمد زکریا (www.eeqaz . org

اس موقع پر مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی کتاب سے ایک اقتباس درج کرنا مناسب ہے:

> "جس طرح تاریخ کا مرتب کرنا اور تاریخ کی کتاب لکھنا بے حد دشوار اور مشکل کام ہے اسی طرح تاریخ کا مطالعہ کرنا اور اس مطالعہ سے کماحقہ فائدہ اٹھانا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے تاریخ پڑھنے والوں کو چاہیے کہ حالات رفتگاں کے مطالعہ کو عبرت آموزی کا ذریعہ سمجھیں۔پہلے لوگوں کی غلطیوں اور بداعمالیوں کے بد نتائج سے واقف ہو کر ان غلطیوں اور بداعمالیوں سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنے کا عزم صمیم کرتے جائیں۔نیکوں کی نیکیوں کے بہتر نتائج سے مطلع ہو کر ان نیکیوں کے عامل بننے پر آمادہ ہو جائیں۔۔۔۔"(24)

حوالہ جات :

1. راغب رحمانی، مقدمہ ابن خلدون، ص: 112، حصہ اول، ناشر: نفیس اکیڈمی، سن اشاعت: 2001ء
2. المنجد، ص:52، فرید بک ڈپو(پرائیوٹ) لمیٹیڈ422 مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی
3. سید تصدق حسین رضوی مولوی، لغات کشوری، ص:90، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، سن اشاعت: ندارد
4. المنجد فی اللغۃ والاعلام، دارالمشرق بیروت، ص:8
5. رام چندر ورما آچاریہ ،لوک بھارتی پرمانت ہندی کوش ، ص:90، مطبوعہ لوک بھارتی پرکاشن ،15 اے مہاتما گاندھی مارگ الہ آباد، سن اشاعت:1999ء
6. صادق علی گل ڈاکٹر، فن تاریخ نویسی، ص: 1، پبلشرز: ایمپوریم اردو بازار لاہور، سن اشاعت: 2002ء
7. انسائکلوپیڈیا امریکانہ، جلد:14، ص: 226
8. انسائکلوپیڈیا برٹانکا، ص:147
9. صادق علی گل ڈاکٹر، فن تاریخ نویسی، ص:2، پبلشرز ایمپوریم اردو بازار لاہور، سن اشاعت:2002ء
10. محمد عبدالشکور لکھنوی، ترجمہ تاریخ طبری، ص:2، مطبع: عمدۃ المطابع لکھنؤ، سن اشاعت 1323ھ
11. جلال الدین السیوطی، الشماریخ فی علم التاریخ، جلد: 1 ص: 10، ناشر: الدار السلفیہ کویت، سن اشاعت: درج نہیں
12. اکبر شاہ نجیب آبادی مولانا، تاریخ اسلام، حصہ اول، ص: 31، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، اشاعت اول:1990ء
13. اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ص: 26، جلد اول، مکتبہ خلیل لاہور، سن اشاعت: 2004ء
14. ولیم ایل لینگر، مترجم: غلام رسول مہر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ص: 12، ناشر: الوقار پبلی کیشنز، سن اشاعت: 2010ء
15. اکبر شاہ خان نجیب آبادی مولانا، تاریخ اسلام، حصہ اول، ص:32، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، اشاعت اول: 1990ء

16. ابوالعرفان ندوی مولانا، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص:99، ناشر:دارالمصنفین اعظم گڑھ سن اشاعت:2009

17. اکبر شاہ خان نجیب آبادی مولانا،تاریخ اسلام، ص:26،25،ناشر:زکریا بک ڈپو،دیوبند،اشاعت اول: 1990 ء

18. اکبر شاہ خان نجیب آبادی مولانا،تاریخ اسلام حصہ اول،ص:37،ناشر: زکریا بک ڈپو،دیوبند، اشاعت اول 1990ء

19. سید مشتاق حسین صوفیائی قادری مختصر تاریخ اسلام، جلد اول،ص: ،سید الصوفیہ اکیڈیمی،حیدر آباد، 2005ء

20. شبلی نعمانی علامہ،الفاروق حصہ اول،ص:4، تمہید،دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ، طبع جدید2012ء

21. سعید اختر پروفیسر ، مسلمان تاریخ نویس ، ناشر:ہدی پبلیکیشنز ،پرانی حویلی،حیدر آباد ، اشاعت اول : 2013،ص:10

22. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر ، دارالمصنفین کی تاریخی خدمات ، ص :12، ناشر :خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، سن اشاعت: 2002ء

23. شبلی نعمانی علامہ ، الفاروق حصہ اول ، ناشر :دار المصنفین ، شبلی اکیڈمی ، اعظم گڑھ ، سن اشاعت طبع جدید: 2012ء ص: 5، تمہید

24. اکبر شاہ نجیب آبادی مولانا،تاریخ اسلام،ناشر: جلد اول،ص: 27،مکتبہ خلیل لاہور، سن اشاعت: 2004ء

باب دوم

بیسویں صدی میں عربی سے اردو تراجم ایک اجمالی جائزہ

اٹھارہویں صدی عیسوی ہو یا انیسویں صدی عیسوی، فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے اردو زبان میں جتنے تراجم ہوئے تھے وہ سب انفرادی کوششوں کا ثمرہ اور نتیجہ تھے۔ لیکن 1800ء میں فورٹ ولیم کالج کے افتتاح کے بعد منظم اور باقاعدہ طور پر عربی، فارسی، اور سنسکرت سے اردو میں بھاری مقدار میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ اسی طرح بیسویں صدی میں بھی جہاں انفرادی طور پر بہت سے مترجمین نے اردو میں ترجمہ کا کام انجام دیا، وہیں حکومت وقت کے ذریعہ کئی ایسے باوقار ترجمے کے ادارے قائم ہوئے جنہوں نے مختلف علوم وفنون کی سیکڑوں کتابوں کے ترجمہ کے ذریعہ اردو زبان کے ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ زیادہ تر تراجم انگریزی اور دیگر زبانوں کی کتابوں سے کے کیے گئے تاہم عربی زبان سے اردو میں بھی کتابوں کی منتقلی سیکڑوں کی تعداد سے کم نہیں ہے۔

ہندوستان اگرچہ ایک غیر عربی ممالک ہے لیکن عربی زبان وادب کے فروغ واشاعت میں اس کی خدمات کسی بھی اسلامی ممالک کی خدمات سے کمتر نہیں بلکہ اس حوالہ سے اس کا ایک ممتاز اور نمایاں مقام ہے، اور ہندوستانی علماء وفضلاء نے شروع سے ہی اسلامی علوم وفنون کو عربی زبان سے ہندوستانی زبانوں میں منتقل کرنا شروع کر دیئے تھے جس کے نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ ڈاکٹر محمد ارشاد نوگانوی لکھتے ہیں:

" گزشتہ طویل بحث وتحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان (غیر عرب ملک ہوتے ہوئے بھی) عربی زبان و ادب کی خدمات میں سب سے آگے ہے اور ہندوستانی علماء نے شروع سے ہی اسلامی علوم وفنون کو عربی سے ہندوستانی زبانوں میں منتقل کرنے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ بہت کچھ وقت کے ہاتھوں ضائع ہونے، یا تاریخ کے صفحات میں گم ہونے کے باوجود جو کچھ ہمارے ہاتھوں تک پہونچا ہے۔ وہ ہندوستان کو غیر عرب ممالک میں عربی زبان وادب کی خدمات کے سلسلہ میں پہلا مقام دینے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستانی علماء کی کاوشوں ہی کا نتیجہ تھا کہ قرآن کریم کے ہزاروں ترجمے وتفاسیر، اور کتب احادیث کی بیشمار شروحات، اور فقہی کتابوں کے ان گنت ترتیب وتدوین کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ اور ادب وتاریخ ودیگر موضوعات پر لکھی گئی امہات الکتب ان

کے علاوہ ہیں۔ نیز ہندوستان میں لاتعداد ادارے، بورڈ، آرگنائزیشنز، وجود میں آئے جنہوں نے عربی ترجمہ وتالیف کے میدان میں انقلاب پیدا کیا۔(1)

اس اقتباس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ انیسویں صدی کے آخر اور مکمل بیسویں صدی میں اسلامی علوم وفنون کو عربی زبان سے ہندوستانی زبانوں بالخصوص اردو زبان میں بہت بڑی مقدار میں منتقل کیا گیا۔علوم وفنون کی منتقلی میں جہاں ایک طرف نجی اور حکومتی سطح پر قائم شدہ ترجمے کے ادارے فورٹ ولیم کالج، جمیعۃ سر سید احمد خاں، دارالترجمہ ملک رنبیر سنگھ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد کی خدمات نظر آتی ہیں وہیں بیسویں صدی کے آغاز میں علوم اسلامیہ کی نشرواشاعت اور حفاظت دین کی خاطر قائم شدہ دینی مدارس نے بھی اس بارے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ ان مدارس عربیہ سے ایسے بے شمار علماء وفضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے تصنیف وتالیف، بحث وتحقیق، صحافت وترجمے وغیرہ میں نمایاں خدمات انجام دے کر دنیائے علم وفن کے سامنے لازوال علمی، فنی اور تاریخی شاہکار پیش کئے ہیں۔ اسی طرح یونیورسٹیوں سے بھی عربی واسلامی علوم کے مترجمین ومولفین نکل کر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ الغرض بیسویں صدی میں علوم اسلامیہ ودیگر علوم وفنون کی عربی زبان سے ہندوستانی زبانوں خصوصا اردو زبان میں منتقلی سے جہاں اردوداں طبقہ کو مختلف علوم وفنون سے آشنائی ہوئی وہیں اردو زبان کا دامن بھی پر ہوا اور وہ ایک علمی زبان کا درجہ حاصل کرنے کی طرف گامزن ہے۔

یہاں اس مذکورہ بالا باب کے تحت مختصر اور سرسری طور پر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ کن کن علوم وفنون کی عربی کتابوں کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالا گیا نیز بیسویں صدیں میں قائم شدہ ترجمے کے اداروں کے کارناموں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی نیز اس بات کی وضاحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگی کہ متحدہ ہندوستان ایک عجمی ملک ہونے کے باوجود اس کے اطراف واکناف میں عربی زبان کی آمد کب ہوئی؟ نیز عرب وہند کے تعلقات کس زمانے سے قائم ہے؟ اس پر کچھ مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ عربی اور اردو زبان کا گہرا رشتہ اور تعلق واضح ہو جائے۔

ہندوعرب تعلقات:

یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ہندو عرب تعلقات بالخصوص تجارتی و تعلیمی تعلقات ایک ہزار سال قبل مسیح سے بھی پرانے ہیں لیکن ایک ہزار سال قبل کا ثبوت وثوق اور دلائل کے ساتھ ملتا ہے۔ ہندوستان اور عربستان دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان اور جزیرہ نما عرب کے درمیان صرف سمندر حائل ہے اور دونوں ملکوں کے ساحل آمنے سامنے واقع ہیں۔ دونوں ملک ساحل سمندر واقع ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تجارتی تعلقات بہت قدیم ہیں۔ تجارت نے ہی دونوں قوموں کو آشنا کیا، عرب تاجر ہزاروں برس پہلے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے، یہاں کی پیداوار مصر اور شام کے ذریعہ یورپ تک پہونچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان چین اور جاپان لے جاتے تھے۔ اسی تجارتی تعلقات کو واضح کرتے ہوئے سید ابو ظفر ندوی اپنی کتاب مختصر تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:

"1000 سال قبل مسیح میں یمن کی ایک قوم "سبا" نے بھی اس تجارت میں کافی حصہ لیا جنوبی ہندوستان سے ان کے تجارتی تعلقات بڑے وسیع تھے، یہ چمڑا، زین، پوست، گلنگہ (ایک قسم کی خوشبودار پتی) جاوتری، ہڑ بھیڑا، آبنوس، کچھوے کی ہڈی، کباب چینی، مخمل، رانگا، لوبان، بید، مصبر، ہاتھی کے دانت، مختلف نباتات کے تاروں کا کپڑا، ہلدی، لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دار چینی، ناریل، املی، خصوصیت سے لے جا کر غیر ممالک میں فروخت کرتے، چنانچہ بعض چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ مثلا" مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل، قرنفل، جائفل وغیرہ"(2)

اس مذکورہ بالا اقتباس سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں قوموں کے درمیان تجارتی تعلقات قبل مسیح سے واقع ہے، زین الدین مخدوم (متوفی 838ھ) کی تحفۃ المجاہدین میں اس کے متعلق شواہد موجود ہیں۔ ایک فاضل مضمون نگار ہندوعرب کے علاقائی و تجارتی تعلقات کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تجارتی قافلے ہندوستان سے گزرے تھے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لے جانے والے قافلے کا گزر بھی اسی جگہ ہوا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے مارکو پولو اور واسکوڈی گاما کے زمانہ تک ہندوستان کی تجارت پر عرب چھائے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرب سیاح سے

ہندوستان کے متعلق پوچھا تو اسنے جواب دیا: بحرھا درر، وجبلھا یاقوت، وشجرھا عطر(اس کے دریا موتی، پہاڑ یاقوت اور درخت عطر ہیں) عراق کے بعد حضرت عمر نے مسلمانوں کو ابلہ کی بندرگاہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور اسے تجارتی شہر بنانے کو کہا، لہذا اس وقت سے 256ھ تک یہ بندرگاہ قائم رہی۔۔۔۔۔۔تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں اور ہندوستان کے تجارتی تعلقات حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے کم از کم 2 ہزار سال پہلے سے ہیں۔"(3)

اسی طرح ان دونوں قوموں کے درمیان ثقافتی اور علمی تعلقات بھی قبل مسیح سے ہی پائے جاتے ہیں۔ ثقافت اور اقدار کے حوالے سے بھی دونوں ممالک ما قبل اسلام سے ہی ایک دوسرے سے واقف تھے اور ان کے مراسم کافی پرانے تھے۔ اس سلسلے میں ثقافتی تعلقات کی جھلک اس امر میں نظر آتی ہے کہ ہمارے ملک کا نام عربوں کو اتنا پسند آیا کہ انہوں نے اپنی عورتوں کو "ہند" کے نام سے پکارنا شروع کیا حتی کہ عرب کے کچھ شاعروں نے اپنے محبوب کو اسی فرضی نام سے یاد کیا اور یہ نام عرب میں حد درجہ مقبول و مشہور ہو گیا۔ اسی طرح ہندوستانی مصنوعات میں سب سے زیادہ عرب میں یہاں کی تلوار پسند کی جاتی تھی جسے عرب مہد کہا کرتے تھے۔ اور ہندوستان میں عرب کے گھوڑے بہت مشہور و معروف تھے اور ہندوستان والے اس کے دلدادہ تھے۔

روحانی تعلقات: حدیثوں اور تفسیر کی کتابوں میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے وہاں یہ بیان بھی ملتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر بھیجے گئے تو "سراندیپ" سری لنکا میں انہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان سری لنکا کے پہاڑ پر پائے جانے کی روایت ملتی ہے، پہلے سری لنکا ہندوستان کے جنوبی حصے میں واقع تھا جبکہ آج آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا ہے۔ عرب میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مصالحہ جات اسی جنوبی ہند سے جاتے تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ تمام دنیا میں پھیلتے تھے اس لیے یہ بات بھی مشہور ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگار ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام اپنے ہمراہ جنت سے لائے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور یہاں ان پر وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد بھی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کا اسلام سے بھی قدیم رشتہ ہے نیز حضرت آدم علیہ السلام ہند سے سفر کرتے ہوئے عرب کے مرکزی شہر مکہ مکرمہ میں پہنچ کر اللہ کے

حکم پر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے ہیں اس اعتبار سے عرب وہند کے درمیان پہلا سفر دونوں ملکوں کے درمیان سفری راستہ ہونے کی ازلی و قدرتی علامت ہونے کا اظہار کرتا ہے اور دوسری طرف بحری راستہ بھی قدیم زمانہ سے ہندو عرب کو باہم مربوط کیے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ سے ہندو عرب کا تجارتی رشتہ قائم ہے جیسا کہ گذرا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ بالا واقعہ کی وجہ سے اگر یہ کہا جائے کہ عربوں کا ہندوستان سے تعلق چند برس کا نہیں ہے بلکہ پیدائش کے شروع سے یہ ملک ان کا آبائی وطن ہے تو یہ بات غلط اور مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔

بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا نام عربوں کا تحفہ ہے، انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کے اول ایڈیشن 1768ء کی جلد دوم کے عنوان "عرب" میں عرب کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ عربوں کو اپنے قد، کاٹھی اور وجاہت و فصاحت پر بڑا غرور تھا برصغیر کے اصل باشندے کالے اور کوتاہ قد بھی تھے اس لیے عرب انہیں " ہند" کہا کرتے تھے جس کے معنی غالبا کالے یا گونگے کے لیتے تھے اس طرح پورے ملک کو ہند کہنے لگے اور آخر یہ ہی نام پوری دنیا میں مختلف صورتوں میں پھیل گیا اور بعد میں ہندوستان ہو گیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہند کا لفظ عربوں میں وہی مقام رکھتا تھا جو فارسی میں لیلی کا ہے اسی لیے شاید عرب اپنی عورتوں کا نام ہند یا ہندہ رکھا کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گذرا۔ بہر حال روحانی اعتبار سے بھی عرب وہند تعلقات بہت مضبوط اور تاریخی ہے۔

علمی تعلقات: دونوں ملکوں کے درمیان علمی تعلقات اسلام آنے کے ہزاروں سال پہلے سے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حوالے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بیرونی زبانیں ہندوستان میں قبل مسیح سے پڑھی اور جانی جاتی تھیں۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں ہندوستان کے لوگ عربی زبان سے واقف تھے، مہابھارت کے زمانے میں بھی ہندوستان میں ایسے لوگ تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ اس سلسلے میں یہ دلیل یقینا قابل ذکر ہے:

> " مہابھارت میں جب کوروؤں نے راکھ کا گھر بنا کر پانڈوؤں کو اس کے گھر کو جلا کر پھونک دینا چاہا تو ودر جی نے یڈھشٹر کو عربی زبان میں بتایا اور یڈھشٹر نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا"(4)

اگر یہ بیان صحیح ہے تو عربوں اور ہندوستانیوں کا ربط و تعلق کتنا پرانا ہے اس اقتباس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تجارتی ثقافتی اور علمی تعلقات ماقبل اسلام کے تھے لیکن اسلام آنے کے بعد بھی وہ علمی تعلقات پہلے کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو گئے۔ اس سلسلے میں کافی دلائل اور شواہد موجود ہیں۔ اس سلسلے میں شفیع شیخ یوں لکھتے ہیں:

"اسلامی فتوحات کے بعد عرب اور ہند کی تجارت نے ترقی کی۔ اب ہندو بھی تجارتی وفد کی شکل میں عرب ممالک کا دورہ کرنے لگے، ہندو مذہب کی مروجہ رسم کے تحت کسی بھی ہندو کا سمندر پار جانا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود ہندوؤں نے عرب تاجروں سے تعلقات مزید استوار کرنے اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے سمندر پار کر کے عرب سرزمین پر قدم رکھے"(5)

جس طرح ماقبل اسلام عرب وہند کے تعلقات پائے جاتے تھے اسلام آنے کے بعد بھی وہ علمی تعلقات پہلے کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو گئے، عباسی خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور خلافت میں بہت ساری سنسکرت کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے کلیلہ ودمنہ (عربی ادب کی مشہور کتاب)اصل میں سنسکرت میں تھی، بیرونی کے مطابق اس کا نام "پنچ تنتر" ہے، یہ کتاب قبل از اسلام ایران کے ساسانی بادشاہوں کے زمانہ میں فارسی میں ترجمہ ہوئی، پھر عبداللہ ابن مقفع نے دوسری صدی ہجری کے وسط میں اس کا عربی ترجمہ کیا پھر عربی زبان سے اس کے ترجمے دنیا بھر میں شائع ہوئے اور ترجمہ کا کام عراق کی دارالحکومت بغداد میں انجام پایا تھا۔ اس کے لئے ایک خاص محکمہ قائم تھا جس کو بیت الحکمت کہا جاتا تھا۔ اسی علمی تعلقات کی بناء پر بہت سے وید اور پنڈتوں نے عرب جا کر بہت ساری کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ اس کی وضاحت کے لیے ایک اقتباس پڑھئے:

" 771ء میں سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ھیئت اور ریاضیات کا فاضل پنڈت سنسکرت کی سدھانت لے کر بغداد پہنچا اور خلیفہ کے حکم سے ابراہیم فرازی ریاضی دان کی مدد سے عربی مین ترجمہ کیا، اسکے بعد علم نجوم، ہیئت، طب اور ادب و اخلاق کی کتابوں کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ خلیفہ منصور اور ہارون رشید کی فیاضی کی بدولت ہندوستان کے بیسیوں پنڈت بغداد پہنچے اور سلطنت کے طبّی اور علمی محکموں میں مصروف ہوئے اور حساب و نجوم، ہیئت، وید اور ادب و اخلاق کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے۔ اہل عرب کا صریح بیان ہے کہ انہوں نے ایک سے

لے کر نوتک کا ہندسہ لکھنے کا طریقہ اہل ہند سے سیکھا اس لیے عرب اس کو "حساب ہندی یا ارقام ہندیہ" کہتے ہیں
پھر اندلس کے راستہ یورپ نے یہ حساب سیکھا وہ اس کو اعداد عربیہ (عربک فیگرز) کہتے ہیں۔"(6)

علاوہ ازیں عرب وہند کے علمی تعلقات کا اندازہ حسب ذیل قدیم مستند کتابوں اوران کے مصنفین سے بھی ہوتا ہے جاحظ عربی زبان کا مشہور انشاء پرداز تھا اس کی کتاب البیان میں ہندوستان کے اصول بلاغت پر ایک صفحہ لکھا گیا ہے یاد رہے جاحظ نے 255ھ میں وفات پائی ہے۔ یعقوبی عباسی سلطنت میں دفتر انشاء کا افسر تھا اور 287ھ میں اس کا انتقال ہوا اس نے تاریخ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں ہندوستان کی زبانوں سے عربی مین جو ترجمہ کا کام ہوا ہے اس کا ذکر کیا ہے، ابن ندیم متوفی 377ھ نے بھی متعدد مقامات پر ہندوستان کی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے ، البیرونی نے تو پوری ایک کتاب " کتاب الہند " کے نام سے لکھی ہے۔ یہ مختصر تفصیل اس بات کی غماز ہے کہ دونوں ملکوں کے علمی تعلقات قدیم ہیں اور اہل علم خواہ قدیم ہوں یا جدید کسی پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

الحاصل یہ بات دلائل اور شواہد سے ثابت ہو چکی ہے کہ ہندو عرب تعلقات خواہ تجارتی یا علمی سطح پر ہوں ایک ہزار سال قبل مسیح سے واقع ہیں اور اسی زمانے سے اہل ہند عربی زبان سے واقف تھے ، عرب تاجروں کا اس زمانے میں عربی زبان کا استعمال محدود پیمانے پر رہا ہوگا اور عرب مسلمانوں کی آمد کی بناء پر عربی الفاظ عہد بہ عہد زیادہ سے زیادہ استعمال ہونے لگے ہوں گے۔ جب کہ باضابطہ طور پر ہندوستان میں اسلام کی آمد اور مسلمانوں کی سکونت وا ستقرار کے بعد سے ہی عربی زبان وادب کو سیکھنے کے لئے درکار جملہ علوم وفنون کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے۔اور جملہ عربی علوم وفنوں کو انفرادی حیثیت اور نصابی تعلیم دونوں طور پر پڑھایا جارہا ہے۔

ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد:

بر صغیر بالخصوص ہندوستان میں علوم عربیہ یا عربی زبان وادب کے حوالہ سے کچھ لکھنے سے پہلے اس زبان کی اہمیت بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں جتنی اس زبان کی خدمت ہر میدان میں کی گئی ہے اتنی دوسری زبان کی خدمت نہیں کی گئی عرب تو عرب، عجمیوں نے بھی اس زبان کی دل وجان سے خدمت کی ہے۔

عربی زبان اور علوم عربیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی دینی اور اسلامی زبان ہے اور دین و شریعت کے مآخذ عربی زبان میں ہیں، اسی لیے جہاں جہاں اسلام پہنچا علوم عربیہ کے ساتھ پہنچا، وہاں کے مسلمانوں نے عربی زبان کو نہ صرف یہ کہ سیکھا بلکہ مختلف زاویوں سے اس کی خدمت بھی کی، اس سلسلے میں مدارس عربیہ کا رول نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ علوم عربیہ سیکھنے اور سمجھنے میں سب سے زیادہ معاجم کی ضرورت پڑتی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر علماء بر صغیر پاک و ہند نے عربی زبان میں لغات القرآن، قوامیس پر بھی بے شمار کتابیں لکھ کر عربی کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جو کہ عربی زبان پر بہترین شاہکار ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر تحریر سے اتنا تو معلوم ہو چکا ہے کہ سر زمین ہندوستان میں اسلام کی آمد اور مسلمانوں کی سکونت و استقرار کے بعد سے ہی عربی زبان و ادب اور عربی کے تمام علوم و فنون کی آمد کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ اور اسلامی احکامات کو سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھی جانے لگی تھی کیونکہ قرون اولی خصوصا خلافت راشدہ، اور تابعین کے زمانہ سے ہی عربوں کے اختلاط اور ہندوستان آمد و رفت کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرے میں عربی زبان کا ظہور بھی ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن باقاعدہ طور پر ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد اس کے مختلف علاقوں کے فتوحات کے بعد سے شروعات ہوئی۔ اور ہندوستان میں عربی زبان کی بنیادیں محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد مضبوط ہوئیں۔ ہندوستان میں باقاعدہ طور پر علوم عربیہ کی آمد کے بارے میں مولانا ابو العرفان لکھتے ہیں:

"منظم اور وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں اسلام کا داخلہ خراسان اور ماوراء النہر کے راستہ سے ہوا ہے، اسی لئے علوم عربیہ بھی ان ہی راستوں سے ہندوستان میں آئے، ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد سب سے پہلا علمی مرکز ملتان ہوا ہے اور وہاں سے علماء کی ایک بڑی تعداد نکلی، پھر جب غزنوی عہد سلطنت میں لاہور دار السلطنت ہوا، تو علمی مرکز ملتان سے لاہور منتقل ہو گیا، پھر جب غوریوں نے دہلی کو فتح کیا اور اس کو دار السلطنت بنایا، تب دہلی علماء کا مرجع بن گیا اور اصحاب فضل و کمال تمام علاقوں سے کھنچ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور وہاں انہوں نے درس و افادہ کی مسند بچھادی، دہلی کو یہ علمی مرکزیت مغل حکومت کے آخری عہد تک حاصل رہی۔"(7)

اوپر کے اقتباس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی علوم عربیہ بھی ہندوستان منتقل ہو رہے تھے اور اسی زمانے سے ہی مسلمانان ہند نے نہ صرف عربی زبان اور اس کے جملہ علوم و فنون کی ضرورت

واہمیت کو محسوس کر کے اس زبان کو دل وجان سے قبول کیا بلکہ اس زبان کی ہمہ جہت ترقی اور توسیع واشاعت کے لئے اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اس کی خدمات میں اہم رول ادا کیا۔اس لئے کہ اسلام اور عربی زبان کے بیچ ایسالازوال رشتہ قائم ودائم ہے کہ وہ کسی عہد اور کسی بھی ملک میں منقطع نہیں ہو سکتا۔

اور ان ہی ایام سے ہی ہندوستانی علماء وفضلاء تصنیف وتالیف کے کام انجام دینے لگے ۔ اور انہوں نے ہر میدان میں نہ صرف یہ کہ اہل زبان کی ہمسری اور رفاقت کی بلکہ کبھی کبھی ان کی رہنمائی اور رہبری کا فریضہ بھی انجام دیا۔اسی طرح عربی سے اردوزبان میں ترجمہ کے ذریعے عربی علوم وفنون کی اشاعت وترویج کا فریضہ بحسن وخوبی نبھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ مذہبی علوم سے بھی اردوزبان کو آراستہ وپیراستہ کیا۔

متحدہ ہندوستان اور تقسیم شدہ ہندوپاک کے علماء اور ہر فن کے ماہرین نے ہر عہد اور ہر زمانہ میں ان گنت کتابوں کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ بالخصوص انگریزی اور عربی کتابوں کا،ان تمام ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتے ہیں اور کسی نے اب تک اس کی فہرست بھی تیار نہیں کی ہے۔اگر ہم دیگر زبانوں کے تراجم کو چھوڑ کر صرف عربی زبان سے اردوزبان میں ترجمہ کی بات کریں تو سب سے زیادہ تعداد اور مقدار اسی کی نظر آتی ہے۔ایک ناتمام فہرست کے مطابق 1958ء تک اٹھارہ ہزار سے زائد کتابوں کے تراجم ہو چکے تھے۔جب کہ اس کے بعد بھی اب تک اتنی لمبی مدت میں نہ جانے کتنے ہزار کتابوں کے تراجم ہو چکے ہونگے اور تراجم کا قابل ذکر ذخیرہ اردو میں منتقل ہو چکا ہوگا۔اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:

"ایک عام فہرست سازی کے مطابق ہماری زبان میں اب تک تقریبا اٹھارہ ہزار سے زائد کتابیں تراجم کی صورت میں موجود ہیں،عبداللہ قدسی نے اپنی کتاب "پاکستان میں ذہنی رجحان"(1958ء) میں تراجم کی ایک ناتمام فہرست اس طرح پیش کی ہے۔یہی جریدہ (کراچی یونیورسٹی) میں بھی نقل کیا گیا ہے۔قرآن پاک کے تراجم تقریبا52، احادیث 150،اسماءرجال 50 ،کتب فقہ 150، سیر وتاریخ 500، فلسفہ اور منطق 100، مختلف علوم وفنون 5000، یہ ایک ناتمام فہرست ہے۔کیونکہ ہندوستان کے تراجم کا ایک حصہ اس میں شامل نہیں ہے۔اس پندرہ سال کی مدت میں تراجم کا قابل ذکر ذخیرہ اردو میں منتقل ہوا ہے۔اردوزبان میں سب سے بڑا سرمایہ عربی تراجم کا ہے تفسیر

واحادیث کے علاوہ سفر نامہ ابن بطوطہ، ابن جبیر، ابن خلدون، ابن اثیر، فصوص الحکم، حکمت الاشراق، الملل والنحل، قانون شیخ الرئیس، اخوان الصفا، غزالی ورازی کے ساتھ تقریباہر بنیادی کتاب کا ترجمہ موجود ہے۔"(8)

اس اقتباس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے بیسویں صدی کے چھٹویں دہائی تک دیگر زبانوں کے ساتھ عربی زبان کی بے شمار کتابوں کے تراجم ہو چکے تھے جب کہ اس کے بعد بھی آج تک مدارس دینیہ میں تمام عربی علوم کے بیشتر کتابوں کے کئی کئی تراجم اور شروحات لکھی جاچکی ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔

ہندوستان میں ترجمہ کے مراکزاوراداراے:

ہم اب خصوصا بیسویں صدی میں عربی کے مختلف علوم وفنون کے اردوزبان میں کئے گئے تراجم کا جائزہ لیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے تراجم کے اداروں کا تعارف اور جائزہ پیش کیا جائے تاکہ ترجمے کے میدان میں ہندوستانی علماءاور دانشوروں کے کارہائے نمایاں سامنے آسکیں اور انہیں رول ماڈل بناکر نئی نسل کچھ ترجمہ کی خدمت پیش کرسکے۔ اس کے بعد علوم عربیہ کے تراجم کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

دارالمصنفین کا عربی سے اردو تراجم میں حصہ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ایک علمی وتحقیقی ادارہ ہے جو ہندوستان کے شہر اعظم گڑھ میں واقع ہے اس ادارہ کے قیام واستحکام کا خیال علامہ شبلی نعمانی کے دل ودماغ میں شاید بہت پہلے سے رہاہو، مگر اس کا پہلا اظہار انہوں نے مارچ 1910ء میں ندوۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں کتب خانہ کی ضرورت کے سلسلے میں کیا۔ اس اجلاس میں سید سلیمان ندوی نے بھی علامہ شبلی کے مشورے سے دارالعلوم کی جدید عمارت میں کتب خانہ کی ضرورت پر تقریر کی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ طلباء کو علم کی اعلی دولت سے بہرہ ور کیا جائے، تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول کر کے ملک میں اعلی مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کی جائے، بلند پایہ کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام اور ان کی اور دیگر علمی ادبی کتابوں کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ علوم عربیہ اور تاریخ اسلام کا احیاء ہو۔

یہ منصوبہ ابھی زیر غور تھا کہ اسی اثناء میں بعض ناگزیر حالات کی بناء پر انہیں ندوۃ العلماء سے مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے جائے وقوع کے سلسلے میں بہت سی تجاویز پیش کی گئیں بالآخر علامہ شبلی نے اس کے لئے اپنی موروثی جائداد میں سے اعظم گڑھ میں اپنا ایک باغ اور دو بنگلے پیش کیے، اور وہیں اس کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہ کام ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہی تھا کہ 18 نومبر 1914ء کو شبلی نعمانی اپنے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے سے پہلے ہی اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے، شبلی نے دارالمصنفین کا جو خاکہ تیار کیا تھا، ان کے شاگردوں بالخصوص علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کام کی تکمیل کے لئے عزم مصمم کر لیا۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کی وفات کے تین دن کے بعد اخوان الصفا کے نام سے پانچ افراد پر مشتمل ایک مجلس تاسیسی قائم کی۔ اور یہی مجلس دارالمصنفین کے لئے نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے دارالمصنفین کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔

دارالمصنفین کی علمی خدمات: چونکہ دارالمصنفین کے قیام کے مقاصد وہی تھے جو بیت الحکمت بغداد کے قیام کے تھے اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ دارالمصنفین ایک ادارہ نہیں ایک تحریک ہے جس نے علمی اور ادبی دونوں جہات سے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ " معارف " کا اجراء ہے اور اس کا اس تسلسل کے ساتھ جاری رہنا سنہرے الفاظ میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ معارف کا پہلا شمارہ جولائی 1916ء میں نکلا یہ رسالہ دار المصنفین کا علمی ترجمان ہے اس کے مقاصد وہی ہیں جو دارالمصنفین کے ہیں، اس رسالے کے علمی مضامین نے پوری علمی دنیا کو حیرت زدہ کر دیا، نئی علمی تحقیقات کی وجہ سے معارف کو جو اعتبار حاصل ہوا وہ بہت کم رسالوں کو نصیب ہوتا ہے، یہ رسالہ تادم تحریر پابندی سے ساتھ نکل رہا ہے۔ دارالمصنفین نے جن موضوعات پر بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ سیرۃ نبوی، سوانح وتذکرہ، حدیث و فقہ، تصوف، تاریخ اسلام، تاریخ ہند، فلسفہ، سائنس، علم الکلام، اردو ادب اور تاریخ اردو ادب وغیرہ وہ موضوعات ہیں جو اس ادارہ کی محنت و تحقیق کا محور رہے ہیں۔ حقانی القاسمی لکھتے ہیں:

> "اس ادارے کی تصنیفات سے علمی دنیا میں روشنی کی نئی کرنیں پھیلیں، نئے علمی انکشافات کے در کھلتے گئے، سیرت اور تاریخ، اسلامی علوم وفنون، فلسفہ وعقائد، ادبیات اور دیگر موضوعات پر اس ادارے سے جو کتابیں شائع ہوئیں اس

سے پوری ملت نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ ان کتابوں کی حیثیت مؤرخین اور مصنفین کے لیے حوالہ جاتی ہو گئیں، بہت ایسی سیریز شروع کی گئیں جن سے بہت سی غلط فہمیوں کے دروازے بند ہوئے۔ دارالمصنفین نے نہ صرف نہایت اعلیٰ درجہ کا کام کیا بلکہ تاریخ کو صحیح سمت دی، نفرت وعداوت کے بجائے محبت ویگانت کے مواد کو تاریخ کے نصاب کا حصہ بنایا، اشتعال انگیزی کے بجائے اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کی۔۔۔۔۔

آگے لکھتے ہیں:

علمی سطح پر دارالمصنفین نے جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ قابل رشک ہیں، اس نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی نہیں بلکہ نئے جہانوں کی جستجو کر سکتے ہیں علم کی نئی دنیائیں آباد کر سکتے ہیں۔"(9)

دارالمصنفین میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے اس میں سیرت نبوی، سوانح وتذکرہ، حدیث وفقہ، تصوف، تاریخ اسلام، تاریخ ہند، فلسفہ، سائنس، علم الکلام، اردو ادب اور تاریخ اردو ادب وغیرہ شامل ہیں، سیرت کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب سیرت النبی لکھی گئی ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، سیر صحابہ کی بارہ جلدوں کا عظیم الشان کارنامہ بھی دارالمصنفین کا ہی حصہ ہے، اب تک تقریباً ڈھائی سو سے زائد کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں زیادہ تر مستقل تصنیف ہیں تاہم بعض کتابوں کا ترجمہ بھی اس ادارہ کے ذریعہ منصہ شہود پر آیا ہے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ **اسلام اور عربی تمدن:** اس کتاب کے مترجم مولانا شاہ معین الدین ندوی ہیں، یہ کتاب شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی کی عربی کتاب " الاسلام والحضارۃ العربیہ " کا اردو ترجمہ ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر علمائے مغرب کے اہم اعتراضات کے جواب دیے ہیں اور یورپ پر اسلام اور مسلمانوں کے اخلاقی، علمی اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات ونتائج کے تفصیل بیان کی ہے۔

2۔ **اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں:** یہ حکیم سید عبد الحیئ صاحب کی تہذیب و ثقافت کے متعلق تصنیف کردہ عربی کتاب " الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند " کا اردو ترجمہ ہے۔ مولانا ابو العرفان صاحب نے اس کا عمدہ انداز میں ترجمہ کیا ہے۔

3۔انقلاب الامم : یہ " فرانسیسی مفکر گستاؤلی بان "کی کتاب کے عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے اس میں ان نفسی اصول اور اخلاقی قوانین کی تشریح کی گئی ہے جن سے قوموں کی ترقی اور ان کا تنزل وابستہ ہوتا ہے۔ ترجمہ انقلاب الامم کے نام سے شائع ہوا، اس کے مترجم مولانا عبدالسلام ندوی ہیں۔

4۔ہندوستان عربوں کی نظر میں: یہ ترجمہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی کاوش ہے جسے انہوں نے ہندوستان سے متعلق قدیم عربی مصنفین خصوصا جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کی عربی کتابوں سے استفادہ کرکے اردو میں دو جلدوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتابیں بھی ہو سکتی ہیں جن کے عربی سے اردو زبان میں ترجمے کیے گئے ہوں گے ان سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں صرف بطور نمونہ چند کا ذکر کیا گیا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کا قیام اور اس کے مقاصد: بیسویں صدی کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس صدی میں ایک اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جسے دنیا عثمانیہ یونیورسٹی کے نام سے جانتی ہے۔ اس یونیورسٹی کی امتیازی شان اس کا اردو ذریعہ تعلیم تھا جو سارے ملک کے لئے ایک دیرینہ تجربہ تھا، عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی تحریک سر نظامت جنگ کے والد رفعت یار جنگ اول کے زمانے سے شروع ہوگئی تھی، ریاست حیدر آباد کے وزیر تعلیم فخر الملک بہادر اور معتمد تعلیمات عزیز مرزا صاحب بھی اس کے قیام کے لیے کوشاں تھے اور ہوتے ہوتے اخیر میں میر عثمان علی خان والیء دکن نے بذریعہ فرمان اس کے قیام کو منظوری دے دی اور اس طرح یہ دارالترجمہ ہندوستان کی سماجی، سیاسی، ادبی، علمی اور تہذیبی زندگی میں ایک منفرد اور اعلیٰ مقام کا دارالترجمہ قرار پایا۔ اس اردو میڈیم یونیورسٹی کے لئے اردو زبان میں اس کی نصابی کتابوں کی ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک دارالترجمہ کی ضرورت بھی محسوس کی گئی لہذا اس مقصد کے حصول کے لئے سر رشتہ تالیف وترجمہ کا افتتاح عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے دوسال پہلے 14 اگست 1917ء میں عمل میں لایا گیا کیونکہ تمام علوم وفنون کی کتابیں جب تک اردو میں موجود نہ ہوتیں تعلیم وتدریس کا آغاز ہی ممکن نہ تھا یہی ادارہ بعد میں دارالترجمہ عثمانیہ کے نام سے مشہور ومعروف ہوا۔ اور اس کے پہلے سربراہ بابائے اردو مولوی عبدالحق مقرر ہوئے، تاکہ اردو زبان میں اعلی تعلیم کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے درسی کتابوں کی تیاری کا کام جلد سے جلد ممکن ہو سکے چوں کہ مولوی صاحب کتابوں کے مرتب، مصنف اور ترجمہ کے مسائل سے پوری

طرح واقف تھے اس لیے تراجم کا کام ان کے لیے بہت مشکل نہیں تھا چنانچہ ان کے دور میں ایک تالیف اور چھ ترجمے شائع ہوئے ، اور یہ کام مسلسل جاری رہا۔ چنانچہ دارالترجمہ میں میڈیسن ، انجینئرنگ ، طبعیات ، ،کیمیا ، فلسفہ ،تاریخ ،معاشیات ،ریاضی : غرض ہر موضوع پر دیگر زبانوں کے ساتھ انگریزی اور عربی زبان کی بہترین کتابوں کا انتخاب کر کے ان کے ترجمے کئے گئے۔اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر مشتاق قادری لکھتے ہیں:

"عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ریاست حیدرآباد کے طلباء کو ان کی اپنی مادری زبان یعنی اردو میں جدید علوم وفنون کی تعلیم دی جاسکے ، لیکن سب سے بڑا مسئلہ طلباء کے لئے کتابوں کی فراہمی تھی۔اس سے قبل فخر الملک کے قائم کردہ دارالترجمہ کی کتابیں نصاب میں شامل تھیں۔ چنانچہ یونیورسٹی میں ایک شعبہ تالیف وتصنیف قائم کیا گیا جو بعد میں دارالترجمہ کہلایا، لیکن ایک یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کی ضرورت کی تکمیل لازمی تھی دارالترجمہ نے اس کو انجام دے کر اردو زبان میں علمی وفنی علوم کو ممکن بنایا۔ یہاں ایسے ملازم رکھے گئے جو کسی خاص مضمون کے ماہر بھی تھے اور انگریزی کے علاوہ اردو عربی اور فارسی پر عبور رکھتے تھے "(10)

دارالترجمہ عثمانیہ کے علمی کارنامے:۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اکتیس سالہ سفر میں اپنے مقاصد کے اعتبار سے اپنی عظیم الشان خدمات انجام دینے میں کوئی کمی اور کسر باقی نہیں رکھا اور مسلسل اپنے کام کو پورے آب وتاب کے ساتھ جاری وساری رکھا نیز بہت سارے علوم وفنون میں تراجم کے بیش بہا خدمات لائق ستائش ہیں کیوں کہ اس دارالترجمہ کو علم نواز اور علم دوست حکمرانوں کی سرپرستی اور نظر توجہ حاصل تھی اس لیے اس کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں،اس کی شاندار خدمات از اول تا آخر کو قلمبند کرتے ہوئے ڈاکٹر امیر عارفی رقمطراز ہیں:

"دارالترجمہ میں پہلے ابتدائی،ثانوی جماعتوں کے لئے کتابیں ترجمہ کی گئیں 1919ء میں جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو انٹر میڈیٹ (آرٹس ، سائنس ، کامرس) بی۔اے ، بی۔ایس۔سی ، بی۔کام ،ایم۔اے ، ایم۔ایس۔سی،ایم۔کام، قانون، سوشیالوجی، طب یونانی، مڈیسن،انجینئرنگ، میکانیکل، سیول، الیکٹریکل،اور ریاضی، الجبرا، جیومیٹری وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔دارالترجمہ میں جملہ 465 کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔دارالترجمہ نے

1917ء سے 1948ء تک پورے اکتیس سال تک اپنی عظیم الشان روایات کو برقرار رکھا۔1950ء میں جب عثمانیہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم اردو کے بجائے انگریزی کو قرار دیا گیا تو دارالترجمہ داستان پارینہ بن کر رہ گیا"(11)

دارالترجمہ میں عربی سے اردو زبان میں ترجمہ کردہ کتابیں: جیسا کہ اوپر اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ دارالترجمہ سے اس کی کل اکتیس سالہ دور میں 465 کتابوں کے تراجم اردو میں ہو چکے تھے۔اور مختلف علوم کے ماہرین نے ان کتابوں کے تراجم کے کام انجام دیئے تھے، اب ہم یہاں اس امر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ وہ تراجم شدہ کتابیں کس زبان سے متعلق تھیں اور ان میں عربی زبان کی کتنی کتابیں شامل تھیں۔اس بارے میں مختلف حضرات نے مختلف اعداد بیان کیے ہیں اس لیے ان سب کا احاطہ مشکل ہے کیونکہ عربی علوم کا دائرہ بہت بڑا ہے جس میں اسلامیات کے علاوہ دیگر علوم وفنون بھی شامل ہیں۔اس لئے کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں تمام مضامین کی طرح اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی گئی تھی اور طلباء کے لئے عربی کے علاوہ فارسی زبان کی بھی بہت سی کتابوں کے تراجم کئے گئے تاہم بعض تحقیقی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی سے اردو میں جو کتابیں ترجمہ ہوئیں ان کی تعداد 51 ہے۔اور اگر اسلامیات اور عربی کے مترجمین کی بات کی جائے تو ان حضرات کے نام بطور خاص شامل ہیں۔

1 علامہ عبداللہ عمادی یہ ایک بے مثال عالم تھے ان کی خدمات سے دارالترجمہ کو بہت فائدہ ہوا کیونکہ ان کی قابلیت عربی مترجم کی حیثیت سے مسلمہ ہے 28 اگست 1947ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

2 سید ابوالخیر مودودی (المتوفی 1979ء) عربی زبان وادب کے نامور عالم، مصنف اور مترجم تھے، وہ مشہور عالم دین مولانا ابوالاعلی مودودی کے بڑے بھائی تھے، ان کے تراجم میں علامہ بلاذری کی فتوح البلدان اور ابوالفرخ قدامہ بن جعفر کی کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے نام شامل ہیں۔

3 سید ابراہیم ندوی، 4 پروفیسر جمیل الرحمن، 5 سید ہاشمی ندوی، 6 سید احمد اللہ ندوی، 7 محمد خلیل الرحمن، 8 مولانا حمید الدین

9 مولوی رشید کے نام قابل ذکر ہیں۔ان تمام مترجمین میں علامہ عبداللہ عمادی کا نام سرفہرست آتا ہے تاہم مذکورہ دیگر حضرات بھی اپنے وقت کے قابل مترجمین میں تھے، اور ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی دشواریوں اور ان کے حل سے خوب واقف تھے جیسا کہ ان کے تراجم سے اندازہ ہوتا ہے جن کی تفصیل پانچویں باب میں آرہی ہے۔

ان کے علاوہ چند اسمائے گرامی ایسے بھی ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر دارالترجمہ کی تاریخ ادھوری رہے گی ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولوی عبدالحق کے بعد ایک اور نام جو قابل ذکر ہے وہ ہے وحیدالدین سلیم کا، وحیدالدین سلیم نے علی گڈھ انسٹیٹیوٹ اور تہذیب الاخلاق کے لیے مضامین لکھے اسی زمانے میں انہوں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر انجمن مترجمین کے نام سے ایک سوسائٹی قائم کی تھی جس کا کام انگریزی سے اردو میں علمی کتب کا ترجمہ کرنا تھا 1919ء میں جب ان کا تقرر دارالترجمہ میں ہوا تو انہوں نے کئی کتابوں کے ترجمے کیے۔ان کے علاوہ سید علی حیدر نظم طباطبائی، حمید احمد انصاری، عبدالحلیم شرر، محمد عنایت اللہ، سید محی الدین وغیرہ کی خدمات بھی قابل قدر اور قابل استفادہ ہیں۔ یہاں ذکر کردہ اسمائے گرامی سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات نے کثیر تعداد میں کتابوں کے تراجم سے اردو زبان وادب کو ثروت مند بنایا ہوگا۔

دارالترجمہ کی کوششوں کا ثمرہ: ابھی تک دارالترجمہ سے ترجمہ شدہ کتابوں کی کوئی حتمی فہرست نہیں آئی ہے اس لئے کسی متعین مقدار کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ بس اتنی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ تراجم کی تعداد کے بارے میں ڈاکٹر جنید ذاکر نے اپنی کتاب" اصطلاحی مطالعے "میں ڈاکٹر مجیب الاسلام کا اپنے تحقیقی مقالہ میں ذکر کردہ اعداد کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

> "دارالترجمہ عثمانیہ میں 1917ء سے 1947ء تک یعنی 30 سال میں چار سو ستاون (457) کتابیں ترجمہ وتالیف ہوئیں۔ان میں چار سو چھبیس (426) کتابیں ترجمہ اور اکتیس (31) کتابیں تالیف کی گئیں۔ تمام تراجم میں تین سو ساٹھ (360) کتابیں انگریزی سے ترجمہ کی گئیں ان میں سے تین سو چھ (306) تراجم شائع ہوئے۔ پانچ (5) جرمن تصانیف کے ترجمے کئے گئے۔ یہ پانچوں شائع ہوئے۔ تین (3) فرانسیسی زبان سے ترجمے کئے گئے یہ تینوں شائع ہوئے۔اکیاون (51) عربی زبان سے ترجمے کئے گئے جن میں پینتالیس (45) شائع ہوئے۔ سترہ (17) فارسی تصانیف کے ترجمے ہوئے ان میں نو (9) تراجم شائع ہوئے اور اکتیس (31) تالیفات میں سے ستائیس (27) شائع ہوئیں مجموعی طور پر 395 تراجم وتالیفات شائع ہو کر کورس میں شامل کئے گئے "(12)

دارالترجمہ حیدرآباد کی کوششوں کا ثمرہ یعنی کتابوں کی تعداد کے سلسلے میں مزید ایک اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر حسن الدین احمد مرحوم(متوفی: 2019ء) لکھتے ہیں:

"دارالترجمہ کی کوششوں کا حاصل وہ تراجم وتالیفات ہیں جو دارالطبع جامعہ عثمانیہ میں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں جہاں تک ان کی تعداد کا سوال ہے ایک اندازے کے مطابق چار سو سے زیادہ ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے ایک فرزند بدر شکیب نے اس سلسلے میں کافی چھان بین کی ہے،ان کی تحقیق و تلاش کا خلاصہ یہ کہ حمید احمد انصاری مسجل جامعہ عثمانیہ کے ایک تحقیقی مضمون 1930ء کے بموجب دارالترجمہ کی طبع شدہ اور زیر طبع اور ترجمہ کتب کی مجموعی تعداد (218) تھی۔ بدر شکیب نے اپنی مطلوبہ فہرست اور کتابچہ مطبوعہ 1940ء کو بنیاد بنا کر صرف ان کتابوں کا ہی شمار کیا ہے جن کے اصل مصنف، مترجم کے نام اور سنہ اشاعت کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں تھا اس لیے ان کی مرتبہ فہرست کے مطابق ان سے زیادہ کا پتہ چلانا آئندہ تحقیق کرنے والوں کا کام ہے،دارالترجمہ کی کتابوں کی اس تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ خود جامعہ کے شائع کردہ معلوماتی کتابچہ 1940ء کے مطابق جملہ مترجمہ شائع شدہ کتابوں کی تعداد(425) ہے۔ بہادر یار جنگ اکیڈمی (کراچی) نے حیدرآباد کی مطبوعات کی ایک قاموس کتب جو 1945ء میں شائع کی تھی اس میں بتایا گیا ہے کہ 1938ء میں بشمول (111) مجوزہ کتابوں کی یہ تعداد (530) تھی۔ 1945ء میں بشمول مجوزہ کتب یہ تعداد بڑھ کر (608) ہو جاتی ہے، چونکہ دارالترجمہ 1948ء تک کام کرتا رہا اور اس درمیان بھی کتابیں شائع ہوتی رہیں اس لیے اگر ان کو شامل کر لیا جائے تو جملہ تعداد (960) قرار پاتی ہے۔" (13)

الغرض مترجمہ کتابوں کی تعداد جو بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ تاریخی دارالترجمہ نے 1948ء تک ترجمہ پر جو شاندار کام انجام دیا ہے اس کا شمار ترجمے کی اہم تحریکوں میں کیا جا سکتا ہے، جامعہ عثمانیہ اور دارالترجمہ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا اس وجہ سے ہوا کیونکہ دارالترجمہ میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ ترجمہ کے لیے ایسا ہی آدمی موزوں ہو سکتا ہے جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ انگریزی نیز عربی، اردو اور فارسی پر مکمل قدرت رکھتا ہو اور صاحب قلم بھی ہو تا کہ اعلی علمی خیالات کو دوسری زبانوں سے بطریق احسن شستہ اور صاف اردو میں ادا کر سکے اور

طلبہ ان سے استفادہ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ کریں۔ مزید تفصیل کے لیے بدر شکیب صاحب کی کتاب "سر گزشت جامعہ عثمانیہ" صفحہ نمبر 212 سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام اور عربی سے اردو تراجم میں اس کا حصہ:۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام 1283ھ مطابق 1866ء میں عمل میں آیا۔ درحقیقت یہ ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک عظیم اصلاحی تحریک تھی جس کے بانی اور روح رواں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند عالم اسلام کا مشہور دینی وعلمی مرکز ہے، برصغیر میں اسلام کی نشرواشاعت کا یہ سب سے بڑا ادارہ اور دینی علوم کی تعلیم کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے، دارالعلوم دیوبند سے ہر دور میں ایسے باکمال فضلاء تیار ہو کر نکلے جنہوں نے وقت کی دینی ضرورت کے تقاضوں کے مطابق صحیح دینی عقائد اور علوم دینیہ کی نشرواشاعت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، یہاں کے فضلاء برصغیر اور برصغیر کے باہر تقریباً پوری دنیا میں علمی ودینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند تیرھویں صدی ہجری کی ایک عظیم الشان دینی، تعلیمی اور اصلاحی تحریک تھی جس نے احیائے اسلام اور تجدید دین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، دین ومذہب اور اسلامی علوم کی ترویج کے ساتھ ساتھ سماج وسیاست کے باب میں بھی اس ادارے کا نمایاں کارنامہ رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا روز اول سے ہی ذریعہ تعلیم اور دفتری زبان اردو رہی ہے، اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے ہی کا صدقہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے جہاں اردو کو ہر لمحے اپنے ساتھ رکھا اسی طرح ملکی اور عالمی سطح پر بھی اس زبان کی آبیاری کی، دارالعلوم دیوبند نے اپنے قیام کے چند برسوں بعد ہی جو مرکزیت حاصل کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک اور بیرون ملک کے تشنگان علم ومعرفت بڑی تیزی سے دیوبند آنے لگے تو ابتداء میں کتابوں کی ضرورت کی تکمیل دہلی اور لکھنؤ سے ہوتی رہی لیکن طلبہ کے روز افزوں بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر درسی وغیر درسی کتابوں کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جانے لگی، اسی احساس ضرورت کی تکمیل کی غرض سے ابتداء میں بہت سے افراد نے اشاعتی ادارے قائم کیے، پھر دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنے دو اشاعتی ادارے قائم کیے: ایک مکتبہ دارالعلوم، دوسرا شیخ الہند

اکیڈمی جہاں سے 80 فیصد اردو کتابیں شائع ہوئیں۔ لیکن ان اشاعتی اداروں میں باضابطہ عربی سے اردو ترجمے کا کام نہیں ہوتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کا جو نصاب طے کیا گیا تھا اس میں بیشتر کتابیں عربی میں ہیں، چونکہ ذریعہ تعلیم اردو تھی اس لیے پڑھانے والے عموماً اتنی صلاحیت کے مالک ہوتے تھے جو ان عربی کتابوں کو حل کرکے اردو زبان میں طلبہ کے سامنے پیش کرسکیں۔ چنانچہ اساتذہ عربی کتابوں کی تدریس اور حل کے لیے جو تقریر کرتے ہیں عموماً طلبہ انہیں نوٹ کرلیتے ہیں، اس میں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے: اس لیے ہماری معلومات کے مطابق دارالعلوم دیوبند کو کبھی ایسے دارالترجمہ کی ضرورت پیش نہیں آئی جہاں عربی سے اردو میں باضابطہ ترجمہ کیا جاتا ہو۔ لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور فضلاء نے قرآن وحدیث، تصوف وتاریخ وغیرہ تقریباً ان تمام کتابوں کے ترجمے اور تشریح کا کارنامہ انجام دیا ہے جن کتابوں کی طلبہ مدارس کو ضرورت پڑسکتی ہے۔ چنانچہ ابتدائی کتابوں سے لے کر اوپر تک ساری کتابوں کے کئی کئی ترجمے موجود ہیں چونکہ ادارے کے فضلاء کی خدمات اور کارنامے، ادارے کی طرف ہی منسوب ہوتے ہیں اس لیے یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے انفرادی طور پر جو عربی کتابوں کے ترجمے کا کام انجام دیا ہے ان سب کی انفرادیت اور وحدت کا مجموعہ دارالعلوم دیوبند کی مرہون منت ہے۔ اس لیے یہ دعوی کرنا بھی درست ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے تراجم کے باب میں بھی وسعت بھر حصہ لیا ہے ہاں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا بیشتر حصہ عربی وفارسی کے ان ترجموں پر مشتمل ہے جو محض درسی ضروریات کو پورا کرتے ہیں تاہم کچھ ترجموں کو عمومیت ضرور حاصل ہے جیسے قاضی سجاد حسین کا مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کا ترجمہ، مولانا محمد اسلم قاسمی کا 6 ضخیم جلدوں میں سیرت حلبیہ کا اردو ترجمہ اور مولانا ندیم الواجدی کا احیاء العلوم کا طویل اردو ترجمہ اپنی نوعیت کا بے مثال کارنامہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کے تراجم بھی فضلاء دارالعلوم کا بڑا کارنامہ ہے، اس سلسلے میں حضرت شیخ الہند، حضرت حکیم الامت تھانوی، مولانا عاشق الہی میرٹھی دیوبندی، مفتی تقی عثمانی، مولا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد عثمان (کاشف الہاشمی) اور مفتی سعید احمد پالن پوری وغیرھم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز

الرحمن صاحب نے تفسیر بغوی کا اردو ترجمہ کیا تھا جو محض ترجمہ نہیں تھا بلکہ اس میں مضامین کی تلخیص وتسہیل بھی کی گئی تھی اس کا نام " منحۃ الجلیل فی بیان مافی معالم التنزیل" رکھا، یہ ترجمہ اہل علم کے درمیان بہت مقبول ہوا، تفسیر خازن کا اردو ترجمہ بھی مفتی اعظم کی طرف منسوب ہے مگر اب وہ معدوم ونایاب ہے ، اس کی تاریخ اشاعت 1315ھ بتائی جاتی ہے۔اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ "مکتبہ فیض القرآن" نے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ مولانا انظر شاہ کشمیری کا ہے یہ ترجمہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے قابل اعتماد ہے،اسی طرح تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین کے متعدد ترجمے علماء دیوبند کی طرف منسوب ہیں، تفسیر مدارک اور تفسیر مظہری کے ترجمے بھی مولانا انظر شاہ کشمیری کے قلم سے وجود میں آئے تھے۔

اسی طرح حدیث، فقہ،اصول حدیث اور عربی ادب کی ایک ایک کتاب کے متعدد ترجمے دستیاب ہیں جو فضلائے دارالعلوم کے قلم سے وجود میں آئے ہیں جن کی کچھ جھلکیاں آگے آرہی ہیں۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردوزبان میں ترجمے کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند نے ہمہ جہت خدمات انجام دی ہیں جو تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھی گئی ہے۔

کچھ اور ادارے: علاوہ ازیں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد،اور اردو اکیڈمی جامعہ ملی نے بھی مغربی علوم اور ادب کے گراں قدر ترجمے شائع کئے ہیں،آزادی کے بعد نیشنل بک ٹرسٹ ، ساہتیہ اکیڈمی،اور ترقی اردو بورڈ موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ادبی وعلمی کتابوں کے تراجم شائع کیے ہیں،اسی طرح ترجمہ کے شعبہ میں دارالعلوم دیوبند کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ دارالسلام عمرآباد، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعۃ الفلاح، جامعۃ الاصلاح اور مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اور اگر بات بیسویں صدی سے پہلے کی ہو تو دارالترجمہ شمس الامراء (حیدرآباد 1833ء تا 1877ء)، سائنٹفک سوسائٹی علی گڈھ (1863ء)، مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دارالترجمہ جموں و کشمیر (1850ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں اور ان اداروں میں زیادہ تر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کا کام ہوا ہے۔

بیسویں صدی میں مختلف علوم وفنون سے متعلق عربی کتابوں کے اردو تراجم کا اجمالی جائزہ:

کسی بھی کتاب کا ترجمہ حقیقت میں ایک آئینہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ ہم دیگر قوموں اوران کی تہذیبوں کو دیکھ اور پرکھ سکتے ہیں،اسی لیے ہر زمانے میں اس پر توجہ دی گئی اور زمانے کی ترقی کے ساتھ ترجمہ نگاری نے بھی خوب ترقی کی ہے، چنانچہ ہر صدی میں اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ترجمہ کا کام ہوا ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ بیسویں صدی اس کے عروج کا دور ہے،اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ بیسویں صدی کے تراجم پر سرسری نظر ڈالی جائے۔ہم یہاں جامعیت اور تفصیل کے ساتھ دس فنون کا تذکرہ کریں گے۔

سیرت کی عربی کتابوں کے اردو تراجم:

1۔ سیرت ابن ہشام اول ودوم جس کا اصلی نام" السیرۃ النبویہ "ہے،اس کے مصنف"محمد عبدالملک ابن ہشام "ہیں جو ابن ہشام سے مشہور ہیں یہ کتاب آٹھویں صدی عیسوی میں تصنیف کی گئی ہے اس کا اردو ترجمہ قطب الدین احمد محمودی نے کیا ہے، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، جلد اول 1946ء اور جلد دوم 1947ء میں منظر عام پر آیا ہے۔

2۔ مختصر زادالمعاد،اس کے مؤلف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ہیں اوراس کے مترجم سعید احمد قمرالدین الندوی ہیں، طباعت واشاعت وزارت اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد، مملکت سعودی عرب کے زیر نگرانی 1417ھ میں ہوئی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز وغیرہ کے طریقہ سے لے کر نکاح، جہاد اور تقسیم غنائم کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے،اس کتاب کا ایک نفیس اور رواں ترجمہ رئیس احمد جعفری نے بھی کیا ہے یہ ترجمہ 981صفحات پر مشتمل ہے جو نفیس اکیڈمی کراچی سے 1990ء میں شائع ہوا ہے۔

3۔ سیرت ابن اسحق، یہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی سب سے پہلی کتاب اور باضابطہ تصنیف ہے۔یہ وہ کتاب ہے جسے گزشتہ تیرہ سو برسوں سے اہل علم تلاش رہے تھے۔کیونکہ اسے تاریخ وسیرت کے ابتدائی مآخذ ومصادر میں کلیدی اہمیت حاصل ہے اس کے مصنف" محمد بن اسحق بن یسار" ہیں۔اوراس کا اردو ترجمہ "نورالٰہی ایڈوکیٹ" نے کیا ہے۔اس کی اشاعت 2000ء میں ملی پبلی کیشنز، نئی دہلی سے ہوئی ہے۔اس کی شروعات سلسلہ نسب پاک سے

ہوتی ہے اس کے بعد حضرت عبد المطلب کی نذر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور غزوات وغیرہ کو بیان کرنے کے بعد محاکمہ سیرت ابن اسحق کے مصادر و مراجع پر اختتام ہے۔اس کے صفحات 504 ہیں۔اس کتاب کا ایک اور ترجمہ "سید یاسین علی حسن نظامی دہلوی" نے بھی دو جلدوں میں کیا ہے جو ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور سے شائع ہوا ہے۔

4۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر ایک مستند اور لازوال اولین تصنیف" سیرت النبی کامل" ہے۔اس کے مرتب "علامہ ابن ہشام "ہیں جبکہ ترجمہ و تہذیب کا کام "مولانا عبد الجلیل صدیقی" اور "مولانا غلام رسول مہر" نے انجام دیا ہے۔اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سوئی والان، دہلی سے پہلی اشاعت اگست 1982ء میں ہوئی ہے۔ اس کے کل صفحات 829 ہیں۔

5۔سیرت پاک اور تاریخ عرب پر لاثانی شاہکار" سیرت حلبیہ اردو" کے عربی مؤلف" علامہ ابن برہان الدین حلبی" ہیں جسے ایک قدیم و مستند تالیف کا درجہ حاصل ہے،اور جو صدیوں سے اپنی مستند روایات اور منفرد انداز بیان کی بناء پر علماء، مؤرخین اور عوام سب کے لئے یکساں طور پر خصوصی اہمیت کی حامل رہی ہے اس کتاب کا پورا نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون "ہے ۔اس کا سادہ اور سلیس اردو زبان میں ترجمہ اور ترتیب" مولانا محمد اسلم رمزی قاسمی "نے انجام دیا ہے موصوف مولانا قاسم نانوتوی کے پڑپوتے ہیں آپ کے والد گرامی قاری طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم ہیں ۔اس کی طباعت ادارہ قاسمیہ کتب خانہ قاسمی دیوبند سے 1402ھ مطابق 1981ء میں عمل میں آئی ہے۔مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

غیر اسلامی مذہبی کتابوں کے اردو تراجم:

(1) بوذاسف و بلوہر، یہ کتاب مہاتمابدھ جس کو عرب بوذاسف کہتے ہیں کی سیرت پر ہے، عربی زبان سے اردو زبان میں اس کا ترجمہ سید عبد الغنی استھانوی نے کیا ہے،اصل کتاب سنسکرت میں ہے۔

(2) انجیل برنباس، یہ کتاب یسوع مسیح کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے اور یہ دعوی کرتی ہے کہ وہ برنباس حواری کی لکھی ہوئی ہے، مصر کے کسی عالم نے انگریزی سے عربی میں کیاہے مولانا محمد حلیم انصاری مرحوم نے اس کا اردو میں ترجمہ کیاہے جو ادارہ اسلامیات کراچی لاہور سے 442 صفحات میں شائع ہو چکاہے۔

سوانح اور تذکروں یعنی شخصیات کی کتابوں کے ترجمے:

کسی بھی نامور شخص کی زندگی کے حالات تفصیل کے ساتھ ایک کتاب میں پیش کرنے کا فن سوانح کہلاتاہے، شخصیات کی زندگی،اور زندگی کی تگ ودو اور تعمیر و ترقی کی روشنی میں اپنے روشن مستقبل کے لیے سوانح اور تذکرے کی بہت اہمیت ہے،اس لیے ہر زبان میں سوانح لکھنے کا رواج رہاہے،ذیل میں کچھ عربی سوانح کے تراجم کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

1۔انیسویں صدی کی چند نامور مسلم شخصیات: اس کتاب کا عربی نام" زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث "ہے،اس کے عربی مصنف مصر کے نامور دانشور اور مشہور ادیب جناب" احمد امین "ہیں اور شیخ نذیر حسین نے اس کا اردو ترجمہ کیاہے۔اس کی پہلی طباعت 1986ء اور دوسری طباعت 1991ء میں میٹرو پرنٹر لاہور سے ہوئی ہے،اس کا ناشر ادارہ معارف اسلامی، منصورہ لاہور ہے۔اس کتاب میں امت مسلمہ کے دس نامور رہنماوں کے حوالے سے ان کی کوششوں کا مکمل جائزہ پیش کیا گیاہے جنہوں نے گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں اصلاح امت کی کوششیں کی ہیں۔یہ زعماء ترکی، مصر برصغیر پاکستان وہند اور ایران وافغانستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ان دس حضرات کے نام یہ ہیں: شیخ محمد بن عبد الوہاب، مدحت پاشا، سید جمال الدین افغانی، آثر، سر سید احمد خان، سید امیر علی، خیر الدین پاشا تونسی، علی مبارک پاشا اور عبداللہ ندیم۔مذکورہ کتاب کا ترجمہ مترجم نے بامحاورہ کرنے کی کوشش کی ہے اور ترجمہ سلیس اور عمدہ ہے۔

2۔سوانح کی دوسری کتاب "حیاتی" ہے جو احمد امین کی خود نوشت سوانح ہے جو بیسویں صدی کے نصف اول کی مقبول ومعروف سوانح ہے،اس کتاب میں ادب کی چاشنی کے ساتھ فکر وعمل کی غذاء کا بھی پوراسامان موجود ہے،اس کا ترجمہ شیخ نذیر حسین نے "سرگزشت حیات" کے نام سے کیاہے اور انجمن ترقی ادب نے اسے شائع کیاہے۔ابھی

حال ہی میں "حیاتی" کا ایک رواں دواں اور شستہ ترجمہ "زندگی میری" کے نام سے شائع ہوا ہے، البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی نے بہت عمدہ انداز میں شائع کیا ہے، ڈاکٹر محمد عارف الدین فاروقی اس کے مترجم ہیں، یہ ترجمہ بقول پروفیسر محسن عثمانی: ایک بیش قیمت علمی وثقافتی تحفہ ہے۔

3۔الایام: مشہور ادیب اور ماہر انشاپرداز "طہٰ حسین مصری" کی خود نوشت سوانح ہے، حال ہی میں مصر سے ایک جلد میں شائع ہوئی ہے اس کتاب نے ادبی حلقوں میں نمایاں پذیرائی حاصل کی ہے، اسی لیے کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا ہے، انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ "دی ڈیز" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس کتاب کو پاک وہند میں بھی خوب پذیرائی حاصل ہوئی ہے، اس کتاب کا سلیس اور عام فہم ترجمہ 1960ء میں معارف پریس اعظم گڑھ اور انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع ہوا ہے، حکیم سید عبدالباقی شطاری نے اسے اردو کا قالب عطا کیا ہے یہ ترجمہ دو حصوں میں شائع ہوا ہے کچھ سال پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ پاکستان کے ایک مشہور اخبار میں قسط وار شائع بھی ہوا ہے۔

4۔ابوالکلام آزاد: المصلح الدینی والزعیم السیاسی فی الہند، مولانا ابوالکلام آزاد کا نام محتاج تعارف نہیں ہے، مذکورہ کتاب انہی کی عربی سوانح ہے، "ڈاکٹر عبدالمنعم النمر مصری" اس کے مصنف ہیں، اس کتاب کا اردو ترجمہ 1989ء میں "نجم الدین شکیب ندوی" نے "مولانا ابوالکلام آزاد: ایک مفکر ایک رہنما" کے نام سے کیا ہے۔

عربی سفر ناموں کے اردو ترجمے:

1۔ابن جبیر اندلسی (المتوفی 614ھ) اندلس سے تعلق رکھنے والے مشہور سیاح اور جغرافیہ نگار تھے، ابن جبیر دنیا کے ان چند سیاحوں کی صف اول میں نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنی سیاحت میں ایک دنیا کو شامل کر لیا ہے، چونکہ یہ سفر نامہ فصیح عربی زبان میں تھا، اس کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور تقریبا تمام ترقی یافتہ زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، حافظ احمد علی خان پوری نے اردو میں ترجمہ کا کام کیا ہے۔

2۔سفر نامہ ابن بطوطہ: ابوعبداللہ محمد ابن بطوطہ (المتوفی 779ھ) مشہور سیاح اور مؤرخ تھے 28 سال کی مدت میں اس نے 75 ہزار میل کا سفر کیا، اس نے ہندوستان کا بھی سفر کیا؛ چنانچہ اس کتاب میں ہندوستان کی تہذیب، سیاست، معاشرتی بود و باش کا تذکرہ بڑے نفیس انداز سے کیا گیا ہے، فارس کے بادشاہ ابوحنان کی ایماء پر اپنے سفر نامے

کو کتابی شکل دی، اس کتاب کا نام " عجائب الاسفار فی غرائب الدیار " ہے، یہ کتاب مختلف ممالک کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا مجموعہ ہے، مختلف زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی اس کے کئی تراجمے دستیاب ہیں، رئیس احمد جعفری کا ایک ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا ہے، خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب نے بھی "سفر نامہ ابن بطوطہ" کے نام سے نہایت سہل اور آسان فہم سلیس اردو ترجمہ کیا ہے جو "تخلیقات" لاہور سے چھپی ہے، یہ ترجمہ 520 صفحات پر مشتمل ہے۔

3۔ خالد خلیل ترکی، کی کتاب "ڈائری آف دی ٹرک" کا اردو ترجمہ معاشرۃ الاتراک کے نام سے مولوی محمد حسین محمی، رہتکی کا کیا ہوا ہے، مترجم نے اپنے ترجمہ میں بہت سی باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

عربی تاریخی کتابوں کے اردو ترجمے:

(1) سر تطور الامم، فرانسیسی مصنف گستاؤلی بان کی کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا ہے، مولوی عبد السلام ندوی نے عربی زبان سے اردو زبان میں کیا ہے۔

2۔ اسلام اور عربی تمدن، یہ عربی کتاب "الاسلام والحضارۃ العربیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔

3۔ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، یہ "الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند" کا ترجمہ ہے

4۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں، یہ مختلف عربی کتابوں کے اقتباسات کو لے کر اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اور کتاب کی ایک جانب عربی عبارت ہے اور دوسری جانب ترجمہ ہے۔ ان چاروں کا مختصر تعارف دارالمصنفین کی خدمات کے ذیل میں آچکا ہے۔ اور دیگر تاریخی کتابوں پر مفصل گفتگو پانچویں باب میں آئے گی۔

حکمت و فلسفہ کی کتابوں کے اردو ترجمے:

1۔ حکمۃ الاشراق، اس کے مصنف " شیخ شہاب الدین السہروردی (المتوفی: 587ھ)" ہیں۔ اردو ترجمہ "مولوی مرزا محمد ہادی لکھنوی"، رکن سر رشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ نے انجام دیا ہے۔ اس کی طباعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد سے 1925ء میں ہوئی ہے۔

2۔مباحث مشرقیہ جلد اول و دوم: اس کے مصنف" امام فخر الدین محمد بن عمر رافعی" ہیں جب کہ مترجم" حکیم سید عبدالباقی "ہیں، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے جلد اول 1949ء میں اور جلد دوم 1950ء

3۔مرقات، مصنف" فضل امام"، مترجم "سید حیدر حسینی" ہیں، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے 1921ء میں شائع ہوئی ہے۔

4۔الاسفار لاربعۃ: صدرالدین شیرازی (المتوفی 1050ھ) مشہور مسلمان فلاسفر گزرے ہیں یہ انہی کی تصنیف ہے، اس کتاب کا دوسرا نام " الحکمۃ المتعالیہ فی المسائل الربوبیۃ" ہے اس کی جلد اول وجود و اعراض پر، دوسری طبیعات پر، تیسری الٰہیات پر اور چوتھی نفس پر ہے۔ دارالترجمہ عثمانیہ نے اس کا ترجمہ کرایا ہے، جس کی پہلی جلد کا ترجمہ " مولانا مناظر حسن گیلانی "نے اور باقی جلدوں میں سے ایک کا "مولانا ابوالاعلی مودودی "نے اور دوسرے حصے کا "مولوی میرک شاہ کشمیری" نے کیا ہے۔ حال ہی میں یہ ترجمہ حق پبلی کیشنز نے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ 910 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

5۔شرح ہدایۃ الحکمت: یہ "اثیر الدین ابہری" کی "ہدایۃ الحکمت "کی شرح ہے، یہ کتاب بھی ملا صدرالدین شیرازی کی ہے جو "صدرا" کے نام سے مشہور ہے اور درس نظامی میں شامل ہے، کئی لوگوں نے اس کے ترجمے کیے ہیں۔

فن طب کی عربی کتابوں کے اردو ترجمے:

1۔فردوس الحکمۃ فی الطب: یہ کتاب طب کی بنیادی اور اہم ترین کتابوں میں سے ہے اگرچہ اس میں نباتیات، حیوانیات، ریاضیات، فلکیات، ہیئت و نجوم اور فلسفہ وغیرہ کے مباحث بھی ہیں مگر کتاب کا اکثر حصہ طبّی مسائل کے لئے وقف ہے۔ اس لئے اس کتاب کا موضوع "طب" ہے۔ اس کا مصنف ایران کے صوبہ طبرستان کا مشہور طبیب "علی بن سہل ربن الطبری" (المتوفی 247ھ) ہے۔ اس کا اردو ترجمہ" حکیم رشید اشرف "نے کیا ہے اور ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی سے 1980ء میں شائع ہوا ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ دراصل یہ ترجمہ اس اصل عربی ایڈیشن سے کیا گیا ہے جسے برلن نے ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ 1928ء میں شائع کیا تھا۔

2۔کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف یہ بھی فن طب کی مشہور کتاب ہے اور یہ کتاب علمی اور عملی دو حصوں پر ایک ہزار سے کچھ زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ تصنیف کرنے والے" ابو القاسم خلف بن عباس زہراوی" (المتوفی : 404ھ) ہیں اور اس کا اردو ترجمہ "حکیم نثار احمد علوی کاکوروی "صاحب کے زیر اہتمام مئی 1947ء میں دارالاشاعت ادب گھر ناظر باغ کانپور سے شائع ہوا ہے۔

3۔ترجمہ و شرح کلیات قانون : یہ کلیات قانون جو کلیات طب کے نام سے موسوم ہے اس کا اردو ترجمہ بصورت شرح کیا گیا ہے" حکیم احسان علی قادری "نے یہ کام انجام دیا ہے۔ موصوف طبیہ کالج دہلی کے تعلیم یافتہ تھے نیز 1935ء میں یہیں استاد مقرر ہوئے، علمی قابلیت اور تبحر کی وجہ سے کالج کے لائق اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ مذکورہ کتاب اردو زبان میں کلیاتی مباحث کے سلسلے میں اہم کتاب سمجھی جاتی ہے ، اس کی طباعت جدید برقی پریس سے 1355ھ مطابق 1936ء ہوئی ہے۔

4۔ مختصر الکلیات فی شرح الموجز اور ترجمہ و شرح اقسرائی: ان دونوں کتابوں کا ترجمہ اور شرح" شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی" نے کیا ہے۔ دونوں بامحاورہ ترجمہ و شرح ہیں۔ الموجز میں تصاویر اور لغاتچہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ کلیات اقسرائی کا ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی پہلی اشاعت 1925ء میں کریمی پریس لاہور سے عمل میں آئی ہے۔ اقسرائی شرح موجز کا ایک دوسرا ترجمہ مولوی اسرائیل کی طرف بھی منسوب ہے جو مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

5۔ ترجمہ نفیسی ، یہ ترجمہ حکیم محمد امین الدین خان صاحب پروفیسر کلیات و وائس پرنسپل طبیہ کالج دہلی نے کیا ہے۔ حکیم صاحب فارسی میں یکتا تھے اور عربی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ طب کی کتابوں کا عربی میں درس دیتے تھے ، حکیم صاحب نے طلباء کے درسی افادہ کے لئے علامہ برہان الدین نفیس کی مشہور کتاب "نفیسی" کا "کلیات نفیسی" کے نام سے اردو ترجمہ کیا جو 1924ء میں دہلی پرنٹنگ ورکس سے دو جلدوں میں طبع ہوا ہے۔

6۔ ترجمہ کلیات قانون، ترجمہ حمیات قانون، ترجمہ کلیات نفیسی اور ترجمہ قانونچہ :ان سارے کتابوں کے مترجم " حکیم محمد کبیر الدین" ہیں۔ مترجم موصوف نے تعلیم سے فراغت کے بعد اردو میں طبّی کتابوں کی شدید ضرورت کا

احساس کرتے ہوئے ترجمہ وتالیف کے کام میں مصروف ہو گئے اس کے لئے انہوں نے 1921ء میں دہلی سے المسیح ماہنامہ جاری کیا جس کے ذریعہ آٹھ سال کی مدت میں بڑے پیمانے پر طبّی کتب کی اشاعت عمل میں آئی۔ مذکورہ بالا کتب طب کی اشاعت بھی دفتر المسیح دہلی سے 1930ءاور 1935ء میں ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ طب کی مذکورہ کتابوں کے اردو تراجم کے بارے میں معلومات " قانون ابن سینااور اس کے شارحین ومترجمین "، مصنف" حکیم سید ظل الرحمن "، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس، علی گڑھ، اشاعت شدہ 1982ء سے اخذ کی گئی ہیں۔

عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم:

عربی ادب عربی زبان کے ادب کو کہا جاتا ہے، اس موضوع پر عربی زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کتابوں کے اردو ترجمے بھی ہو چکے ہیں، ذیل میں چند کتابیں بطور نمونہ پیش ہیں: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ عربی ادب کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کے تحت نحو، صرف، بلاغت، تاریخ ادب، لغت اور انشاء جیسے بہت سے موضوعات آتے ہیں۔

1۔ جدید عربی ادب: مصر کے مشہور ادیب اور مجمع اللغۃ العربیہ المصری کے سابق صدر "احمد شوقی ضیف" (المتوفی: 2005ء) کی کتاب " الادب العربی المعاصر فی مصر" کا نہایت سلیس ترجمہ " جدید عربی ادب" کے نام سے شائع ہوا ہے، ڈاکٹر شمس کمال انجم صدر شعبہ عربی واردو باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری (جموں وکشمیر) اس کے مترجم ہیں، کتاب میں جدید مصری ادب خاص کر مصری شاعری کے بارے میں معتبر معلومات یکجا ہیں۔

2۔ عربی تنقید کا سفر: پروفیسر طہٰ احمد ابراہیم سابق استاذ شعبہ عربی قاہرہ یونیورسٹی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی ایجوکیشنل سے شائع ہوا ہے، اس کے مترجم بھی ڈاکٹر شمس کمال انجم ہیں۔

3۔ تاریخ الادب العربی: احمد حسن زیات (المتوفی: 1968ء) کی عربی تاریخ وادب پر مشتمل یہ کتاب بہت مشہور ہے، اس میں عربی زبان کے تمام قدیم وجدید بلند پایہ ادباء وشعراء اور مفکرین کے حالات اوران کے کلام کا منتخب نمونہ درج ہے۔ 1947ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی ترغیب پر اس کا ترجمہ شروع ہوا لیکن مکمل نہ ہو سکا بالآخر 1961

ءمیں جناب عبدالرحمن طاہر سورتی نے اس کام کو مکمل کیا جو 614 صفحات پر مشتمل ہے اور شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، حیدرآباد کراچی سے شائع ہوا ہے۔

اسلامی فقہی کتابوں کے اردو تراجم:

1۔اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ اس کے مترجم" مولانا جمیل احمد سکروڈوی" سابق استاذ دارالعلوم دیوبند تھے، یہ کتاب دیوبند کے اکثر کتب خانوں میں دستیاب ہے،اس ترجمہ اور تشریح کی کل 16 جلدیں ہیں۔دوسرا ترجمہ مولانا محمد یوسف صاحب نے کیا ہے جس کی طباعت تھانوی آفسیٹ پرنٹرس سے ہوئی ہے اور سن اشاعت 1995ء ہے۔

2۔بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع اس کے مصنف "علامہ ابو بکر علاء الدین الکاسانی(المتوفی:587ھ) "ہیں اور اردو مترجم "مولانا ظفر اللہ شفیق "ہیں، اس کتاب کا ناشر" مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ،نسبت روڈ،لاہور" ہے،اس کی طباعت اولی جولائی 1993ء میں ہوئی ہے۔

3۔کتاب الخراج اس کے مصنف قاضی امام ابو یوسف (المتوفی:182ھ) ہیں، مولوی سید ابوالخیر مودودی اس کے مترجم ہیں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے 1930ء میں یہ ترجمہ شائع ہوا ہے، فقہ حنفی کی اس مشہور کتاب کا دوسرا ترجمہ مولانا نیاز احمد اوکاڑوی نے کیا ہے، یہ ترجمہ مکتبہ رحمانیہ لاہور سے شائع ہوا ہے،اس کے علاوہ فقہ حنفی کی تقریبا تمام اہم کتابوں کے اردو ترجمے مختلف اداروں سے شائع ہو چکے ہیں اور بعض کتابوں پر ترجمہ کا کام جاری ہے۔

4۔الاشباہ والنظائر: اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے جو درس نظامی میں تمرین افتاء کے درجہ میں پڑھائی جاتی ہے۔یہ" علامہ زین الدین مصری"کی کتاب ہے جو اپنی افادیت کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔اس کا اردو ترجمہ اور تشریح کا کام وسیع پیمانہ پر نہیں ہوا ہے تاہم ماضی قریب میں کئی فضلائے مدارس نے اس کا اردو ترجمہ مع شرح شائع کیا ہے۔ البصائر، عقود الجواہر اور شرح النظائر جیسے نام قابل ذکر ہیں ابھی حال ہی میں مولانا مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، سابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند نے درسی انداز کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے ساتھ میں تشریح بھی کی گئی ہے، 523 صفحات کا یہ ترجمہ مع تشریح زکریا بک ڈپو دیوبند سے 2020ء میں شائع ہوا ہے۔

عربی کتب تصوف کے اردو تراجم:

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں " تزکیہ نفس" اور حدیث کی اصطلاح میں "احسان" اور فقہ و فتاوی کی زبان میں " فقہ باطن" کہتے ہیں، تصوف قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے اسے شریعت کے بالمقابل کوئی دوسری تحریک قرار دیا جو کہیں کہیں شریعت سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور اکثر جگہ شریعت سے جدا رہتی ہے؛ لیکن یہ نظریہ بے بنیاد اور غلط ہے: اس لیے اہل دل اور روشن ضمیر افراد نے تصوف پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں، عربی زبان میں تصوف کا سرمایہ بھی قابل قدر ہے،افادیت تامہ کے لیے مختلف زبانوں میں ان کتب کے ترجمے کیے گئے ہیں،ذیل میں کچھ اہم اردو تراجم کا تذکرہ پیش کیا جارہاہے۔

1۔ قوت القلوب (حصہ اول ودوم) اس کتاب کو پوری اسلامی تاریخ میں تصوف پر ایک مستند اور لازوال اولین کتاب شمار کیا جاتاہے۔اس کے مؤلف " شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکی" (المتوفی: 386ھ) ہیں اور مترجم "مولانا صدر عالم" ہیں، یہ کتاب اسپر یچول پرنٹرس دہلی سے چھپ کر منظر عام پر آئی ہے اس میں سنہ اشاعت موجود نہیں ہے۔

2۔دنیائے تصوف کی مشہور زمانہ کتاب" نفحات الانس" کے مصنف "حضرت مولانا عبدالرحمن جامی "ہیں اور اس کتاب کے اردو مترجم "حضرت شمس بریلوی "ہیں،اس کی اشاعت اول 1988ء میں دانش پبلشنگ کمپنی،دریاگنج، نئی دہلی سے عمل میں آئی ہے۔ترجمہ میں دلکشی،روانگی،اور برجستگی کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔خاص بات یہ ہے کہ نظم کا ترجمہ بھی اکثر جگہ نظم میں کیا گیاہے۔

3۔عوارف المعارف،مصنف شیخ الشیوخ حضرت" شہاب الدین سہروردی" اور مترجم حضرت" شمس بریلوی" ہیں،یہ ترجمہ ارشد برادرس،کوچہ چیلان،دریاگنج دہلی سے شائع ہواہے اور پہلی بار نومبر 1986ء کو منظر عام پر آیا ہے۔

4۔ منہاج العابدین، اس کتاب کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کیا ہے اور مولانا محمد سعید احمد نقشبندی نے اس کو اردو قالب میں ڈھالا ہے اس کو منظر عام پر لانے والا ملک پبلشر پرائیوٹ لمیٹڈ دیوبند ہے، اشاعت کا سال اس میں 1977ء درج ہے۔ اس کے صفحات 344 ہیں۔

5۔ تزکیہ نفس اور حسن معاشرت پر ایک عظیم شاہکار کتاب "مکاشفۃ القلوب" ہے جس کے عربی مصنف حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی اردو مترجم حضرت علامہ و مولانا تقدس علی خان ہیں، اس کی نشر و اشاعت رضوی کتاب گھر غیبی نگر بھیونڈی سے 1981ء میں ہوئی ہے۔

6۔ فتوح الغیب: معارف و حقائق الہیہ کی الہامی دستاویز "فتوح الغیب" شیخ عبد القادر جیلانی کی تصنیف ہے، سید محمد فاروق القادری ایم۔اے، نے اردو میں ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ 1998ء کو تصوف فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔

7۔ فصوص الحکم: شیخ اکبر ابن عربی کی تالیف کردہ تصوف اسلامی پر اہم ترین کتاب میں سے ایک ہے، ابن عربی کی اس کتاب پر سو سے زاید شروحات لکھی گئی ہیں اردو میں اس کا ترجمہ قیام پاکستان سے قبل عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے الہیات کے پروفیسر محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرت نے کیا تھا، 1942ء میں یہ ترجمہ شائع ہوا تھا، ابھی حال ہی میں جدید ترجمہ مع تحقیق شدہ عربی متن 2015ء میں ابرار احمد شاہی نے ابن العربی فاونڈیشن سے شائع کیا ہے۔

عربی سائنسی کتابوں کے اردو تراجم:

یہ واقعہ ہے کہ اردو زبان میں سائنس اور ٹکنالوجی کے تراجم کی طرف کم توجہ دی گئی ہے؛ کیونکہ ترجمے کے وقت مختلف قسم کے مسائل مترجم کے سامنے آجاتے ہیں اس لیے کہ سائنسی علوم کے ترجمے میں بالکل واضح اور سالم اصطلاحوں کا ہونا ضروری ہے، عدم یکسانیت مسئلہ پیدا کر سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سائنسی علوم کے مترجمین کی عدم دستیابی کا مسئلہ پریشان کن امر بنتا جارہا ہے، اردو میں ایسے لوگ عنقاء ہیں جو بیک وقت متعلقہ علم بھی جانتے ہوں، انگریزی سے بھی واقف ہوں اور اردو زبان پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔ اردو ترجمے کی طرف بے توجہی کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سائنس کا علم آج پوری دنیا میں عموما انگریزی زبان میں پڑھایا جاتا ہے اور انگریزی کے ایک بین الاقوامی زبان ہونے کی وجہ سے عموما لوگ اتنی انگریزی سیکھ لیتے ہیں جس سے سائنس کا پڑھنا اور سمجھنا ممکن ہو نیز سائنس کا

حصول اردو پر موقوف نہیں ہے کیونکہ سائنس میں ذریعہ تعلیم اردو نہیں ہوتی اس لیے بھی اس حوالے سے اردو ترجمے کی طرف توجہ کم دی جارہی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس موضوع پر جو ترجمے ہوئے ہیں عموماً وہ انگریزی کتابوں کے ہیں، دارالترجمہ عثمانیہ میں جب ترجمے کا کام شروع ہوا تو سائنس کی کتابوں کے ترجمے کی ذمہ داری برکت علی نے سنبھالی تھی شروع شروع میں مغربی علوم کے تراجم ہوئے اور بعد میں عربی، فارسی اور مشرقی علوم کی کتابیں بھی اردو میں منتقل ہوئیں۔ دہلی کالج اور ورناکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے ترجمے کے ذریعہ جدید علوم اور سائنس کے میدان میں اہم کردار ادا کیا ہے یہاں سائنس کی کتابیں بھی اردو میں منتقل ہوئی ہیں، اسی طرح دارالمصنفین اعظم گڈھ نے بھی بعض مغربی فلسفیوں کی بعض اہم کتابوں کے ترجمے کرائے ہیں۔ یہاں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا نام بھی لیا جاسکتا ہے جس نے سائنسی اور تکنیکی علوم کو اردو زبان میں منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اس نے کل 1150 کتابیں چھاپی ہیں جس میں سائنس کی ترجمہ کی ہوئی کتابیں بھی شامل ہیں۔ان معروضات کا حاصل یہ ہے کہ سائنسی علوم عربی سے اردو زبان میں بہت کم منتقل ہوئے ہیں اور اگر بات بیسویں صدی کی ہو تو یہ تعداد اور کم ہو جائے گی اس لیے اس طرف توجہ کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ ترجمہ سے قومیں زیادہ باشعور ہوتی ہیں۔

"فن طب کی عربی کتابوں کے اردو ترجمے" کے ذیل میں ماقبل میں جن عربی کتابوں کے اردو ترجمے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ترجمے بالواسطہ یا بلاواسطہ سائنس کی عربی کتابوں کے اردو ترجمے کی مثال بن سکتے ہیں اس لیے مزید کتابوں کا تذکرہ موقوف کیا جاتا ہے۔ سائنس کے حوالہ سے عرب محققین نے جو کتابیں لکھی ہیں مثلاً کتاب المناظر، الجبر والمقابلہ ، نزھۃ المشتاق فی اختراق الافاق، کتاب الحیوان، کتاب الکیمیاء اور صورۃ الارض وغیرہ ان کے اردو تراجم تک رسائی نہ ہوسکی۔

الغرض بیسویں صدی میں تمام علوم کی عالمی پیمانے پر غیر معمولی ترقی ہوئی تھی اور ترجمہ نے اس میں اہم رول ادا کیا تھا اس لیے ماقبل کی تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ ترجمے نے عالمی سطح پر علوم وفنون اور تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت میں بنیادی کردار انجام دیا ہے، قدیم زبانوں میں پوشیدہ فلسفہ و حکمت اور

سائنس کے خزانے بھی ترجمے کے ذریعہ آنے والی نسلوں تک پہنچے، یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ اردو زبان وادب کی ترقی میں ترجموں کا بہت بڑا ہاتھ ہے، اوپر جن علوم وفنون کی کتابوں کے اردو ترجمے کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے بہت سے اظہارات و محاورات، الفاظ واصطلاحات عربی وفارسی سے معمولی تبدیلی کے ساتھ اخذ کردہ ہیں یا ترجمہ شدہ ہیں، ان ترجموں سے بالخصوص بیسویں صدی کے تراجم سے یقینا اردو کو جدید زبان بنانے میں مدد ملی اور ترقی کی راہ ہموار ہوئی ہے نیز زبان اردو میں وسعت پیدا ہوئی۔ان ترجموں نے اردوداں طبقہ کو عرب کی تہذیب وتمدن سے آگاہ کیا ہے، عربوں کی ہمہ جہت علمی وفنی خدمات سے برصغیر ہندوپاک کے علماء ومحققین اور دانشوروں کو روشناس کرایا ہے،اس لیے بجا طور پر بلکہ فخریہ یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی کے اردو تراجم ایک گراں قدر، نہایت قیمتی یادگار اور لائق تقلید کارنامہ ہے، یقینا عالمی اور علمی دنیا میں یہ کارہائے نمایاں جلی اور سنہرے حروف سے تاریخ میں درج ہوں گے۔

اس کے ساتھ یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ ترجمے کے میدان میں ابھی بہت کام تشنہ بھی ہیں،اس لیے ترجمے کے ان نمونوں کو بنیاد بنا کر مزید کام کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ابھی بھی سائنس، جغرافیہ، سماجی علوم، سیاسی علوم، تعلیم وتربیت، فقہ وفتاوی اور تراجم کا جامع انسائیکلوپیڈیا جیسے بہت سے عنوان ہیں جن میں عربی سے اردو ترجمہ کا کام برائے نام یا عنقا ہے،اس لیے انفرادی یا اجتماعی اور ادارتی اسٹیج سے اس کام کو انجام دینے کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں؛لہذا اس طرف مزید توجہ کی جائے تاکہ نسل نو ہر طرح کے علوم وفنون سے باخبر ہو اور قوم وملت اور ملک وعالم کی ترقی میں حصہ دار بن سکے۔اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو اردو تراجم دستیاب ہیں لیکن جدید طرز تالیف سے خالی ہیں انہیں جدید کتابت اور نئے انداز تالیف کے ذریعہ نئے علمی زیور سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے اور نسل نو کو ان سے استفادہ کے لیے راغب کرنا بھی وقت کا بہت بڑا اور بنیادی تقاضا ہے کیفی اعظمی کے ایک شعر پر بات ختم کرتا ہوں:

سب اٹھو، میں بھی اٹھوں تم بھی اٹھو، تم بھی اٹھو
کوئی کھڑکی اسی دیوار میں کھل جائے گی

حوالہ جات:

1. محمد ارشاد ندوی نوگانوی ڈاکٹر، آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب، ص:476، ڈاکٹر، ایچ۔ایس آفسیٹ پریس ، دہلی، اشاعت اول: 2009ء
2. ابو ظفر ندوی سید، مختصر تاریخ ہند، ص: 26، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ،یوپی ، سن اشاعت: 2009ء
3. مضمون نگار حبیب صالح، عرب وہند کے تعلقات، الفاروق، جمادی الثانیہ 1433ھ، آن لائن
4. سلیمان ندوی سید مولانا ، عرب وہند کے تعلقات ، ص:9، دارالمصنفین ،اعظم گڑھ ، یوپی ، سن اشاعت :2010ء
5. شفیع شیخ، عربی زبان وادب کا اردو پر اثر ص:18، ناشر: ڈاکٹر شفیع شیخ، صدر شعبہ عربی ممبئی یونیورسٹی، سن اشاعت:2000ء
6. حبیب صالح، مضمون نگار، عرب وہند کے تعلقات، الفاروق، جمادی الثانیہ 1433ھ، ص: آن لائن
7. ابو العرفان ندوی ،اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص:36، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، سن اشاعت : 2009ء
8. مرتب: قمر رئیس ڈاکٹر، مضمون نگار: ڈاکٹر عبدالحق، ترجمہ کا فن اور روایت، ص:248، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2011ء
9. حقانی القاسمی، ہندوستان کا بیت الحکمت، دارالمصنفین اعظم گڈھ، آن لائن (Mazameen .com)
10. مشتاق قادری ڈاکٹر، اردو میں فن ترجمہ نگاری، ص: 236، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، سن اشاعت: 2015ء
11. قمر رئیس ڈاکٹر، مرتب، مضمون نگار: ڈاکٹر امیر عارفی، ترجمہ کا فن اور روایت، ص: 327، 328، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، سن اشاعت: 2011ء
12. محمد جنید ذاکر ڈاکٹر، اصطلاحی مطالعے، ص:104، 105، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سن اشاعت: 2015ء
13. حسن الدین احمد ڈاکٹر، جامعہ عثمانیہ ،ص : 90، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ، سن اشاعت اول : 1988ء

باب سوم

عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت

ہندوستان میں اسلام کے ورود و نزول سے ہی یہ ملک اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہ چکا ہے، جس کے آثار و نشان اس کے کونے کونے میں موجود ہیں ، سر زمین ہندوستان کے علماء، اصحاب فضل و کمال اور علم سے شغف اور دلچسپی رکھنے والے علم دوست امراء و سلاطین کے ہندوستان میں انجام دیئے گئے علمی و تہذیبی کارنامے کسی اسلامی ملک کے کارناموں سے کمتر نہیں ہیں۔ چنانچہ دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء نے اسلامی علوم و دیگر علوم وفنون پر زیادہ تر عربی اس کے بعد فارسی میں کتابیں لکھیں، جبکہ ہندوستان کے علماء نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ان علوم وفنون کی یکساں خدمت کی ہے۔ بلکہ ہندوستان کی دوسری زبانوں جیسے ہندی، سندھی، پنجابی اور بنگلہ وغیرہ میں بھی کثیر مقدار میں اسلامی لٹریچر موجود ہے جس کی مثال کوئی اور اسلامی ملک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

علم وفن کی ہر شاخ، خصوصا دینی و اسلامی علوم میں ملک ہندوستان میں ایسے ایسے جید علماء عظام پیدا ہوئے جن کی علمی عظمت ورتبہ اسلامی اور عرب ملکوں میں بھی مسلم تھی۔ اور انہوں نے اپنی اپنی علمی قابلیت کا لوہا منوایا تھا۔ جس کی بناء پر ان کی شہرت دور دور تک جا پہونچی تھی۔ ان علماء و فضلاء نے اسلامی علوم کے علاوہ دیگر علوم میں بھی بہت بڑا تصنیفی ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ تنہا اردو میں اتنی کتابیں ہیں، جو عربی اور فارسی کے علاوہ کسی زبان میں نہیں مل سکتیں۔ انہوں نے ان زبانوں میں کتابیں تصنیف کرنے کے ساتھ ساتھ ہر علوم وفنون کی بے شمار کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ دیگر علوم و معارف کے ساتھ کتب تواریخ کی ضخیم کتابوں کے تراجم بھی بکثرت ملتے ہیں۔ ان کتب تواریخ کے اردو ترجموں کی کیوں ضرورت پڑی۔ اور انہوں نے تاریخ کی موٹی موٹی کتابوں کے تراجم کے کام کیوں انجام دیئے اس باب میں اسی ضرورت واہمیت سے بحث کی جائے گی۔ سب سے پہلے ترجمہ کی لفظی و اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے ترجمہ کے اقسام اور ترجمہ کی مختلف ضرورتیں، اور موجودہ دور میں عربی سے اردو تراجم کی ضرورت نیز کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت سے بحث کی جائے گی۔

ترجمہ کی لفظی تعریف و تحقیق

لفظ" ترجمہ "عربی لفظ ہے اور اسم مذکر ہے۔اس کا معنی فرہنگ آصفیہ میں یہ ہے: ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا ہوا، ترجمہ کو انگریزی میں " Translation" کہتے ہیں جو لاطینی زبان سے آیا ہے۔لغت میں اس کے معنی پار لے جانے کے ہیں۔اس لئے کہ ترجمہ دو زبانوں کے درمیان اور دو تہذیبوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔انگلش لغت "جامع اردو انگلش ڈکشنری" کے مرتب نے " Translation " کا معنی،انتقال،بدلی اور تبادلہ وغیرہ بیان کیا ہے۔صاحب فیروز اللغات نے ترجمہ کا معنی ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کی ہوئی عبارت یا گفتگو بیان کیا ہے۔غرض ترجمہ کی لفظی تعریف میں انتقال، معنی کی وضاحت،ایک زبان سے دوسری زبان میں نقول کلام، تفسیر و تعبیر وغیرہ مفہوم داخل ہے۔ڈاکٹر احمد امتیاز اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی لکھتے ہیں:

" فارسی اور اردو میں یہ لفظ(ترجمہ) عربی کے توسط سے آیا ہے،لاطینی زبان کے ادبیات جب عربی زبان میں منتقل ہوئے تو عرب والوں نے لفظ(Translation) کے لیے ترجمہ کا لفظ اختراع کیا،اشتقاق لفظی کے اعتبار سے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ لفظ "ترجم" سے بنا ہے جس کے معنی التباس کرنا یا خلط ملط کرنا، کے ہیں۔بعض علماء کے نزدیک اس کا اشتقاق " ترجم " ہے جس کے معنی مشکوک یا مخلوط کے ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ " رجم " سے ماخوذ ہے اور بعض اسے "ترجم" مشتق قرار دیتے ہیں حالاں کہ " رجم " سے اسے مشتق قرار دینا اس معنی میں درست نہیں ہے کہ اس کے معنی گناہ کبیرہ کے ہیں۔لفظ ترجمہ کا ماخذ جس عربی لفظ سے قریب ہے وہ" رجم " یا "ترجم " ہے جس کے معنی پتھر یا کنکری مارنے کے ہیں، حج کے موقع پر شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے یہ کنکری شیطان کو اس کی لعنت کی وجہ سے ماری جاتی ہے یا شہاب ثاقب کی وجہ سے جو اس پر گرتے ہیں اس لیے شیطان کو "رجیم" اور شہاب ثاقب کو "رجوم "کہا گیا ہے۔

ترجمے کا تعلق اصل تصنیف یا عبارت سے تقریباً وہی ہے جو شہاب ثاقب کا نجوم و کواکب سے ہوتا ہے، جس طرح ایک ہی سیارے سے مختلف وقتوں میں ایک سے زائد شہاب ثاقب نمودار ہوتے رہتے ہیں اسی طرح مختلف ادوار ادب میں ایک ہی کارنامے سے بار بار ترجمے نمودار ہوتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح کوئی بھی

شہاب ثاقب حتمی اور آخری نہیں ہوتا اسی طرح کسی بھی ترجمے کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا غالباً یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کو "رجم" یا "ترجم" سے مشتق قرار دیا گیا ہے"(1)

ترجمہ کی اصطلاحی تعریف

ترجمہ کی بہت ساری تعریفیں کی گئی ہیں اور مختلف لوگوں نے ترجمہ کی اصطلاحی تعریف مختلف طریقے سے بیان کی ہے۔ یہاں چند مشہور تعریفوں کو بیان کیا جارہا ہے:

(1) ایک زبان سے دوسری زبان میں مطلوبہ مواد کی منتقلی کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے چاہے وہ تحریری شکل میں ہو یا تقریری شکل میں ہو۔

اصل بات اس میں یہ ملحوظ رہے کہ ایک زبان کے مواد کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل زبان کے مؤلف اور مصنف کی منشاء کو دوسری زبان میں بروئے کار لانا ضروری ہے، مصنف و مؤلف کی جانب سے برتی گئی تمام باریکیوں کا خیال رکھنا بھی ترجمہ میں مطلوب و مقصود ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلے میں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آنا کہ دونوں جسموں میں ایک ہی روح ہو۔ دراصل ترجمہ میں اصل زبان اور ہدفی زبان دونوں کی تمام تر باریکیوں کا خیال رکھنا ضروری ہے صرف عبارت کا ترجمہ کر دینا کافی نہیں بلکہ اس کی روح کا بھی منتقل ہونا ضروری ہے ایسے تراجم کامیاب ترجمہ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ مرزا حامد بیگ اپنی کتاب " مغرب سے نثری تراجم کا دو صد سالہ سفر اردو ترجمے کی روایت 1786 تا حال" میں لکھتے ہیں:

"کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرتا ہے یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یا ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے"(2)

(2) ترجمہ کی ایک تعریف" ترجمہ کا فن اور روایت" نامی کتاب میں اس طرح کی گئی ہے:

" ترجمہ محض ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں پلٹ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ خیالات اور احساسات کو اس ترتیب کے ساتھ منتقل کرنے کا نام ہے کہ مصنف نے کس جگہ پر زور دیا ہے۔ کہاں پر طنز ہے، کہاں پر محاورہ یا روزمرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ صحیح ہے کہ ترجمے میں اصل کی ساری خوبیاں نہیں پیدا کی جاسکتیں لیکن بہت سی خوبیاں ضرور سموئی جاسکتی ہیں "(3)

ترجمے کی قسمیں

اگرچہ پہلے پہل ترجمے کو محدود اور ثانوی حیثیت سے جانا جاتا تھا؛ لیکن آج ترجمہ باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر چکا ہے اور موضوعات اور نوعیت کے اعتبار سے ترجمہ کی متعدد اقسام وجود میں آچکی ہیں، اب اس فن میں بے شمار نئے میدان متعارف ہوئے ہیں۔ ترجمے کا اطلاق مختلف علوم وفنون کی بہت سی قسموں پر ہوتا ہے۔ جیسے علمی ترجمہ، ادبی ترجمہ، صحافتی ترجمہ، تاریخی ترجمہ، سائنسی ترجمہ، قانونی ترجمہ اور مذہبی ترجمہ وغیرہ۔ درحقیقت یہ مندرجہ بالا شعبے ترجمے کی اقسام نہیں ہیں بلکہ ترجمے کے میدان ہیں اور ان شعبوں کے متون کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اور ترجمے کی تین اقسام یعنی لفظی، بامحاورہ اور آزاد وغیرہ طریقہ کار اور راہوں کو ان مذکورہ بالا مختلف قسم کے علوم وفنون کے متن پر ترجمہ کرتے وقت استعمال کئے جاتے ہیں۔ غلط فہمی کی وجہ سے کبھی ان شعبوں کو ترجمے کی اقسام میں شمار کر دیئے جاتے ہیں۔

الغرض ترجمے کی اقسام کے بارے میں بھی ترجمے کے متعلق لکھنے والے مصنفین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
تھیودساوری کا خیال ہے کہ ترجمے کی درحقیقت دو ہی قسمیں ہوتی ہیں:

1آزاد ترجمہ

2لفظی ترجمہ

انہوں نے ترجمہ کو فقط دو قسموں میں منحصر کیا ہے یعنی ان کے نزدیک "آزاد اور بامحاورہ ترجمہ "ایک ہی ہے۔ یہاں ہم دوسرے مصنفین کی آراء کو بھی بیان کریں گے تاکہ ہم ان کے درمیان پائے جانے والے باریک فرق سے واقف ہو سکیں۔ چنانچہ ترجمے کی اقسام کے بارے میں مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

"جہاں تک ترجمے کی مختلف اقسام کا تعلق ہے۔ان میں حسب ذیل ترجمے بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

1علمی ترجمہ

2ادبی ترجمہ

3صحافتی ترجمہ

اسی طرح ترجمہ کی تین راہیں ہیں:

1لفظی ترجمہ

2آزاد ترجمہ

3معتدل ترجمہ (تخلیقی ترجمہ) اس تیسرے یااعتدال کے ترجمے کو ہم تخلیقی ترجمہ بھی کہہ سکتے ہیں"۔(4)

اس اقتباس کے مطابق لفظی ترجمہ،آزاد ترجمہ اور معتدل ترجمہ کو ترجمے کی راہ اوراس کا طریقہ بتایا گیاہے۔ اور ترجمے کے شعبہ جات یعنی علمی،ادبی اور صحافتی ترجمے کواس کی بنیادی اقسام میں شمار کیا گیاہے۔گویااس میں اہل علم کااختلاف ہے کہ ترجمہ کی اقسام کیاہیں۔اور کس چیز کو ترجمہ کی اقسام میں شمار کیاجائے اور ترجمے کے میدان کیاہیں۔ ترجمے کی اقسام کے بارے میں " اردو میں فن ترجمہ نگاری" کے مصنف لکھتے ہیں:

"دنیائے ادب میں اب تک ترجمے کا جتنا بھی کام ہوا ہے ہم اسے مجموعی اعتبار سے دو بڑے زمروں

میں رکھ سکتے ہیں:

1موضوعاتی

2ہیئتی اور فنی

موضوعاتی زمرے میں ترجمے کی جو اقسام شامل کی جاسکتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

1علمی ترجمہ 2،ادبی ترجمہ،3 صحافتی ترجمہ

اسی طرح ہیئتی زمرے میں حسب ذیل اقسام کو رکھ سکتے ہیں:

1لفظی ترجمہ،2آزاد ترجمہ،3تخلیقی ترجمہ (یعنی منظوم یا منثور)

ترجموں کی یہ گروہ بندی حتمی ہر گز نہیں ہے ۔کوئی اور تحریر سامنے آنے پر صورت حال میں تبدیلی ہوسکتی ہے یا زمروں کی ترتیب بدل سکتی ہے کیونکہ علم و آرٹ کی دنیا میں کوئی فیصلہ آخری نہیں ہوتا۔ زندگی کی طرح نئے امکانات کی گنجائش وہاں بھی ہمیشہ باقی رہتی ہے ۔اس لیے مندرجہ بالا تقسیم کو محض ایک پڑاؤ تصور کرنا چاہئے منزل نہیں"۔(5)

ترجموں کی قسموں کی تفصیل:

علمی ترجمہ: اس سے مراد مختلف فنی اور تکنیکی علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرنا جن میں ان علوم کے متعلقہ مباحث اور ان علوم کی معلومات پائی جاتی ہیں مثلا ریاضی، طبیعات، حیاتیات، تاریخ، جغرافیہ، طب و ہندسہ اور اس طرح کے بے شمار دیگر علوم کی کتابوں کا ترجمہ۔ علمی ترجمہ ایک نازک عمل ہے۔

ادبی ترجمہ: اس سے مراد ادبی شہ پاروں مثلا ناول، افسانہ، ڈرامہ، مضامین اور ان سب سے بڑھ کر اشعار و قصائد اور دیگر اصناف سخن کا ترجمہ کرنا ہے، ادبی تراجم ان کتابوں یا ادب پاروں کے ہوتے ہیں جن کے لکھنے والے زبان و ادب کے فنکار مانے جاتے ہیں، ادبی ترجمہ نگاری ایک مشکل ترین قسم ہے۔ ادبی ترجمہ کو اپنی ساخت کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (1) نثر (2) نظم

قانونی ترجمہ: اس سے مراد کسی بھی زبان میں پائی جانے والی قانونی دستاویزات، وثیقہ جات، عدالتی احکام، قانونی معاہدات، حلف نامے اور عدالتی کارروائیوں کا ترجمہ ہے۔اہل فن کے مطابق ترجمہ کی تمام اقسام میں یہ قسم سب سے زیادہ نازک اور مشکل سمجھی جاتی ہے اور یہ وسیع تجربہ چاہتی ہے۔

مذہبی ترجمہ: اس سے مراد مذہبی کتابوں یا دینی عقائد و تعلیمات اور مذہبی عبارتوں کا ترجمہ ہے، مذہبی ترجمہ نگاری میں لسانی مہارت کے ساتھ ساتھ اس مذہب اور مذہبی کتابوں پر عبور اور اس مذہب کے دیگر تشریعی مصدر پر گہری نظر ہونا ضروری ہے۔

ترجمے کا اسلوب: اسلوب کے لحاظ سے ترجمے کی درج ذیل قسمیں ہیں:

لفظی ترجمہ: کسی عبارت یا تحریر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ لفظی ترجمہ کہلاتا ہے، اس عمل میں خود سے کوئی کمی بیشی نہیں کی جاتی، مذہبی، فنی یا سائنسی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہی مناسب ہوتا ہے۔

بامحاورہ ترجمہ: ایسا ترجمہ جو مصنف کی تحریر کے مفہوم کو رواں، عام فہم انداز میں بلا تکلف روزمرہ کی زبان میں بیان کرے اسے بامحاورہ ترجمہ کہا جاتا ہے، اس ترجمہ میں مترجم کی طرف سے حذف واضافہ کا عمل بھی ہوتا ہے، اسے آزاد ترجمہ بھی کہا جاتا ہے۔

صحافتی ترجمہ: اس قسم کا ترجمہ زیادہ تر ایک زبان میں بیان کردہ مفہوم کو صحافتی مقصد کے تحت دوسری زبان میں ڈھالنے کا عمل ہے، یعنی محض مفہوم کو اپنے الفاظ اور جملوں میں ادا کرنے کا نام صحافتی ترجمہ جو اخبارات ورسائل میں چھاپنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

ترجمہ کی انواع واقسام کی مذکورہ بالا تفصیل www. Manuu.ac.in سائٹ پر موجود ایک تحریر بنام: ترجمہ کی انواع واقسام" سے حذف و تبدیل کے ساتھ ماخوذ ہے۔

اردو میں ترجمے کا آغاز وارتقاء

اردو میں ترجمے کے آغاز وارتقاء کے متعلق کئی نظریے پائے جاتے ہیں۔ایک نظریہ یہ ہے کہ جب سے اردو زبان بنی ہے اسی وقت سے ہی ترجمہ کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ ترجمے اردو زبان کے ارتقائی مراحل ومنازل کے دوران فروغ پاتے رہے۔اور ترجمہ کی وجہ سے اردو زبان لفظی وسعت اور ترقی کی سمت گامزن ہوتی رہی اور اردو کو ایک ترقی یافتہ زبان بنانے، قومی سطح پر مقبولیت بخشنے اور ملکی زبانوں میں امتیازی درجہ دلانے میں جہاں دوسرے عوامل کا عمل دخل رہا وہاں مختلف زبانوں سے مختلف علوم وفنون کے تراجم نے اس میں مؤثر رول ادا کیا ہے، ایسے ہی تراجم نے نوخیز اردو زبان کے لیے ترقیات کے نئے دروازے کھول دیے اور ان کے وسیلے سے تازہ افکار و نظریات اور سائنسی و تحقیقی طرز فکر کے جو خوشگوار جھونکے آئے، ان سے اردو زبان میں توانائی اور تازگی کی لہر دوڑ گئی، واقعہ یہ ہے کہ ضرورت

ایجاد کی ماں ہوتی ہے اس لیے ترجمہ کی ضرورت بھی مختلف وجوہات کی بناء پر پڑتی رہی؛ چنانچہ ترجمہ کی ضرورت اس کی ایجاد کا اصل اور بنیادی محرک ہے کبھی یہ ضرورت مذہبی رہی یا علمی، کہیں یہ ضرورت تجارتی رہی یا سیاسی اور کبھی سماجی اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کو ایک باقاعدہ زبان بننے میں ترجمہ کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

"اردو تو ایک باقاعدہ زبان بنی ہی ترجموں کی بدولت ورنہ جب تک وہ کھڑی بولی کے روپ میں تھی اسے کسی بڑے قلمکار نے ادبی تصنیف کے قابل نہ سمجھا۔ بولی سے زبان تک کا طویل فاصلہ ایک صدی کے اندر طے کر لینے میں ترجموں کا بڑا ہاتھ ہے۔ کہیں یہ ترجمے کتابی صورت میں ہوئے اور کہیں محض خیال، استعارے اور اصطلاحوں کی صورت میں۔ تاریخ دہرانے کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال یہ مسلمہ ہے کہ عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کے علاوہ بھاشاؤں کے ترجمے اور ترجمانی کو اردو زبان کی تعمیر اور تربیت میں بڑا دخل ہے"۔(6)

عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے میں دقتیں اور مسائل

تمام مترجمین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا مشکل کام ہے کیونکہ دونوں زبانوں کے محاورے، استعمالات، ساخت، ترکیب، اسلوب اور طرز ادا الگ الگ ہوتے ہیں نیز زبانوں کی وسعت و تنگی بھی دشواری پیدا کرتی ہے۔ عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں انہیں ذیل کی سطروں میں بیان کیا جا رہا ہے۔

1۔ عربی زبان کے مقابلہ میں اردو زبان کی وسعت، الفاظ و معانی، مترادفات اور متنوع اظہار بیان میں کمتری و کمی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت اس دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً عربی میں پتھر کے 70 نام، سانپ کے 200 نام اور تلوار کے ہزاروں نام ہیں لیکن اردو میں سب کے لیے ایک ہی لفظ ہے، علاوہ ازیں عربی میں رونے، چلنے کے لیے الگ الگ جانوروں کے لیے الگ الفاظ ہیں لیکن اردو زبان اس سے خالی ہے چنانچہ بوقت ضرورت بعض دفعہ مترجم کو اس حوالے سے دشواری پیش آتی ہے اس کی مزید تفصیل یہ بھی ہے کہ عربی زبان کے مقابلہ میں اردو زبان نو عمر ہے چنانچہ عربی زبان ایک ترقی یافتہ زبان ہے جبکہ اردو ابھی ترقی پذیر ہے۔ عربی زبان کی وسعت اردو میں موجود

نہیں ہے جیسے عربی میں شراب کے لئے سو الفاظ موجود ہیں جبکہ اردو میں ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں سانپ کے لئے "جان، حیت اور ثعبان کے الفاظ آئے ہیں جبکہ اردو میں ہم صرف سانپ سے کام چلاتے ہیں۔ یہ بھی عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں ایک بہت بڑی دقت ہے۔ پروفیسر سعود عالم قاسمی صاحب اپنی کتاب" منہاج ترجمہ وتفسیر" میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عربی زبان میں ایک ہی لغت کے لئے ایسی خصوصیات ملحوظ ہوتی ہیں جن کا فارسی (اردو بھی اسی خانہ میں ہے) میں فقدان ہے۔ چنانچہ حیوانات کی آواز کے لئے عربی میں الگ الگ نام ہیں مثلا اونٹ کی آواز کے لئے رعاء الابل، گائے کی آواز کے لئے خوار البقر، گھوڑے کی ہنہنانے کے لئے صھال الفرس، سانڈ کی آواز کے لئے ثواج التیس، بکری کی آواز کے لئے یعار المعز، گدھے کی آواز کے لئے نھق الحمار، کتے کے بھوکنے لئے نباح الکلب، کبوتر کے غٹر غوں کے لئے ھدیر الحمام وغیرہ۔ اردو میں ان آوازوں کے لئے الگ الگ نام مقرر نہیں ہیں اس لئے ترجمہ میں عربی زبان کی خصوصیات اور امتیازی اوصاف کو کما حقہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ عربی میں خوف، اور انذار مختلف حالتوں کے لئے مستعمل ہیں جبکہ ان تینوں الفاظ کا اردو میں متبادل ڈر ہے"(7)

2۔ عربی کے بعض الفاظ واصطلاحات کا بعینہ اردو میں استعمال ہونا کیوں کہ دونوں زبانوں میں معنی بالکل متضاد ہوتے ہیں۔ جیسے رطب ویابس ایک عربی اصطلاح ہے جس کو اچھائی اور خوبی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ اردو میں یہی اصطلاح اسلئے استعمال کی جاتی ہے کہ اس سے کسی چیز کی تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ جیسے کسی کتاب کی کمی و خرابی کو بیان کرنا ہو تو ہم اس طرح تبصرہ کرتے ہیں کہ فلاں کتاب رطب ویابس سے پر ہے۔ اور بعض دفعہ عربی اور اردو میں بہت زیادہ فرق ہو جاتا ہے جیسے نقل و حرکت، دونوں عربی الفاظ ہیں اور دونوں کے معانی الگ الگ ہیں لیکن یہی تعبیر جب اردو میں استعمال ہوتی ہے تو معنی بالکل الگ ہوتے ہیں۔

3۔ عربی زبان میں کچھ الفاظ ایسے پائے جاتے ہیں جو مختلف اور متضاد معنوں میں مستعمل ہیں۔ جیسے "قروء" یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی حیض کے بھی ہیں اور حیض سے پاک ہونے یعنی طہر کے لیے بھی مستعمل ہے۔ ایسے وقت میں مترجم دونوں متضاد معنوں میں سے کونسا معنی مراد لے اس کو دقت پیش آتی ہے۔ اسی طرح شراء کا لفظ بھی ہے جو ذو معنی ہے اور دونوں متضاد ہیں یعنی بیچنا اور خریدنا۔ ایسے بے شمار الفاظ عربی میں پائے جاتے ہیں جو

اردو ترجمہ نگاری میں پریشانی کا موجب ہیں۔اس لیے اگر مترجم اردو اور عربی دونوں زبانوں پر مہارت نہ رکھتا ہو تو اسے دقت پیش آسکتی ہے

4۔ عربی زبان میں الفاظ کے ساتھ اصطلاحات کی بھی کثرت پائی جاتی ہے جبکہ اردو میں اصطلاحات سازی کا کام ابھی جاری ہے۔ بہت سی عربی اصطلاحات کا اردو میں متبادل اصطلاحات کے فقدان کی وجہ سے مجبوراً عربی کی ہی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں اس لیے یہ بھی عربی سے اردو زبان میں ترجمہ میں پیش آنے والی ایک دقت ہے۔ سیف الرحمن الفلاح لکھتے ہیں:

"گو ترجمہ کا کام ایک مستقل تصنیف کی نسبت آسان اور سہل دکھائی دیتا ہے تاہم اس کی مشکلات سے وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو اس راستہ میں صحرا نوردی کرتے ہیں۔ایک زبان کا مفہوم بعینہ دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک بہت بڑا فن ہے،اس کے لئے دونوں زبانوں کی لغات، محاورات اور گرائمر پر مہارت تامہ کا ہونا ضروری ہے،مزید برآں ہر روایت کو نقد و نظر کی کسوٹی سے پر کھنا بھی ضروری ہوتا ہے پھر بسا اوقات کاتب کی سہو سے عبارت کا مفہوم بدل جاتا ہے اس کی اصلاح کے لئے دیگر کتب کی ورق گردانی اور حوالہ تلاش کرنے میں گھنٹے ضائع ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔اس لئے حتی المقدور کوشش یہی رہی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اگر کوئی عبارت مشکوک نظر آئی۔ یا ذہن اس سے مطمئن نہیں ہوا تو اس کے مرجع سے تلاش کر کے اپنے شک و شبہ کو دور کیا ہے"(8)

5 ۔ عربی زبان کے مترجم کے لئے علمی اصطلاحات، علمی مباحث اور پھر عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور نفاست دونوں کو اردو ترجمہ میں قائم رکھنا مشکل کام ہے۔ فصاحت و بلاغت کو ترجمہ میں برقرار رکھنے کو بھی ترجمہ میں دقت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ دقت ایسی ہے کہ اس پر قابو پانا بہت مشکل ہے کیوں کہ فصاحت و بلاغت کا تعلق زبان اور اہل زبان سے ہے جو جسم میں موجود ایک روح کی طرح ہے اور روح کی ترجمانی اور روح کو دوسری زبان میں منتقل کرنا تقریباً ناممکن ہے تاہم مترجم اگر دونوں زبان پر عبور رکھتا ہے تو اس پر ایک حد تک قابو پا لیتا ہے۔

6 عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں سب سے مشکل اور دقت طلب کام قرآن پاک کا ترجمہ کرنا ہے کیونکہ دیگر علمی و ادبی کتابوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا ترجمہ انتہائی نازک اور مشکل ترین کام ہے۔ اس میں صرف دو زبانوں کی

مہارت ہی ضروری نہیں ہوتی بلکہ احتیاط تقوی و طہارت اور خشیت بھی مطلوب ہوتی ہے۔اس بات کو واضح کرتے ہوئے پروفیسر سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

"ترجمہ قرآن میں بہت سی ایسی نزاکتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کا خیال عموماعام کتابوں میں نہیں رکھا جاتا،اگر قرآن کا مترجم عربی و اردو زبان پر ماہرانہ قدرت رکھنے کے ساتھ ترجمہ کی دشواریوں اور نزاکتوں سے واقف نہ ہو اور اپنی فکر، سوچ، ذوق، رائے اور رجحان کو دبا کر قرآن کے الفاظ و معانی میں مدغم نہ ہو جائے تو ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ قرآن کے مترجم کو بہر صورت اپنی ذات اور فکر کو بھلا دینا پڑتا ہے"(9)

یہاں ایک اور اقتباس درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ڈاکٹر احمد امتیاز لکھتے ہیں:

"گو کہ ترجمہ کی تعریف مختلف انداز سے کی گئی ہے؛لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ ترجمہ نگاری کا عمل ایک مشکل اور پیچیدہ عمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں مترجم اپنے آپ کو مصنف اور متن کے درمیان سے ہٹا لیتا ہے یعنی مصنف ماضی کی آواز کو اپنے عہد میں شامل کر لیتا ہے مگر خود کو درمیان میں نہیں لاتا۔ ترجمہ نگاری کے فن کے حوالے سے یہ بھی خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس طرح اداکار، گلوکار یا موسیقار لکھے ہوئے جملوں کو آواز یا اشارہ فراہم کرتا ہے اسی طرح مترجم بھی لکھے ہوئے مضمون یا متن کو ایک نیا لباس پہناتا ہے اور اسکی صورت کو بدل کر اس میں ایک نئی روح ڈالتا ہے۔اصل متن کی داخلی ساخت، آہنگ و اسالیب کو برقرار رکھتے ہوئے اسے دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت مشکل کام ہے؛اس لیے ترجمہ کے فن کو ایک پیچیدہ اور پر اسرار فن بھی قرار دیا گیا ہے"(10)

7۔دوران ترجمہ اصل کتاب کی مراجعت: دوران ترجمہ بعض دفعہ اصل کتاب کی کوئی عبارت مترجم کی سمجھ مین نہیں یا وہ عبارت کاتب نے غلط لکھ دی یا وہ بیاض ہے تو مترجم بہت پریشان ہوتا ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے مضمون بے ربط ہو سکتا ہے ، ذہین اور قابل مترجم ہی اس دشوار گھاٹی سے صحیح سلامت نکل سکتا ہے ورنہ کم مایہ مترجم حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ مولا خلیل الرحمن لکھتے ہیں:

" مجھے ترجمہ کے دوران میں بارہا اس ترجمہ کا اصلی کتاب سے مقابلہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور مجھے اپنی کم مائگی کے اعتراف کے باوجود افسوس سے اظہار کرنا پڑتا ہے کہ میں اسے اکثر مواقع میں غلط پایا۔۔۔۔۔۔"(11)

8۔تاریخ ایک خشک موضوع ہے اگر کسی عربی تاریخ کی کتاب کا اردو ترجمہ کیا جائے تو محض عربی زبان سے واقفیت کافی نہیں ہے بلکہ تاریخ کی جانکاری بھی بہت ضروری ہے ورنہ دوران ترجمہ عربی کے اشارہ و کنایہ کو اردو میں منتقل کرنا دشوار ہوتا ہے اور بعض دفعہ مؤرخ کی غلطی کی اصلاح نہیں ہو پاتی، دارالترجمہ عثمانیہ میں مترجمین کی جو جماعت تھی اور انہوں نے تاریخی کتابوں کے جو ترجمے کیے ہیں وہاں اس امر کو خوب محسوس کیا جا سکتا ہے۔

9۔ تقدیم و تاخیر اور حذف و اضافہ میں اگر مہارت نہ ہو تو مترجم کا ترجمہ ناقص اور غیر مفید ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اگر ترجمہ میں بعینہ عربی جملوں کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے تو اردو کی چاشنی ختم ہو جاتی ہے اس لیے مترجم کو حذف و اضافہ اور تقدیم و تاخیر پر بھی توجہ دینی پڑتی ہے تاکہ اہل زبان کا ذوق قائم اور برقرار رہے۔

10۔اصل کتاب کے متعدد نسخے بھی بعض دفعہ مترجم کے لیے دشواریاں پیدا کرتے ہیں، قدیم زمانہ میں ایک ہی کتاب کے متعدد نسخوں میں بعض دفعہ کافی فرق ہوتا تھا اگر مترجم ان تمام نسخوں سے باخبر نہ ہو تو ترجمہ کامل اور اصل کتاب کا عکس جمیل نہیں بن پاتا، اسی طرح بعض دفعہ اصل عبارت میں تصرف بھی کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے اگر مترجم اس تصرف پر قادر نہ ہو تو ترجمہ خشک اور اہل ذوق کے لیے دردسر کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ آپ باب پنجم میں محسوس کریں گے۔

11۔اردو زبان سے مکمل واقفیت کا نہ ہونا بھی بہت بڑی دقت ہے مثلاً ہر زبان میں فعل کے متعلقات اور صلات مختلف ہوتے ہیں ترجمے کے وقت افعال کے ایسے متعلقات و صلات کو اگر صحیح طور پر نہ سمجھا جائے تو ترجمہ کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔

ترجمے کے مختلف شعبہ جات اوران میں اطلاق کردہ ترجمے کی طریقے

ترجمے کے مختلف میدان ہیں۔اور تمام جگہوں اور شعبوں میں ترجمے کی ضرورت پڑتی ہے۔اگراجمالی طور پراس کاذکر کیاجائے تو یہ تین شعبوں میں سمٹ سکتاہے اور اگراس کو پھیلاکر ذکر کیاجائے تو بہت سارے شعبے نکل سکتے ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ ترجمہ کے مختلف شعبہ جات کا جائزہ پیش کیاجاتاہے بنیادی طور پراس کے تین شعبے ہیں:

1علمی ترجمے

2ادبی ترجمے

3صحافتی ترجمے

علمی ترجمے کے ذیل میں علوم وفنون سے متعلق سارے ترجمے آجاتے ہیں جیسے سائنسی کتابوں کے ترجمے، قانون کے ترجمے، کتب تواریخ کے ترجمے، طبّی کتابوں کے ترجمے، نیز مختلف اقسام کی دستاویزات کے ترجمے وغیرہ۔ ان مذکورہ بالاعلوم کے ترجمے میں ترجمہ کی پہلی قسم یاطریقہ یعنی لفظی ترجمہ بروئے کارلایاجاتاہے۔اس میں اس بات کاخیال رکھاجاناضروری ہوتاہے کہ مترجم اصل متن سے ذرا بھی انحراف نہ کرے،وہ متن کاپابند اور وفادار ہوتاہے، دیانتداری برتنے کے باوجود اسے ترجمے کی افادیت کاخیال رکھناپڑتاہے۔اس طرح کے تراجم کابنیادی مقصد معلومات کی ترسیل ہوتاہے جس میں عبارت ومفہوم اور مطالب کے گہرے احساسات وشعور کو بہت زیادہ ترجیح نہ دیتے ہوئے لفظ بہ لفظ ترجمہ کردیاجاتاہے تاکہ مفہوم اداہوجائے۔ لیکن اس میں اس بات کالحاظ رکھناضروری ہوتاہے کہ ترجمے کی زبان صاف وشفاف ہو،ابہام وپیچیدگی سے عاری ہو اور ایسے الفاظ کااستعمال کیاجائے کہ وہ قاری کی ذہنی پہنچ سے قریب تر ہو نیز اس بات کا بھی خیال رکھاجاتاہے کہ کسی لفظ یااصطلاح کاترجمہ ایک جگہ جس معنی میں کیاجائے تمام جگہوں میں ان ہی معنوں میں استعمال کیاجائے تاکہ قاری کاذہن انتشار سے محفوظ رہے اور ترجمہ میں یکسانیت پائی

جائے۔ علمی تراجم کے انجام دہی میں سب سے بڑی دقت اصطلاحات کے مترادف ڈھونڈنے میں پیش آتی ہے۔اس سلسلے میں مرزا حامد بیگ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علمی تراجم میں اہم مسئلہ علمی اصطلاحات کے مترادف ڈھونڈنے کا ہوتا ہے۔ علمی اصطلاحات وضع کرتے وقت اس امر کا بالخصوص خیال رکھا جانا چاہئے کہ اصطلاحیں مسلم اصول کے عین مطابق ہوں، نیز لاطینی، یونانی اور دوسرے سابقوں اور لاحقوں کے ترجے / مترادفات میں یکسانیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، جہاں تک علمی اور فنی تراجم کا تعلق ہے ضروری ہے کہ متعلقہ مضمون (علم و فن) کا ماہر ہی یہ کام انجام دے۔ اس کا سب سے بڑا سبب اور ضرورت یہ ہے کہ ہر علم و فن میں اصطلاح کے مضمون سے متعلق اپنا مفہوم ہوتا ہے جو دوسرے علوم میں نہیں ہوتا۔ مثلاً ثقافت کا لفظ عمرانیات میں کچھ اور معنی دیتا ہے اور فنون میں اس کا کچھ اور مفہوم متعین ہے جب کہ لغت میں اس کے متعدد معنی درج ہیں۔ علمی سطح پر اس کی ایک بہتر مثال مولانا ظفر علی خان کا ترجمہ "معرکہ مذہب و سائنس ہے"۔(12)

مندرجہ بالا اقتباس سے اس بات کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی اصطلاح کے لئے جو متبادل استعمال کیا جائے ہر جگہ اسی متبادل اور مترادف کا استعمال کرنا بہت ضروری ہے تاکہ یکسانیت باقی رہے اور مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہو اور قاری کسی ذہنی الجھن کا شکار نہ ہو۔

ادبی ترجمے: جیسا کہ سرخی سے ظاہر ہے کہ اس میں وہ تمام تراجم شامل ہوں گے جو کسی ادبی شہ پارے سے متعلق ہوں۔ کسی بھی ادبی کتب کے تراجم کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ترجمے کے اقسام میں سے بامحاورہ ترجمہ کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ اس نوع کے ترجمے کا بنیادی مقصد ترجمے کے تقاضوں، اصول و ضوابط مضمون کی گہرائی اور اسلوب کی صفائی کا خاص خیال رکھ کر مضمون کی تہہ تک پہونچنے کی بھرپور کوشش ہو۔ اور متن کے مرکزی خیال کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ مصنف کے خیالات کسی طرح مجروح نہ ہونے پائے۔ تاکہ ترجمہ میں ادبی چاشنی کا وجود باقی رہے۔ اور ترجمہ تخلیقی نوعیت اختیار کرلے۔ جس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ترجمہ کے اندر اس زبان کے رموز و علامات، ضرب الامثال، روزمرہ، استعارات و کنایات کا استعمال کیا جائے۔ اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے "فن ترجمہ نگاری" کے مرتب خلیق انجم صاحب اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس نوع کے ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کیا جائے اور اپنی زبان کے روزمرہ تشبیہات، ضرب الامثال، استعارات وکنایات اور رموز وعلامات سے کام لیا جائے تاکہ ترجمے میں ادبی رنگ آجائے اور ترجمہ طبع زاد سے کم تر دکھائی نہ دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سو بات کی ایک بات کہ ادبی ترجمے کے لئے ادبیت کا حامل ہونا ضروری ہے"(13)

چونکہ ادبی ترجمے میں مذکورہ بالا چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے مضمون کا حق ادا کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے یہ ایک کامیاب ترجمہ کہلاتا ہے۔

صحافتی ترجمہ: اس قسم کے تراجم میں آزاد ترجمہ کی راہ اپنائی جاتی ہے۔ آزاد ترجمہ کو کھلا ترجمہ بھی کہا جاتا ہے جس میں صرف مفہوم کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ترجمے کی اقسام میں سے اس قسم کو سب سے آسان تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ بہ لفظ یا جملہ بہ جملہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ مترجم کسی اقتباس کو پڑھ کر اپنی زبان میں اس کے مفہوم کو ادا کر دیتا ہے۔ اس میں نہ تو لفظوں کے متبادل ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی اقتباس کی طوالت اور پیچیدگی ترجمہ نگار کے لئے پریشانی کا باعث بنتی ہے، کیونکہ مترجم اس کے مجموعی مفہوم کو سمجھ کر چھوٹے چھوٹے جملوں میں پیش کر سکتا ہے۔ جس سے نہ صرف ترجمہ نگار کے لئے آسانی ہوتی ہے بلکہ قارئین بھی آسان اور سیدھے سادے ترجمے سے محظوظ ہوتے ہیں اور ترجمہ کا مقصد یعنی مفہوم کی ادائیگی بھی پوری ہو جاتی ہے۔ صحافتی تحریروں کا مقصد جہاں ایک طرف صرف عوام کو آگاہ کرنا ہوتا ہے تو دوسری طرف عوام کے حالات اور احساسات سے حکومت وقت کو باخبر کرنا بھی اس کے مقصد میں شامل ہوتا ہے اس لئے اس میں آسان سے آسان زبان وبیان کو استعمال کرنا صحافت کی خوبی اور ضرورت ہے۔ اسی بات کو واضح کرنے کے لئے ترجمہ کے فن پر لکھنے والے بیشتر اردو مصنفین و مرتبین نے "مولانا عبدالمجید سالک کے قول کو نقل کیا ہے، ہم بھی اسے نقل کیے دیتے ہیں:

" اخباری ترجمے میں سب سے مقدم مصلحت یہ ہے کہ مطلب بالکل واضح اور عبارت قطعی طور پر سلیس ہو جائے تاکہ تمام پڑھنے والوں کو کوئی الجھن نہ ہو۔ اس کے لئے اپنی زبان کا محاورہ سب سے بہتر رہنما اور معاون ہے۔ اگر اخباری مترجم سادگی، سلاست اور محاورہ اردو کو مد نظر رکھ کر ترجمہ کریں تو خود بھی آرام سے رہیں اور پڑھنے والوں کے ذہن بھی نہ الجھیں۔ ان کو چاہئے کہ جہاں انگریزی کے فقرے کی ترتیب پیچیدہ اور طویل پائیں وہاں اس کی چیر پھاڑ

کر دیں اور ترجمہ کرنے کے بعد ایک دفعہ پڑھ کر دیکھ لیں کہ آیا اصل مطلب ادا ہو گیا ہے۔ اگر ہر پہلو سے مطلب ادا ہو گیا ہو تو سبحان اللہ ورنہ ادھر ادھر کمی بیشی کر کے اسے پورا کر دیں۔ ڈکشنری مترجم کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور اس سے ہر ممکن مدد لینی چاہئے اور کبھی اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ ہم بڑے انگریزی داں اور بڑے اردو خواں ہیں، کیونکہ ممکن ہے وقت پر کسی لفظ کا صحیح اور موزوں ترجمہ نہ سوجھے اور ڈکشنری دیکھنے سے ایسا نفیس لفظ ہاتھ آجائے جو فقرے میں جان ڈال دے" (14)

ترجمہ کی ضرورت واہمیت

جب سے دنیا ایک گلوبل ویلیج بننے کی طرف گامزن ہے اور ذرائع حمل و نقل میں وسعت و سرعت اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں ربط و تعلق بڑھتا جارہا ہے نت نئی ایجادات، تحقیقات، سائنسی علوم کے دریچے کھل کر سامنے آرہے ہیں اور علمی ترقیات آئے دن وجود پذیر ہو رہی ہیں۔ مختلف اقوام اپنے تجربات، احساسات، اور جذبات کے علاوہ علوم وفنون کو قومی میراث بنانے میں مصروف کار ہیں۔ اور یہ کارہائے نمایاں عالمی سطح پر عالمی زبانوں میں پیش کیے جارہے ہیں اس لیے ان کثیر ایجادات اور تحقیقات سے استفادہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان زبانوں کو سیکھیں اور اس سے استفادہ کریں اور یہ تقریباً محال ہے کیونکہ ایک تنہا فرد کتنی زبانوں کے سیکھنے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے اس زبان کے جاننے والے اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کر دیں اسی طرح دوسری زبان کو جاننے والے بھی اسے اپنی زبان میں ترجمہ کر دیں تو اس طرح سے بے شمار زبانوں کی تحقیقات اور علوم وفنون سے استفادہ ممکن ہے۔ لہذا ترجمہ وہ واحد ذریعہ و آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم اقوام عالم کی تمام تر علمی ترقیوں اور تحقیقات سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے۔ شہباز حسین صاحب لکھتے ہیں:

"ذرائع آمد ورفت میں وسعت اور سرعت آجانے کی وجہ سے دنیا کی مختلف زبانیں بولنے والوں میں ارتباط واختلاط روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ضرورتا ایک دوسرے کی زبان سیکھنی پڑتی ہے اور ملوکیت میں وہ افراد یا طبقے ہمیشہ ممتاز رہے جنھوں نے حاکموں کی زبان سیکھنے میں سبقت کی۔ حاکموں نے بھی محسوس کیا کہ امن واستحکام کے لئے صرف زور بازو ہی کافی نہیں ہے دلوں کو بھی مسخر کرنے کی ضرورت ہے اور اس

کے لئے محکوم قوموں کی زبان اور ثقافت سے بھی آشنائی ضروری ہے۔اجنبیت اور مغایرت کو کم کرنے کے لئے ترجموں کا بڑا ہاتھ رہا ہے"(15)

ترجمے کی نئی قسمیں

دور حاضر میں فن ترجمہ نگاری نے جو غیر معمولی ترقی کی ہے،اس سے اس فن میں مزید نئے میدان متعارف ہوئے ہیں،بحث کی تکمیل کے طور پر ہم کچھ نمونے اور قسمیں ذکر کرنا چاہتے ہیں:

زبانی ترجمہ: زبانی ترجمہ یہ ہے کہ اصل زبان کے الفاظ کو مترجم فی البدیہہ مطلوبہ زبان میں زبانی طور پر منتقل کرتا ہے،ماہرین فن کے مطابق یہ ترجمہ کی مشکل ترین شکل ہے جس میں مترجم کو کوئی وقفہ نہیں ملتا جس میں وہ اپنے ترجمہ کو مرتب کرے یا اس پر غور یا نظر ثانی کر سکے،البتہ اس قسم میں ترجمہ کی باریکی اور اسلوب کی پابندی کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ مترجم تقریر یا تحریر کا خلاصہ پیش کر سکتا ہے۔

مسلسل ترجمہ: ترجمہ کی اس قسم میں دو الگ الگ زبانیں بولنے والے افراد کی دو جماعتوں کے درمیان مترجم کو ترجمہ کے فرائض انجام دینا پڑتا ہے۔ترجمہ کی یہ شکل بین الاقوامی سیمیناروں،کانفرسوں یا علمی مجالس میں ملتی ہے،اس طریقہ کار میں پہلے گروپ کا آدمی تقریر کرتا ہے یا رائے اور تجویز پیش کرتا ہے جسے مترجم دوسرے گروپ کی زبان میں منتقل کرتا ہے اس پر دوسرا گروپ اپنی زبان میں تقریر کا جواب دیتا ہے یا اس رائے و تجویز پر تبصرہ کرتا ہے اس تبصرہ یا جواب کو مترجم پھر پہلی زبان میں منتقل کرتا ہے۔ترجمہ کی یہ قسم غیر معمولی ذمہ دارانہ کردار ادا کرتی ہے اس لیے مترجم کو ہمہ وقت اپنی توجہ مقرر کی طرف مرکوز رکھنا پڑتی ہے۔

متوازی ترجمہ: ترجمہ کی اس قسم میں مقرر تقریر کرتا رہتا ہے اور مترجم متوازی طور پر فوراً حاضرین کی زبان میں اس تقریر کو منتقل کرتا رہتا ہے،ترجمہ کی یہ شکل بین الاقوامی سیمیناروں یا اجتماعات میں پیش آتی ہے جہاں بیرونی مہمانوں کی تقریروں کا مقامی زبان میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔

مسلسل ترجمہ اور متوازی ترجمہ کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلسل ترجمہ میں گفتگو کرنے والا اپنی گفتگو کے دوران وقفہ دیتا ہے تاکہ ترجمہ کر سکے جبکہ متوازی ترجمہ میں ایسا نہیں ہوتا، مسلسل ترجمہ میں مترجم مقرر کے ساتھ

بیٹھا رہتا ہے،اس کے بر خلاف متوازی ترجمہ میں مترجم ساتھ میں نہیں بیٹھتا بلکہ وہ اپنی کیبن میں بیٹھا مقرر کی تقریر ہیڈ فون کی مدد سے سنتا ہے اور مائک کی مدد سے مطلوبہ زبان کے سامعین تک پہنچاتا ہے جسے وہ لوگ بھی ہیڈ فون کی مدد سے سنتے ہیں۔(خلاصہ از: ترجمہ کی انوواع واقسام ص5)

اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ جب کوئی قوم علوم وفنون میں ترقی کا پہلا زینہ عبور کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے علمی زبانوں کے تراجم سے اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتی ہے اور اپنے علمی خزانوں کو معمور کرتی ہے۔علم یا دریافت کسی قوم کی میراث نہیں ہوتی بلکہ پوری نسل انسانی اس سے اخذ واستفادہ کر سکتی ہے اور اس کا اہم وسیلہ وذریعہ ترجمہ قرار پاتا ہے۔اور اس پر فتح یابی کے لئے ترجمہ سے بہتر کوئی کار آمد ہتھیار نظر نہیں آتا ہے۔ترجمہ دراصل جستجوئے علم کی تسکین کا ایک وسیلہ ہے اور اس کے ذریعہ علم کے مختلف چشموں تک انسان کی رسائی ہوتی ہے۔حقیقت ہے کہ علوم و فنون کے ارتقاء میں ترجمہ نے جس قدر مؤثر کارنامہ انجام دیا ہے تاریخ نے اسے سنہرے حروف میں محفوظ کر رکھا ہے۔

ترجمہ انسان کی بنیادی ضرورت اور مجبوری ہے۔رومیوں نے یونانی علوم وفنون سے استفادہ کرنے کی طرف توجہ کی تو انہیں ترجمہ سے ہی مدد لینی پڑی۔مامون الرشید کے زمانے میں جب عرب قوم نے یونانی علوم وافکار کی طرف نظر دوڑائی تو اس کے حصول کے لئے بھی انہیں ترجمہ کا سہارا لینا پڑا۔نیز مغربی اقوام کا عربوں کے سرمایہ علم سے استفادہ بھی ترجمے ہی کا مرہون منت ہے۔ترجمہ نہ صرف علمی ترقیات کے لئے ہی ضروری ہے بلکہ مختلف تہذیبوں کے درمیان جغرافیائی،سیاسی،اور تمدنی ثقافت کو قریب کرنے،اس سے آشنا ہونے اور آپسی رابطے کے لئے بھی ترجمہ ضروری ہے،کیونکہ تہذیبیں ایک عرصے کے بعد اپنے سرچشموں کو خشک کر دیتی ہیں اور اپنے آپ میں سے پھر کوئی نئی شیٔ پیدا نہیں کر سکتیں۔اس طرح وہ ذہنی علاحدگی اور ایک طرفہ تہذیبی تعصب کا شکار ہو جاتی ہیں،اس بیماری کو ترجمے کا عمل دور کرتا ہے۔

ہر زمانہ میں ترجمہ کی اہمیت رہی ہے۔خصوصاعہد وسطی میں عربوں اور یوروپی اقوام کی علمی سرگرمیوں کی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح قوموں کے عروج وارتقاء میں علمی ترقیات اہم رول ادا کرتی ہیں اسی

طرح علمی ترقیات کے حصول میں ترجمہ کا بہت ہی اہم کردار ہوتا ہے۔ ترجمہ کے بغیر اس علمی ترقی کی راہ میں پیش رفت نہ صرف مشکل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات ناممکن ہوتی ہے آج بھی اگر کسی قوم کو علمی پستی سے نکل کر ترقی کی راہ میں پیش قدمی کرنی ہے تو اسے سب سے پہلے دنیا کے ترقی یافتہ علوم و فنون کو اپنی زبان میں منتقل کرنا ہوگا۔ اور اس سے استفادہ کرنا ہوگا۔

ترجمہ کی ضرورت کے تناظر میں مشینی ترجمہ: مشینی یا خودکار ترجمہ سے مراد وہ ترجمہ ہے جس میں یہ عمل کمپیوٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے، اس میں ترجمہ کے لیے بنایا گیا کمپیوٹر پروگرام از خود متن کو پڑھتا ہے، اس کا تحلیل و تجزیہ کرتا ہے اور جملوں کی نشست و برخاست دیکھتا ہے اور پھر اس متن کو مطلوبہ زبان میں منتقل کرتا ہے یہ تمام عمل انسانی مدد کے بغیر خودکار طور پر کمپیوٹر کے سافٹ ویر کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

مشینی ترجمہ دور جدید کی ایجاد ہے، دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے سافٹ ویرز موجود ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے ان سوفٹ ویرز سے حقیقی طور پر ترجمہ نہیں ہوتا، اس لیے مشینی ترجمہ ایک طرح ناکام ثابت ہوا ہے لیکن ترجمہ کے لیے ایجاد ہونے والے ان سافٹ ویرز کا وجود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ دنیا بھر میں ترجمے کی اہمیت اجاگر ہو رہی ہے۔

ترجمہ نگاری: مقاصد و اہداف

ترجمہ کا مقصد مختلف قوموں اور زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان معلومات اور افکار کا اس طور پر تبادلہ کرنا ہے کہ زبان کے بولنے والے دوسری زبانوں کے بولنے والوں کی مختلف میدانوں میں پائی جانے والی علمی ترقیوں ،افکار و خیالات اور معلومات کے ذخیروں سے واقف ہو سکیں۔

ترجمے کے ذریعہ نہ صرف اپنے ادب کو دوسرے علوم و فنون سے وسعت دی جاتی ہے بلکہ دوسری قوموں کے تہذیب و تمدن اور ادب سے واقفیت بھی حاصل کی جاتی ہے، اس لیے ترجمہ ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے، اسے

اگرچہ ایک مشکل فن مانا جاتا ہے مگر ترجمے کے بغیر کسی ادب میں نہ دوسرے ادب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ادب میں وسعت پیدا کی جاسکتی ہے۔

ترجمہ علم ہے یا فن: اس سلسلے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں کہ ترجمہ کا تعلق بنیادی طور پر علم سے ہے یا فن وادب سے؟ ترجمہ کا تعلق علم سے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے کچھ اصول و قواعد مدون ہوں، اس میں مختلف نظریات و رجحانات پائے جاتے ہوں اور اسکے کچھ حدود و قیود اور دائرہ کار متعین ہوں۔ فن وادب سے ترجمہ کا تعلق اس معنی میں کہ وہ طبع زاد تخلیق ہو جو اصل مضمون کی دوسری زبان میں نمائندگی کر رہی ہو جس میں مترجم کے ذاتی جذبات و احساسات کا بھی دخل ہو، اس سلسلے کی مختلف آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ: ترجمہ کا تعلق علم سے بھی ہے اور فن سے بھی اور معتدل موقف کی ترجمانی تین زاویوں سے کی جاتی ہے۔

1۔ ترجمہ اپنے مدون اصول وضوابط کے ساتھ علم ہے۔

2۔ ترجمہ مترجم کے ذوق وفکر کی ترجمانی کرتا ہوا فن اور ادب ہے۔

3۔ ترجمہ موجودہ دور کے اعتبار سے ایک علمی پیشہ ہے۔

(خلاصہ از: ترجمہ کی تاریخ ص7 بلاک نمبر1، www. Manuu.ac .in)

عرب وہند کے موجودہ تعلقات کے تناظر میں ترجمہ کی ضرورت واہمیت

اس عنوان کے ذیل میں کچھ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرے تحقیقی موضوع کا کلیدی عنوان تاریخی عربی کتابوں کے اردو تراجم کا جائزہ ہے جو کہ بیسویں صدی پر محیط ہے اس وقت سے اب تک دنیا کے اندر کافی ردوبدل ہو چکی ہے اس لئے ضروری تھا کہ موجودہ زمانہ میں عربی سے اردو تراجم کی صورتحال کا بھی جائزہ لیا جائے۔ دنیا کی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام کی طرح عرب قوم بھی ترقی کی آخری منزل پر پہونچنے کے لئے مسلسل کوشاں ہے۔ کیونکہ وہ ایک زندہ اور فعال قوم ہے جس کی فعالیت ہر دور میں نمایاں رہی ہے اور آج بھی نظر آتی ہے، وہاں کے نظام حکومت میں مختلف اقوام زندگی بسر کر رہی ہیں خاص طور پر ہندوستانیوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ ہندوستان سے ان کے تعلقات مختلف

میدانوں میں استوار ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ایسی صورتحال میں تمام دنیا کو عموماًاور ہم ہندوستانیوں کو خصوصاً وہاں کے حالات کے جاننے کی سخت ضرورت ہے۔کیونکہ ہم دونوں جغرافیائی لحاظ سے بہت قریب ہیں۔بہت ساری باتوں میں ہم ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں ۔ وہاں سے ہم تجارت کرتے ہیں جس سے ہمیں کروڑوں روپے کے فائدے ہوتے ہیں۔وہاں لاکھوں ہندوستانی مزدور سے لے کر اعلی عہدے پر فائز ملازمین ملازمت کرتے ہیں جس سے ہندوستان کی معیشت بہتر ہونے میں مدد ملتی ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں بسنے والے مسلمان پچیس کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ عرب میں ہمارے دین وایمان کا مرکز ہے۔اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم عربوں کی موجودہ مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشی اور ادبی حالات سے بخوبی واقف ہوں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان کے حالات سے کس طرح واقف ہوں تو اس کا جواب ایک ہی ہوگا: ترجمے کے ذریعہ۔ ترجمے ہمیں وہاں کے حالات وواقعات سے واقف کرا سکتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ہم عربی زبان کی تمام اہم کتابوں کے ترجمے اردو، ہندی اور علاقائی زبانوں میں کریں تاکہ ہندوستان کے تمام علاقوں کے لوگ وہاں کے معاشی، معاشرتی اور جغرافیائی حالات وواقعات اور علوم وفنون سے بخوبی باخبر ہوں اور ان سے فائدہ حاصل کریں۔اپنی بات کی شہادت میں ہم ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔

> " بہر حال عرب وہند تعلقات کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ ہم ترجمہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ دیں بلکہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر دارالترجمہ قائم کریں اور اس کے ماتحت مفید سے مفید کتابوں کا عربی سے اردو یا اردو سے عربی میں ترجمہ کر کے کتابیں شائع کریں تاکہ دونوں ممالک کے لوگ ایک دوسرے کی ہمہ جہت ترقی سے واقف ہوں اور فائدہ حاصل کریں۔"(16)

کتب تواریخ کی تراجم کی ضرورت واہمیت

اوپر بیان کی گئی ترجمہ کی ضرورت واہمیت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ کتب تواریخ کے تراجم کی اہمیت وضرورت کتنا مسلم امر ہے چنانچہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کئی وجوہات کی بناء پر ترجمے کئے جاتے ہیں اور ترجمے کے کئی مقاصد ہوتے ہیں جیسے علمی، ادبی، سائنسی، صحافتی اور دیگر علوم وفنون کی ترویج واشاعت وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کتب تواریخ کے تراجم کے ذریعے ہی ہم ایک مخصوص ملک۔ایک جغرافیائی علاقے اور ایک خاص قوم کی تحقیقات اور اس کے علوم وفنون سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

اسلامی تاریخ پر دنیا کی مختلف زبانوں میں وسیع اور قابل قدر لٹریچر موجود ہے۔یہ کتابیں مسلم دنیا کی سیاسی تاریخ پر بھی ہیں اور ان میں مسلمانوں کی علمی پیش رفت اور تہذیب وتمدن کے فروغ میں ان کی خدمات ،کارنامے ، ترقیات اور فتوحات کے واقعات وحالات بیان کئے گئے ہیں۔ خصوصا عربی زبان میں کتب تواریخ سیکڑوں میں موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تاریخ کی کس قدر عربوں میں اہمیت تھی اس لئے ان کے قلم سے تاریخی کتب کے شاہکار وجود میں آئے۔ چنانچہ یہ قول مشہور ہے: فن تاریخ کو مسلمان عربوں نے ہی فن کا درجہ عطا کیا۔اس سے پہلے یونانیوں اور رومیوں کے حالات وواقعات کو افسانے کے طور پر یاد کیا جاتا تھا کیونکہ اگر تاریخ سچائی کے رخ سے نقاب نہیں اٹھاتی تو محض داستان طرازی ہے یعنی حقیقت کو تلاش کرنے کا جذبہ ہی تاریخ اور قصص وحکایات میں فرق پیدا کرتا ہے۔لیکن اسلامی تاریخ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جس طرح فن حدیث کے محدثین نے ہر حدیث کے راویوں میں جرح وتعدیل کا فریضہ انجام دیا ہے۔ٹھیک اسی طرح مسلم مؤرخین نے فن تاریخ کے واقعات میں بھی تاریخی روایات کے سلسلے میں چھان بین سے کام لیا ہے۔اکثر اسلامی تاریخ کی کتابیں عربی زبان میں موجود ہیں۔اور مسلمانوں کا تابناک ماضی اور ان کی فتوحات نیز ان کی اسلامی حکومت وسیاست کے اہم اہم کارنامے اسی زبان میں موجود ہیں جس سے عموما ہم آشنا نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں ان کتابوں کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت حد درجہ بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ تراجم کے ماسوا ان کتابوں سے نسل نو اور غیر عربی داں طبقہ کے لیے استفادہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے بڑے بڑے علماء اور اور عربی داں حضرات نے اس جانب توجہ دی جس کی وجہ سے بیسویں صدی کے اندر سیکڑوں کتب تواریخ کے ترجمے معرض وجود میں آئے اور اردو دنیا کے خزانے میں بے شمار علمی اضافہ ہوا اور اردو زبان کا دامن علمی اور تاریخی کتابوں سے لبریز ہوا۔

علم تاریخ کی بے شمار کتابیں دیگر زبانوں کے ساتھ عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے لئے ان سے استفادہ ممکن نہیں ہے۔ جبکہ تاریخ کی کتابوں میں ہمارے آباء واجداد کے بڑے بڑے اور اہم کارنامے محفوظ ہیں۔اور

ہم عربی زبان سے ناآشنا ہیں تو کیوں کر اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔اس سے استفادہ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ٹرانسلیشن کیا جائے اسی لئے کثیر تعداد میں کتب تواریخ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ان تراجم کے ذریعہ مسلم قوم کے اندر پیدا شدہ فکری محکومیت اور ذہنی مرعوبیت سے نکلنے اور ان کی اصلاح کا ڈھیروں سرمایہ اور سامان موجود ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ بات کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اگر ان تاریخی کتابوں کے تراجم نہ کئے گئے ہوتے تو آج ہم اپنے آباء واجداد کے کارنامے اور کارہائے نمایاں نیز اسلام کی شاندار تاریخ سے کبھی واقفیت حاصل نہ کر پاتے۔ یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی قوم کی سب سے بڑی میراث اس قوم کا شاندار ماضی ہے کیونکہ وہ اپنے شاندار ماضی کی خوبی و خرابی سے حال میں سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتی ہے جو ایک زندہ قوم وملت کا طریقہ کار اور خضر راہ ہوتا ہے۔

اس لیے کتب تواریخ کے تراجم کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ۔دیگر علوم وفنون کے کتابوں کے تراجم کی طرح اس کی بھی ضرورت واہمیت مسلم ہے۔ خصوصا موجودہ زمانے میں ہندوستان کی پوری مسلم قوم افراتفری کے عالم میں بے حد پریشان ہے ۔ان کے سامنے اس کشمکش بھری صورتحال سے نبرد آزما ہونے اور ٹھوس لائحہ عمل تیار کرنے کا کوئی ایکشن پلان نہیں ہے۔اس لئے ان کے اس پریشانی سے نکلنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے کارموں سے واقف ہوں ۔ان چیزوں سے روشنی حاصل کرتے ہوئے کوئی ٹھوس منصوبہ بنا کر ان ساری پریشانیوں کے سدباب کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی ایمانی بصیرت وبصارت سے پوری قوم کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم کتب تواریخ کے تراجم سے استفادہ کریں۔" راغب رحمانی" لکھتے ہیں:

> " اس کتاب کو لکھنے اور اور اس کے ترجمہ کرنے کا مقصد کو واضح کرتے ہوئے مترجم نے سخنہائے گفتنی میں لکھا ہے کہ مسلم قوم کے اندر جو فکری محکومیت اور ذہنی مرعوبیت سرایت کر چکی ہے اس کی اصلاح میں ایک بہترین معاون ثابت ہو سکتی ہے اور اپنے عظیم الشان علمی ورثہ سے بے خبری کی بناء پر اغیار کے ناقص اور سطحی علوم کو کارنامہ سمجھنے والوں اور ان کی ہفوات و خرافات کو علم کا رتبہ دینے والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر سکتی ہے ،اگر وہ سوچنا چاہیں"(17)

یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ ہمارے اندر جو سیاسی اور سماجی پریشانیاں در آئی ہیں اور ہم اپنے آپ کو مغلوب اور ہارا ہوا محسوس کر رہے ہیں وہ ہمارے ہاتھوں کا کیا ہوا ہے اگر ہم تاریخ داں ہوتے اور تاریخ سے سبق لیتے نیز ہمارے آباء واجداد کا خصوصی فن تاریخ کو متن اور ترجمہ کے ذریعہ مسلسل آگے بڑھاتے رہتے تو شاید ہمارے لئے جو حالات پیدا کئے گئے ہیں ان حالات کو پس پشت ڈال کر آج بھی حکومت و سیادت کا اولین حقدار قرار پاتے اور پوری دنیا کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے۔ عربی کتب تواریخ کے تراجم ہمارے لیے اس راہ میں بہت آسانی پیدا کر سکتے ہیں ہم انہیں مشعل راہ اور خضر طریق بنا کر دیکھیں تو سہی ہوا کا رخ بدلنا امر یقینی ہے۔

تاریخ طبری کے ترجمہ کے اغراض و مقاصد کے ذیل میں مترجم نے جو بات لکھی ہے، اسے بطور شہادت لکھنا مناسب ہے:

" تاریخ طبری عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے صرف عربی داں حضرات ہی اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اس کا اردو ترجمہ سلیس اور شگفتہ زبان میں کیا جائے اگرچہ کہ اس سے قبل بھی ایک ترجمہ ہو چکا ہے مگر اس کی زبان ناقص اور پرانی ہونے کی وجہ سے خوب صورت اردو کے موجودہ دور میں اس کو لائق اعتناء نہیں سمجھا گیا"۔(مترجم) (18)

آج کی دنیا میں نئے خیالات اور نئی تحقیقات کی ترویج و اشاعت کے لئے علمی کتابیں کثرت سے لکھی جا رہی ہیں اسی نسبت سے ان کے ترجمے کی بھی اشد ضرورت ہے، موجودہ تاریخی تراجم پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بلا جھجھک کہی جا سکتی ہے کہ ابھی بھی بہت سارا کام باقی ہے، ابھی بھی منزل قریب نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کار خیر میں حصہ لیا جائے اور نئی نسل کے ساتھ غیر مسلم اردو داں طبقہ تک اپنے اسلاف کی میراث پہنچائی جائے تا کہ وہ تاریخ کے ترجموں کی عینک سے اسلام کی صاف ستھری اور بے داغ تصویر کا مشاہدہ کر سکیں، تاریخ کے یہ تراجم برادران وطن کے لیے اسلامی تاریخ سمجھنے میں بہت معاون ہوں گے، اسلام پر ہونے والے تاریخی اعتراضات کے جوابات اور معترضین کی تسکین خاطر کے لیے یہ تاریخی تراجم بڑی اہمیت کے حامل ہیں، عربی تاریخ کے تراجم کے ذریعہ ہی ہم ایک نئی روشن تاریخ کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ آیئے اس کی اہمیت کو جانیں اور چراغ سے چراغ جلانے کا ہنر پیدا کریں روشنی پھیلتی چلی جائے گی اجالے بڑھتے چلے جائیں گے۔ مستقبل ہمارا ہے اس لیے وہ ہمارے انتظار میں ہے۔

حوالہ جات:

1. امتیاز احمد ڈاکٹر(مضمون نگار)، اردو ریسرچ جرنل، نئی دہلی، سن اشاعت: جنوری۔ مارچ، 2015، ص:20
2. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، ص:40، روشن پرنٹرس، دہلی، سن اشاعت: 2016ء
3. قمر رئیس ڈاکٹر، مضمون نگار: شہباز حسین، ترجمہ کا فن اور روایت، ص:186، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی مارکٹ، علی گڑھ، سن اشاعت: 2011ء
4. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، ص: 64، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، سن اشاعت: 2016ء
5. مشتاق احمد ڈاکٹر، اردو میں فن ترجمہ نگاری ص:120، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سن اشاعت: 2015ء
6. قمر رئیس ڈاکٹر، مرتب، مضمون نگار: ڈاکٹر ظ۔انصاری، ترجمہ کا فن اور روایت، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، سن اشاعت: 2011ء، ص: 70
7. محمد سعود عالم قاسمی ڈاکٹر، منہاج ترجمہ وتفسیر، فاران اکیڈمی، اسٹریٹ 2، اقراء کالونی، علی گڑھ، سن اشاعت: باردوم 2005ء، ص:21،22
8. سیف الرحمن الفلاح، تاریخ حرمین شریفین، حصہ اول، ص: 14۔16، ناشر: مکتبہ رحمانیہ لاہور، سن اشاعت درج نہیں
9. محمد سعود عالم قاسمی ڈاکٹر، منہاج ترجمہ وتفسیر،، فاران اکیڈمی، اسٹریٹ 2، اقراء کالونی، علی گڑھ، سن اشاعت: باردوم 2005ء، ص:24
10. احمد امتیاز ڈاکٹر، اردو میں ادبی ترجمے کی روایت، ص: 20، اردو ریسرچ جرنل، نئی دہلی، سن اشاعت: جنوری۔مارچ 2015ء
11. خلیل الرحمن مولانا، نفح الطیب ص: 12، ناشر: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، سن اشاعت: 1921ء

12. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، ص: 65، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، سن اشاعت: 2016ء
13. خلیق انجم، مرتب، مضمون نگار: مرزا حامد بیگ، فن ترجمہ نگاری ص: 26، ناشر: ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن اشاعت: 1996ء
14. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، ص: 66، (فن ادارت، از مسکین حجازی۔ ص 296) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2016ء
15. مضمون نگار: شہباز حسین، مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت مرتب، قمر رئیس ڈاکٹر، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، سن اشاعت: 2011ء، ص: 180
16. محمد عتیق الرحمن ڈاکٹر، عرب و ہند کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص: 299، ناشر: کلاسک آرٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن اشاعت: 2013ء

باب چہارم

بیسویں صدی کے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو مترجمین

ہندوستان کو چہار دانگ عالم میں یہ امتیازات و خصوصیات حاصل ہیں کہ اس نے ہر میدان میں بے شمار ایسی شخصیات کو جنم دیا ہے جو نہ صرف اپنے اپنے میدانوں میں خصوصیات اور متعدد صفات کی حامل تھیں بلکہ دنیا نے انہیں نابغہ روزگار اور امام وقت تسلیم کیا۔اس طرح کی شخصیات علمی، فکری، تربیتی، روحانی، تصنیفی، تالیفی اور ترجمانی اور اسی طرح ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے کی وجہ سے علمی دنیا میں سر فہرست ہیں، عربی سے اردو میں ترجمہ کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے دونوں زبانوں کی نوک پلک اور نشیب و فراز سے واقفیت ایک ناگزیر امر ہے، اس لیے یہ بات دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ جن حضرات نے ترجمہ نگاری کا کارنامہ انجام دیا ہے وہ غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔اس لیے ذیل میں ہم صرف کتب تواریخ کے چند اہم اردو مترجمین کا اجمالی جائزہ اور سوانحی خاکہ پیش کریں گے اس سے ترجمہ نگاری کی حقیقت و نوعیت کا علم بھی ہوگا اور یہ جائزہ مترجمین کو خراج عقیدت و محبت پیش کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہوگا۔

1۔عبداللہ عمادی:

مولانا عبداللہ عمادی کا وطن اصلی شیر از ہند یعنی جونپور تھا۔انہوں نے اپنے طب، قانون اور اسلامیات وغیرہ کی تعلیم اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ کرام سے حاصل کی اس کے بعد ہندوستان کے مختلف اخبارات جیسے "البیان" (عربی)، وکیل، زمیندار، الہلال اور ستارہ وغیرہ میں بھی کام کیا، علامہ عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ انشاپرداز تھے اور علمی تبحر اور فضل و کمال کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔وہ بلند نگاہ اور کریم النفس، قلندر صفت اور قلندر سیرت تھے، وہ اس قدر اعلیٰ انسانی خوبیوں کے مالک تھے کہ بہت کم لوگوں میں ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں وہ منکسر المزاج تھے اور تکبر و نخوت سے یکسر خالی تھے۔

عبداللہ عمادی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے منسلک ہونے سے قبل برسوں تک پیشہ صحافت سے وابستہ تھے،وہ عربی واردو کے اہم اور مؤقر اخبارات کے برسہا برس ایڈیٹر رہے،جب حالات نے حق گو اخبار نویسوں کی زبانوں پر تالا ڈالنے کی کوشش کی تو انہوں نے پیشہ صحافت کو ترک کر دیا اور حیدرآباد چلے آئے اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہوئے۔

جب عبداللہ عمادی صاحب کا تقرر دارالترجمہ میں بحیثیت مترجم عمل میں آیا تو انہوں نے 15 اگست 1918ء سے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں اپنی خدمات کا آغاز کیا۔اور تقریبا بائیس سال تک ناظر کے فرائض انجام دیئے،اور اس دوران انہوں نے 13 عربی تصانیف کا اردو میں ترجمہ کیا،ابتداء میں ان کی ماہانہ تنخواہ دو سو روپے تھی بعد میں ملازمت مستقل ہونے ساتھ ساتھ ان کی تنخواہ میں بھی قابل قدر اضافہ کر دیا گیا۔ملازمت سے سبکدوشی کے بعد حیدرآباد میں ہی مستقلا سکونت اختیار کی ۔ان کی وفات 28 اگست 1947ء میں ہوئی اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔تفصیل کے لیے دیکھئے: مشاہیر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ،ڈاکٹر سید داؤد اشرف یہ کتاب شگوفہ پبلی کیشنز، حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

عبداللہ عمادی نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں بھی لکھی ہیں اور وہ شائع بھی ہو چکی ہیں۔ان میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں:

1 تفسیر محکمات

2 فلسفۃ القرآن

3 علم الحدیث

4 صناعۃ العرب

5 تاریخ عرب قدیم

6 شرح المفصل عربی وغیرہ۔

یہ مذکورہ بالا کتابیں ان کی تصانیف تھیں۔اس کے علاوہ انہوں نے جو عربی تاریخی کتب کے اردو ترجمہ کئے ہیں وہ یہ ہیں:

مشہور و معروف مؤرخ علامہ مسعودی کی کتاب" التنبیہ والاشراف "اور "مروج الذہب "کا اردو ترجمہ عمادی صاحب نے کیا ہے۔اسی طرح ابن حزم کی کتاب "الملل والنحل" ، مؤرخ علامہ ابن جریر طبری کی کتاب "تاریخ الامم والملوک کی آخری دو جلدیں نیز ابن سعد کی "طبقات کبیر "کی بارہ جلدوں کے ترجمہ کا کام بھی عبداللہ عمادی صاحب نے انجام دیا ہے۔

عبداللہ عمادی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں عربی تاریخی کتب کے مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی اور مذہبی امور کے بھی ناظر تھے ،اس سلسلہ میں ڈاکٹر داؤد اشرف اپنی کتاب" مشاہیر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ " میں عبداللہ عمادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجمین کے عہدوں کے علاوہ ناظر ادبی اور ناظر مذہبی کے بھی عہدے تھے ناظر ادبی تراجم اور تالیفات کی زبان پر نظر ثانی کیا کرتا تھا اور ناظر مذہبی کی ذمہ داری تھی کہ تراجم اور تالیفات کسی بھی مذہب اور اس کے عقائد کے بارے میں قابل اعتراض خیالات اور جملوں سے پاک ہوں۔"(1)

علامہ کے ترجمہ سے ایک اقتباس اور اس کا اصل عربی متن پیش کیا جاتا ہے:

"غزوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلیم ثم غزوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،بنی سلیم بجران لست خلون من جمادی الاولیٰ علیٰ راس سبعۃ وعشرین شہرا من مہاجرہ وبحران بناحیۃ الفرع وبین الفرع والمدینۃ ثمانیۃ برد وذالک انہ بلغہ ان بھا جمعا من بنی سلیم کثیرا فخرج فی ثلاثماۃ رجل من اصحابہ واستخلف علیٰ المدینۃ ابن ام مکتوم واخذ السیر حتی ورد بحران فوجدھم قد تفرقوا میا ھھم"(2)

ترجمہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بنی سلیم 6 جمادی الاولی ہجرت کی ستائیسویں مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بحران کا غزوہ ہے۔بحران الفرج کے نواح میں ہے مدینے اور فرح کے درمیان آٹھ برد(94) میل کا فاصلہ ہے۔ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بحران میں بنی سلیم کا مجمع ہے،آپ تین سو اصحاب کے ہمراہ روانہ ہوئے مدینہ

میں ابن ام المکتوم کو حاکم بنایااور تیز چل کر آپ بحران میں وارد ہوئے، معلوم ہوا کہ لوگ اپنے اپنے پانی کے مقامات کو منتشر ہو گئے"(3)

ترجمہ ملاحظہ کرنے کے بعد بجا طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مترجم نے مذکورہ بالا عربی عبارت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے بہتر کوشش کی ہے جس سے اصل بات آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔یہی چیز اس ترجمہ کی خوبی پر دلالت کرتی ہے۔اس لئے کہ کسی بھی شہ پارے کے ترجمہ کا مقصد دراصل عبارت کے مفہوم کی وضاحت ہے اگر ترجمہ کرتے وقت اس کا کماحقہ لحاظ رکھا گیا تو اسے بہتر ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن جملوں کی ساخت و ترتیب عربی آمیز معلوم ہوتی ہے۔غالباً اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے لئے مترجم کی جانب سے استعمال شدہ الفاظ ہی موزوں اور مناسب ہوں گے علاوہ ازیں تاریخی اور فنی کتابوں کے اردو ترجمے میں یہ ایک علمی مجبوری بھی ہے جسے گوارہ کیا جانا علمی اعتبار سے جائز ہے کیوں کہ اردو زبان کا دامن عربی زبان کی وسعت کے آگے بہت تنگ ہے ۔اور مترجم نے کہیں بھی ترجمہ کے اندر غیر مستعمل الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے۔ ترجمہ میں مترجم کی علمی قابلیت کی جھلک نظر آتی ہے۔

2۔علامہ حکیم احمد حسین عثمانی الٰہ آبادی:

احمد حسین عثمانی موضع کونڈاپور سید سراواں الٰہ آباد میں 1859ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام حکیم بدرالدین عثمانی تھا۔احمد حسین عثمانی کی ابتدائی تعلیم سید سراواں میں ہوئی۔کچھ عرصہ بعد وہ لوگ الٰہ آباد شہر منتقل ہو گئے۔اسی جگہ مدارس اسلامیہ میں ان کا داخلہ کرایا گیا۔جہاں سے انہوں نے حدیث، فقہ، منطق اور ریاضی وغیرہ کی کتابیں پڑھیں ،مزید حصول علم کے لئے کانپور کا سفر کیا،اس کے بعد علم طب کے حصول کی طرف رغبت کی خاطر انہوں نے لکھنؤ کا سفر کیا اور ماہر استاد حکیم حیدر حسین، طبیب دارالشفاء شاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے،اور ان کے حلقہء درس میں شامل ہو کر طب کی تعلیم مکمل کی اور سند فراغت حاصل کی۔

تکمیل طب کے بعد حکیم احمد حسین نے کلکتہ کا سفر کیا اور وہاں مطب قائم کیا،موصوف نے خود کو صرف مطب ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ طب یونانی کے ارتقاء و ترویج کی بھی انہیں فکر تھی اس لئے انہوں نے طب یونانی کی

تعلیم وتدریس کے لئے "الکلیتہ الطبیتہ" کے نام سے 1904ء میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ مدرسہ ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے 1942ء میں "یونانی میڈیکل کالج" کی حیثیت سے منظور و متعارف ہوا۔

علامہ حکیم احمد حسین عثمانی کو حیات جاوید عطا کرنے میں طبابت میں ان کی شہرت اور کارناموں سے زیادہ ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات نے اہم رول ادا کیا ہے اور تاریخ نے ان کو تاریخ ابن خلدون کے شارح اور مترجم کی حیثیت سے جانا اور پہچانا۔ علامہ نے تاریخ ابن خلدون کے ترجمے کے علاوہ دیگر دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ایک کا نام "حیات نورالدین محمود زنگی" اور دوسرے کا نام "حیات صلاح الدین ایوبی" ہے۔

علامہ حکیم احمد حسین عثمانی نے تاریخ ابن خلدون کے ترجمہ کا جو خاکہ تیار کیا تھا اس اعتبار سے ترجمہ اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہوتا، لیکن 30 جنوری، 1933ء میں اچانک علامہ کی وفات کی وجہ سے چودہ جلدیں ہی منظر عام پر آسکیں، علامہ کے ترجمہ کی پہلی جلد انساب عالم سے شروع ہوتی ہے جس میں حضرت نوح سے حضرت عیسی کے بعد تک کے حالات قلمبند ہیں اور چودھویں جلد " شجرہ ملوک خوارزم" پر ختم ہو جاتی ہے۔

علامہ حکیم احمد حسین عثمانی الٰہ آبادی کے علم و فضل کے معترف ان کے معاصر بھی تھے چنانچہ صاحب "نزہتہ الخواطر" مولانا سید عبدالحیی الحسنی نے اپنی مشہور عربی کتاب میں حکیم صاحب کا تذکرہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حکیم صاحب کی ذہانت اور فضل و کمال کے معترف تھے۔ اسی عربی عبارت کا ترجمہ محمد صہیب مرتب "تاریخ ابن خلدون" نے اس طرح کیا ہے:

> "شیخ فاضل احمد حسین بن بدرالدین عثمانی حنفی الٰہ آبادی مشاہیر میں سے ہیں۔ صاحب فضل تھے، روشن دماغ تھے، ان میں حیرت انگیز ذہانت تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں ایک عرصے تک میری اور ان کی ملاقات رہی۔"(4)

تاریخ ابن خلدون کے سب سے پہلے مترجم:

تاریخ ابن خلدون کا سب سے پہلا اردو مترجم کون ہے؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ابن خلدون کی عربی کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کا سہرا علامہ حکیم احمد حسین عثمانی الٰہ آبادی ہی کے سر جاتا ہے۔ حکیم احمد حسین عثمانی کو بھی یہ احساس تھا کہ تاریخ کا ترجمہ سب سے پہلے انہوں نے ہی شروع کیا ہے۔ مترجم لکھتے ہیں:

" اور اب اسی معتبر عربی تاریخ کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں یہ ناچیز، ہیچ میرز، ہیچمداں احمد حسین عفی عنہ الرحمٰن ہدیہ قدر دان فن تاریخ کر رہا ہے"(5)

اسی طرح علامہ عثمانی نے اپنے ترجمہ میں انشاء پردازی اور شاعری سے کام نہ لے کر بالکل سادہ اور سلیس الفاظ کا انتخاب بھی مناسب اور بر محل کیا ہے۔ مترجم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ الفاظ کا انتخاب بھی عبارت کی شایان شان کرے تاکہ ترجمہ میں بھی وہی رنگ و آہنگ آئے جو مصنف قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مترجم ذو لسان ہو یعنی اصل اور ہدفی زبان میں مہارت تامہ ہو، نیز دونوں زبانوں کے ثقافت و تہذیب اور مزاج ورنگ سے بھی باخبر ہو مولانا عثمانی اس سانچے میں بالکل فٹ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ علامہ الفاظ کی سادگی اور سلاست کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"میں نے اس کتاب کے ترجمہ کرنے میں ذرا بھی انشاء پردازی نہیں کی اور نہ واقعات کے بیان کرنے میں شاعری سے کام لیا ہے، جس طرح سادہ طریقے سے مؤرخ موصوف نے واقعات قلم بند کیے ہیں،اسی طرح روکھے پھیکے الفاظ میں نہایت سادگی سے ترجمہ کیا ہے جو قوم کے سامنے ہے۔"(6)

علامہ مترجم نے تعلیقات اور حواشی بھی لکھے ہیں، یہ حواشی و تعلیقات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں، یہ حواشی کہیں بالتفصیل لکھے گئے ہیں اور کہیں اختصار سے کام لیا گیا ہے ،ان تعلیقات و حواشی سے علامہ کی علمی قابلیت اور وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے،اور ان سے ان کے مزاج تحقیق کا بھی اندازہ ہوتا ہے، نیز یہ تصور و تاثر بھی قائم ہو جاتا ہے کہ علامہ کی حیثیت مترجم سے زیادہ محقق کی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ علامہ حکیم احمد حسین عثمانی نے صرف تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ کیا ہے ،انہوں نے مقدمہ کا ترجمہ نہیں کیا ہے ،بقول مترجم: مقدمہ کا ترجمہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ اس میں فلسفیت زیادہ تھی لہٰذا کتاب الثانی سے یہ ترجمہ شروع ہو کر آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ حکیم احمد عثمانی کے ترجمہ کا طریقہ کار: علامہ نے اپنے ترجمہ کی پہلی جلد کے دیباچہ میں لکھاہے کہ "میں نے اس مشہور قابل قدر تاریخ کا ترجمہ لفظی نہیں کیا۔۔۔"اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ کے پیش نظر ترجمہ کا مقصد دراصل ترسیل وابلاغ تھا، یعنی منشاء مصنف سمجھ کر اس کے مطابق تحریر کی آراستگی ہو۔اس وجہ سے علامہ حکیم احمد حسین عثمانی نے لفظ بہ لفظ ترجمے پر زور نہ دے کر ترسیل معنی کا لحاظ رکھا۔

ترجمے کو اصل عبارت سے تقابل کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے بہت سی جگہوں میں نہ صرف ابن خلدون کی عربی عبارت کو نظر انداز کیا ہے بلکہ کئی جگہ پیرا گراف حتی کہ پورا صفحہ بھی چھوڑ دیا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ علامہ نے مفہوم بر مبنی ترجمہ کا کام انجام دیا ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ کے پیش نظر ترجمہ کا مقصد واقعات کی تلخیص تھا۔البتہ واقعات کے تسلسل کا لحاظ برقرار رکھا گیا ہے۔علامہ نے واضح طور پر لکھا ہے:

> "یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ لفظی ترجمہ ہم نہ کریں گے اور نہ اختلافات سے چنداں بحث کریں گے، مطلب کی بات ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور نہ کوئی تاریخی واقعہ فروگزاشت کریں گے۔اکثر مقامات پر ہم اپنے مشہور مؤرخ ابن خلدون سے بھی علاحدہ ہو کر گزر جائیں گے لیکن نہ ایسا کہ مطلب خبط اور عبارت بے ربط ہو جائے اور قدردان فن تاریخ کو دلچسپی نہ ہو۔"(7)

3۔مولانا ضیاءالدین اصلاحی صاحب:

علم وادب کے گوہر نایاب اور اسلامیات کے معروف ومشہور اسکالر مولانا ضیاءالدین اصلاحی ندوی ابن حاجی مولوی عبدالرحمن صاحب 1937ء میں اپنے ننیہال کے موضع جیراجپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ان کا آبائی وطن سہریا سے متصل قصبہ نظام آباد ضلع اعظم گڑھ ہے۔ابتدائی تعلیم اپنے گھر کے مکتب میں ہوئی۔پرائمری درجہ چہارم تک کی پڑھائی قصبہ نظام آباد میں ہوئی۔اس کے بعد علوم عربیہ اور دینیہ کی تکمیل مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے ہوئی۔اس کے بعد دارالمصنفین سے وابستہ ہو گئے۔پہلے پہل رفیق دارالمصنفین کی حیثیت سے کام کرتے رہے، بعد میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کے سکریٹری بنائے گئے۔ان کے سیکڑوں مقالات معارف، برہان، اور

ملک کے دوسرے مؤقر رسائل و جرائد میں شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی کی کتاب" آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب ص:233"۔

علمی خدمات:۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی ندوی صاحب کی علمی خدمات مختلف الجہات ہیں۔ان میں سب سے نمایاں تصنیفی وتالیفی سر گرمیاں ہیں۔انہوں نے جہاں عربی کتابوں کے تراجم کئے وہیں ان کی طبع زاد تصانیف بھی موجود ہیں۔ان کی طبع زاد تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔تذکرۃ المحدثین (یہ تین جلدوں میں ہے یہ کتاب متلاشیان علم حدیث کے لیے گراں قدر تحفہ ہے،اس میں محدثین کی مثالی سیرت و کردار کا تذکرہ ہے)

2۔چند ارباب کمال(اس میں امرؤالقیس،جاحظ،اور ابوالعلاء المعری پر مضامین ہیں)

3۔مولانا ابوالکلام

4۔ہندوستانی مذاہب

5۔انتخاب کلام سہیل

6۔ایضاح القرآن وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی دیگر تصانیف ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔

آپ نے معارف کی ادارتی ذمہ داری کی ادائیگی کے علاوہ ہند وپاک کے معروف و مشہور رسائل و جرائد میں ڈیڑھ دو سو مضامین لکھے۔نیز معارف میں مطبوعات جدید کا کالم تقریبا25،30سال لکھا۔آپ کو صدر جمہوریہ کی جانب سے عربی میں سرٹیفیکٹ آف آنر مل چکا ہے اس کے علاوہ مختلف ریاستوں کے اکیڈمیوں نے انعامات سے نوازا ہے۔

عربی سے اردو تراجم: مولانا موصوف نے قریب اکیس عرب سیاحوں،جغرافیہ دانوں،اور تاریخ نویسوں اور عالموں کی کتابوں کی تحریروں کو جمع و ترتیب دے کر ان کا ترجمہ کیا ہے اپنی کتاب کا نام انہوں نے " ہندوستان عربوں کی نظر میں" رکھا ہے۔جس میں مولانا نے حواشی کے اندر مصنفین کے حالات کے ساتھ دیگر اہم اور ضروری معلومات بھی فراہم کی ہیں۔مولانا کی یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔پہلی جلد میں جاحظ،سلیمان تاجر،بلاذری،یعقوبی بزرگ بن شہریار

اور مسعودی وغیرہ کی تاریخی اہمیت کی حامل باتوں کو یکجا کرکے ترجمہ کیا گیا ہے جبکہ دوسری جلد میں معتبر و مشہور مؤرخین جیسے ابن ندیم، قاضی ساعد اندلسی، شریف ادریسی، رشید بن زبیر اور ابن بطوطہ وغیرہ کے قلم سے ہندوستان سے متعلق جو تاثرات اور مشاہدات مرقوم ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب دراصل انگریزوں کی شازش کا جواب ہے کیونکہ انگریزوں نے اپنی تصنیفات میں ہندوستان سے مسلمانوں کا تعلق محض حملہ آور اور فاتح کے طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے اس کتاب میں قدیم عرب مؤرخین کے ہندوستان سے متعلق بیانات کو جمع کرکے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا تعلق بہت قدیم زمانے سے رہا ہے۔ اور عرب و ہند کے یہ تعلقات تجارتی، علمی اور ثقافتی نوعیت کے تھے۔ نہ کہ محض فاتحانہ۔ ان دونوں حصوں کی عبارت اور ترجمہ سے نویں صدی عیسوی سے لے کر پندرہویں صدی تک کے عرب مصنفین کے بیانات درج ہیں جس سے ہندوستان کی تاریخ، تہذیب و ثقافت اور سیاست کے علاوہ دوسری باتوں کا پتہ چلتا ہے اس لئے اس کتاب کو تاریخی کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شاہ معین الدین ندوی نے جو کچھ لکھا ہے ڈاکٹر الیاس اعظمی نے اپنی کتاب "دارالمصنفین کی تاریخی خدمات" میں اسے نقل کیا ہے:

> "یہ کتاب تیسری صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک چھ سو سال کے ہندوستان اور ہندوؤں کی قدیم تاریخ کا مرقع ہے۔ اس دور کے متعلق اپنے قدیم، مستند اور متنوع معلومات خود ہندوستانی زبانوں میں بھی مشکل سے ملیں گے اس لئے یہ کتاب تاریخ ہند کے طلبہ اور مؤرخین کے لئے ایک اہم ماخذ ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ عرب مصنفین نے ہندوؤں کی تاریخ کے ساتھ کتنا اعتناء کیا اور اس کی بڑی خدمت کی ہے "(8)

4 مولانا عبدالسلام ندوی:

مولانا عبدالسلام ندوی ابن دین محمد الپتوی اعظم گڑھی، ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں " پٹو " میں 1882ء کو پیدا ہوئے۔ اور وفات 1956ء کو اعظم گڑھ میں ہوئی، علامہ شبلی کے قریب دارالمصنفین میں مدفون ہیں۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ آئے اور مولانا سید علی زینبی، مولانا شبلی اور مولانا حفیظ اللہ وغیرہ سے علوم عربیہ اور دینیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ندوہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ موصوف علامہ شبلی

کے ماموں زاد بھائی اور عزیز شاگرد تھے اور دار المصنفین کے معماروں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق میں وقف کردی تھی۔

کارنامے: علامہ شبلی نعمانی نے اپنے پیچھے جو کاروان علوم وفنون چھوڑا تھا اس میں ایک معتبر نام عبدالسلام ندوی کا بھی ہے۔انہوں نے نہ صرف کتابیں لکھیں بلکہ بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ چنانچہ ان کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی اپنی کتاب دارالمصنفین کی تاریخی خدمات میں لکھتے ہیں:

"اسوہ صحابہ(دو جلدیں) ،اسوہ صحابیات ،تاریخ اخلاق اسلامی، سیرت عمر بن عبد العزیز،اقبال کامل، شعر الہند (دوجلدیں) امام رازی،ابن یمین، حکمائے اسلام،(دوجلدیں) فقرائے اسلام،القضافی الاسلام وغیرہ۔ مولانا نے کئی اہم کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ان کو ترجمہ نگاری پر بڑا عبور حاصل تھا۔ان کے ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے ان کا شمار اردو کے چند ابتدائی کامیاب ترجمہ نگاروں میں ہوتا ہے مندرجہ ذیل ترجمے اس کا ثبوت ہیں۔ابن یمین،ابن خلدون، انقلاب الامم،اسلامی قانون، فوجداری،التربۃ الاستقلالیہ،تاریخ الحرمین الشریفین،تاریخ فقہ اسلامی، فطرت نسوانی اور فقرائے اسلام وغیرہ۔ان معرکۃ الآراء کتابوں اور ترجموں کے علاوہ سیکڑوں علمی،ادبی،تاریخی اور تحقیقی مضامین لکھے جو معارف کی جلدوں میں محفوظ ہیں"(9)

اوپر مولانا موصوف کی کتابوں کا اجمالی طور پر ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس باب میں چونکہ ان کا تعارف بطور مترجم عربی سے اردو کرایا جارہا ہے لہذا ان کے ترجمہ کردہ کتابوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

1۔**تاریخ فقہ اسلامی:** یہ مولانا عبدالسلام ندوی کی طبع زاد تصنیف تو نہیں ہے البتہ عربی کے مشہور عالم اور مورخ محمد الحضری کی کتاب "التشریع الاسلامی" کا اردو ترجمہ ہے،اس میں اسلامی فقہ کے مختلف ادوار کی مفصل تاریخ درج ہے۔ اور اس کا مفصل بیان باب پنجم میں آئے گا۔

2۔**سر تطور الامم:** فرانسیسی مصنف گستاؤلی بان کی کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا ہے، مولوی عبدالسلام ندوی نے عربی زبان سے اردو زبان میں کیا ہے،اس کی مختصر تفصیل ماقبل میں آچکی ہے۔

5۔ڈاکٹر ظفرالاسلام خان

معروف ملی قائد، نامور اسلامی اسکالر، محقق، مترجم، صحافی، متعدد کتابوں کے مصنف اور فی الوقت دہلی اقلیتی کمیشن کے چیرمین "ڈاکٹر ظفرالاسلام خان" 12مارچ 1948ء میں اعظم گڑھ، اترپردیش میں پیدا ہوئے۔ موصوف، معروف اسلامی مفکر مولاناوحیدالدین خان صاحب کے فرزند ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسۃالاصلاح، اعظم گڑھ، دارالعلوم ندوۃالعلماء لکھنؤ میں ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے جامعہ ازہر اور قاہرہ یونی ورسٹی مصر سے سنہ 1966ء تا 1973 میں عربی اور اسلامی علوم میں اعلی تعلیم حاصل کی۔آپ کو عربی انگریزی، اردو تینوں زبانوں میں مکمل قدرت حاصل ہے، عربی ادب اور عربی زبان میں ید طولی کے مالک ہیں۔ چنانچہ آپ نے "مفہوم الہجرۃ فی الاسلام" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر 1987ء میں مانچسیر یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

علمی خدمات: مترجم موصوف اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں متعدد کتابیں تصنیف کر چکے ہیں نیز بہت سی اردو کتابوں کا اردو سے عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔جن میں سے کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور کچھ کتابیں طباعت کے مراحل سے گذرنے والی ہیں۔عرب دنیا میں موصوف کی زبردست علمی کارنامے اردو سے عربی زبان میں تراجم کی خدمات کے بارے میں "ڈاکٹر محمد ارشاد نوگانوی" اپنی کتاب آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب میں لکھتے ہیں:

"عربی میں درج ذیل کتابیں عرب ممالک میں بھی قبول عام حاصل کر چکی ہیں:

1۔مولاناوحیدالدین خان کی " مذہب اور جدید چیلنج" کا عربی ترجمہ "الاسلام یتحدیٰ"(مطبوعہ دارالبحث العلمی کویت، المختارالاسلامی قاہرہ، بیروت وغیرہ)

2۔موصوف ہی کی "تجدید دین" کا عربی ترجمہ "تجدید علوم الدین"(مطبوعہ دارالصحوہ للنشر قاہرہ)

3۔اور موصوف ہی کی "حقیقت حج" کا عربی ترجمہ " حقیقۃ الحج" کے نام سے(مطبوعہ الصحوہ للنشر قاہرہ)

4۔"مارکسیت جس کو تاریخ رد کر چکی ہے" از وحید الدین خان، کا عربی ترجمہ " سقوط المارکسیۃ"(مطبوعہ رابطہ الجامعات الاسلامیہ)

5۔مذکورہ مؤلف کی " مذہب وسائنس" کی تعریب "الدین فی مواجہۃ العلم" (مطبوعہ دار النفائس بیروت) وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ ایک کتاب کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے جس کا نام "An Introduction to the Arab" ہے جو دار ما لطا آدم سے شائع ہوئی۔" (10)

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے کتنی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے،اس سلسلہ میں مجھے حتمی علم حاصل نہ ہو سکا تاہم مجھے ان کی ایک عربی سے اردو میں ترجمہ کردہ کتاب ملی ہے جس بناءپر موصوف کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب کی خدمات ٹرانسلیشن کے میدان میں بہت وسیع ہے چاہے عربی سے انگلش میں ترجمہ ہو یا اردو سے عربی میں نیز موصوف نے انگریزی سے عربی اور عربی سے اردو میں بھی ترجمہ کا کام انجام دیا ہے۔انہوں نے لیبیا کے وزارت خارجہ میں ٹرانسلیٹر کے طور پر بھی خدمات انجام دی ہے۔

سوڈانی دانشور اور مؤرخ "ڈاکٹر احمد محمد کانی کی عربی تصنیف "الجہاد الاسلامی فی غرب افریقہ "کا اردو ترجمہ **مغربی افریقہ کی تحریک جہاد(عثمان بن فودی اور صوکتو خلافت)** کے نام سے شائع ہوا ہے، عربی کتاب کے مصنف فی الحال نائجریا کی احمد و بللو یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ان کی مغربی افریقہ کی اسلامی تاریخ پر گہری نظر ہے۔انہوں نے قصداً یہ کتاب انتہائی عام فہم عربی زبان میں لکھی تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔اس عربی کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کے قلم سے وجود میں آیا،اس کی اشاعت 1997ء میں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، نئی دہلی سے عمل میں آئی ہے۔

6۔مولانا شاہ معین الدین ندوی:

مولانا موصوف 1930ء میں پیدا ہوئے۔شاہ صاحب کا تعلق اتر پردیش کے ایک مردم خیز قصبہ رودولی سے تھا۔رودولی کی سرزمین سے صف اول کے جو ادیب،شاعر،اور عالم پیدا ہوئے ہیں ان میں شاہ صاحب کا نام سرفہرست ہے۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے ابتدائی تعلیم و تربیت اور عربی، فارسی اور دینیات کا علم اپنے نانا شرف الدین احمد سے حاصل کیا۔ اس کے بعد انہیں فرنگی محل بھیج دیا گیا۔ فرنگی محل سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء سے قرآن و حدیث، تفسیر، فقہ، کلام و عقائد اور ادب کی تعلیم حاصل کی، اور ندوہ ہی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل ہوئی۔

مولانا شاہ معین الدین ندوی ایک جلیل القدر عالم و مؤرخ اور دبستان شبلی کے ایک نامور ادیب و انشاء پرداز اور مصنف تھے۔ ندوہ سے فراغت کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش پر دار المصنفین آئے اور پھر دم واپسیں تک تصنیف و تالیف میں منہمک رہے اور علم و تحقیق کی دنیا کو جلا بخشتے رہے آپ نے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں تحریر کیں نیز متعدد مضامین و مقالات کے ذریعہ گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ نے اپنے علمی و تصنیفی سفر میں دو عربی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کی تحریر کردہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

سیر الصحابہ کی جلد سوم، ششم اور ہفتم، عرب کی موجودہ حکومتیں، تاریخ اسلام جلد اول تا چہارم، تابعین، ادبی نقوش، دین رحمت، حیات سلیمان، انوار العیون فی اسرار المکنون اور اسلام اور عربی تمدن آخر الذکر دو کتابیں ترجمہ ہیں۔ ذیل میں ان کی ترجمہ نگاری پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

1۔ انوار العیون فی اسرار المکنون:۔ یہ شاہ صاحب کے جد امجد مخدوم شیخ عبد الحق رودولی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے شیخ عبد القدوس گنگوہی نے مرتب کیا تھا۔ شاہ صاحب نے اسے اردو کا جامہ پہنایا اور مطبع معارف سے طبع کرایا۔

2۔ اسلام اور عربی تمدن:۔ یہ کتاب ملک شام کے مشہور و معروف فاضل علامہ محمد کرد علی کی کتاب " الاسلام و الحضارۃ العربیہ" کا اردو ترجمہ ہے جس میں دیگر چیزوں کے ساتھ مسلمانوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ دار المصنفین سے 1952ء میں شائع ہوا ہے۔

شاہ صاحب ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ جہاں ایک طرف آپ تذکرہ نگار، ادیب، نقاد اور مفکر و مدبر تھے وہیں آپ مایہ ناز و ممتاز مؤرخ بھی تھے۔ چنانچہ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں میں تاریخی کتابوں کی فہرست زیادہ ہے، یہ تاریخی تصنیفات آپ کی مؤرخانہ بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب کی علمی شخصیت کا ایک اہم پہلوان کا تاریخی شعور اور مؤرخانہ فہم وبصیرت ہے۔انہوں نے تاریخ کے موضوع پر تاریخ اسلام جیسی اہم کتاب لکھی جو ان کی تاریخ نویسی کا نمونہ قرار دی جاسکتی ہے۔اور ان کی دوسری کتاب عرب کی موجودہ حکومتیں بھی اسی زمرہ میں آتی ہے اس کے علاوہ تاریخ سے متعلق دارالمصنفین کی دیگر تالیفات کے لئے انہوں نے جو مقدمے اور دیباچے تحریر کئے ہیں وہ مختصر ہونے کے باوجود ان کی تاریخ شناشی اور اس فن پر ان کے عبور کا پتہ دیتے ہیں۔ حتی کہ وہ کتابیں جو باضابطہ تاریخ نگاری کے فن میں نہیں آتیں،ان میں بھی جگہ جگہ تاریخی عناصر کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی فکر ونظر تاریخی تجزیہ واستدلال سے مربوط تھی اور ایسا ہونا فطری بھی تھا کیونکہ وہ سید صاحب جیسے مؤرخ کے تربیت یافتہ اور دبستان شبلی کے ترجمان تھے"(11)

شاہ صاحب کے لکھنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس زمانے کی تاریخ قلمبند کرتے اس میں ہر طرح کے حالات کا احاطہ کرتے۔ مثال کے طور پر حکمرانوں کی فتح وشکست کے ساتھ اس زمانہ کے عام حالات اور مذہبی،اخلاقی،اقتصادی، معاشرتی اور علمی وتمدنی حالات بھی قلمبند کرناضروری سمجھتے تھے،چونکہ تمدنی تاریخ ان کی توجہ کا خاص مرکز تھی اس لیے انہوں نے اپنے ذوق کی تسکین اور دیگر لوگوں کو اہل ذوق بنانے کی غرض سے " الاسلام والحضارۃ العربیہ " کا ترجمہ کیا۔

7۔مولاناابوالخیر مودودی:

مولاناابوالخیر مودودی 25 ڈسمبر 1899ء میں پیدا ہوئے،عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے دارالترجمہ کے فاضل اور قابل مترجم تھے، تقسیم ہند کے بعد لاہور میں اقامت پذیر ہوئے،آپ کے تراجم میں علامہ بلاذری کی فتوح البلدان اور ابوالفرج قدامہ بن جعفر کی کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے نام شامل ہیں،اس کے علاوہ انہوں نے مطالع المقدود من مطالع الدھور کے نام سے بھی ایک کتاب تحریر کی تھی،آپ جماعت اسلامی کے بانی مولاناسید ابوالاعلی مودودی کے بڑے بھائی تھے،28اگست 1979ء کو لاہور پاکستان میں وفات پائی اور وہیں آسودہ خاک ہیں۔

مولانانے جن دو کتابوں کا ترجمہ کیا ہے ان میں سے ایک کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت ہے،یہ کتاب مشہور فلسفی اور علم جغرافیہ کے ماہر قدامہ بن جعفر کی ہے،یہ کتاب نہایت جامع اور اہم کتاب ہے،اس میں سلطنت کے تمام

دواوین کے اعمال واحوال، ان کے رسوم و آداب اور وہ تمام امور جن کی ایک کاتب کو ضرورت پیش آتی ہے اس میں تفصیل سے لکھے گئے تھے، ایسی جغرافیائی کتاب کا دوسری زبان میں ترجمہ آسان کام نہیں ہے؛ لیکن مولانا ابوالخیر صاحب نے بڑے سلیقے اور خوبی کے ساتھ اس عربی کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا ہے، ترجمہ صاف ستھرا اور لفظی معلوم ہوتا ہے، اردو زبان میں شائع ہونے والا یہ ترجمہ اس کتاب کا پہلا ترجمہ ہے جو دارالترجمہ حیدر آباد سے 1930ء میں شائع ہوا، فاضل مترجم نے سہولت کے لیے مشکل الفاظ اور غیر مانوس جگہ کے ناموں پر اعراب لگانے کے ساتھ مفید حواشی کا بھی اہتمام کیا ہے۔اس مترجم کتاب کی ایک عبارت بطور نمونہ درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔منزل ششم کے تیسرے باب کے تحت لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔اس سمندر میں ایک خلیج ہے جو ارض حبشہ سے نکلتی ہے اور ناحیہ ء بربر تک پھیلی ہوئی ہے، اس کا نام خلیج البربری ہے اور اس کا طول اس جہت میں جدھر وہ جاتی ہے، پانسو میل ہے اور اس کی ابنائے، جو اسے بحر اعظم سے ملاتی ہے، سو میل ہے۔۔۔۔"(12)

مولانا موصوف کی دوسری کتاب "فتوح البلدان" کے ترجمہ سے ایک شعر اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"غنیت عن خیل بموقان اسلمت بکیر بنی الشداخ فارس اطلال

تو موقان کے اس لشکر سے بے نیاز ہو گیا جس نے قبیلہ شداخ کے شہسوار بکیر کو، جو اطلال کا راکب تھا، دشمنوں کے سپرد کر دیا تھا۔"(13)

مولانا مودودی نے تاریخ الکامل کے ترجمہ پر بھی کام کیا ہے، اس ترجمہ کی صرف ایک جلد بعض کتب خانوں میں دستیاب ہے جو آغاز دولت بنو عباس (یعنی 132ھ) سے ابو جعفر المنصور کی وفات تک محیط ہے، یہ ترجمہ 1938ء میں دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تھا۔(Jasarat .com)
اس کی تفصیل ان شاءاللہ باب پنجم میں بھی آئے گی۔

8۔رئیس احمد جعفری:

مولانا رئیس احمد جعفری 23مارچ 1914ء کو لکھیم پور اتر پر دیش میں پیدا ہوئے، انہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے تعلیم حاصل کی ہے، 1949ء میں وہ پاکستان چلے گئے، قلم کار اور فن کار شخصیت کے مالک تھے، کثیر التصانیف تھے، عربی، انگریزی اور اردو پر یکساں عبور تھا اس لیے آپ نے مختلف عربی کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں، مشہور مترجمین میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں، آپ کے تراجم بہت مقبول و معروف ہیں، آپ کی تصانیف، تراجم اور تالیفات کی تعداد تین سو سے زائد ہے، 27اکتوبر 1968ء کو پاکستان میں وفات پا گئے، اور وہیں مدفون ہیں، آپ کے چند مشہور تراجم درج ذیل ہیں۔

1۔سفر نامہ ابن بطوطہ حصہ اول و دوم

2۔حکایات اغانی، از: ابوالفرح علی بن حسین

3۔زادالمعاد، از: ابن قیم

4۔تاریخ خوارج، از: عمر ابو نصر

5۔حیات احمد ابن حنبل، از: ابو زہرہ مصری

6۔نہج البلاغہ

7۔فلسفہ تعلیم و تربیت، از: محمد عطیہ الابرشی

8۔تاریخ معتزلہ

9۔اسلام: منزل بہ منزل: قافلہ اسلام کے منازل اور مقامات کی تاریخی اور تحقیقی داستان، از: طہ حسین

10۔الکامل فی التاریخ

چند اردو مترجمین کا تذکرہ و تعارف اس بات کا غماز ہے ہے کہ ہر دور بالخصوص بیسویں صدی میں ایسے باکمال اور ہنر مند علماء و محققین کی کمی نہیں رہی جنہوں نے تاریخ کو عربی کے ذخیرہ سے نکال کر اردو کے حوالہ کیا اور اردو داں طبقہ کے لیے عربی کتب تاریخ سے استفادہ کی راہیں ہموار کیں، اردو داں طبقہ ہمیشہ ان کے علمی احسان تلے دبا رہے گا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہاں چند اہم مترجمین کا تذکرہ بطور نمونہ ہے، اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان کے علاوہ مترجمین قابل ذکر نہیں ہیں یا وہ موجود نہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسے باکمال مترجمین کی تعداد کم از کم ہماری معلومات اور ہماری جستجو اور رسائی کے لحاظ سے سینکڑوں میں ہے، اگر ان تمام کا احاطہ کیا جائے اور مختصر سوانحی خاکے اور ان کے تراجم کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے تو بلاشبہ ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی، ممکن ہے کوئی باہمت اور باتوفیق شخص اس نہج سے اس کام کو انجام دے اور وہ کتاب علمی دنیا کی لائبریریوں کی زینت بن سکے،

تاہم ہمارے مقالے کا صفحاتی دائرہ اتنا تنگ بھی نہیں ہے کہ ان نامور مترجمین اور ان کے تراجم کا کم از کم اجمالی تذکرہ نہ کیا جاسکے، اس لیے ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ مزید مترجمین اور ان کے تراجم کا جائزہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، البتہ ان مترجمین کے دستیاب تراجم پر تفصیلی گفتگو اور جامع تعارف و تبصرہ اور تحلیل و تجزیہ کے لیے مقالہ نگار نے پانچواں باب منتخب کیا ہے، اس لیے تراجم کی خوبی اور خامی اور اس پر معمولی جرح و نقد کا تفصیلی تذکرہ پانچویں باب میں ہی کیا جائے گا، جو اس مقالے کی روح ہے۔

دیگر مترجمین اوران کی ترجمہ کردہ کتابوں کی فہرست

سلسلہ نمبر	مترجین کے اسمائے گرامی	ترجمہ شدہ کتابوں کے نام
1	محمد عبدالغفور خان رامپوری	تاریخ عروج الاسلام جلد اول تا جلد ہشتم
2	سید محمد ابراہیم	ترجمہ تاریخ طبری جلد اول تا سوم
3	مولوی سید ہاشم ندوی	کامل ابن اثیر (خلافت امیہ حصہ دوم)
4	مولوی سید احمد اللہ	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد اول ودوم
5	شیخ ابوالخیر مودودی	فتوح البلدان (جلد اول)
6	سید محمد ابراہیم ندوی	مروج الذہب ومعادن الجوہر
7	راغب رحمانی	مقدمہ ابن خلدون (جلد اول)
8	سید محمد ابراہیم شاہ	انساب الخلافہ ترجمہ مسالک الذہب
9	سید محمد محی الدین	تاریخ الخلفاء
10	علی محسن صدیقی	المعارف
11	محمد زکریا، مائل	اخبار مجموعہ
12	عبدالصمد صارم	باب الخوارج من کتاب الکامل للمبرد
13	محمد اسلم جیراجپوری	تاریخ تمدن اسلامی
14	مولوی محمد حلیم انصاری	تمدن اسلام جلد اول ودوم
15	حامد محمد خان	تاریخ اسلام (حصہ اول)
16	،منشی محمد خلیل الرحمن	اخبار الاندلس (جلد دوم)
17	شاہ بانو	آغاز اسلام ترجمہ بدء الاسلام

18	پروفیسر محمد منور	الفتنۃ الکبریٰ
19	محمد عبدالاحد قادری	تاریخ الخلفاء
20	شمش بریلوی	تاریخ لخلفاء
21	جمیل الرحمٰن محمد	ذکر فتح اندلس
22	مترجم غلام احمد حریری	تاریخ المذاہب الاسلامیہ
23	موی عبدالرحمٰن خان	خلاصہ تحفۃ النظار یعنی سفر نامہ ابن بطوطہ
24	پروفیسر جمیل الرحمٰن	تاریخ کامل حصہ اول عہد بنی امیہ
25	ڈاکٹر میر ولی الدین	تاریخ فلاسفۃ الاسلام
26	مولانا محمد مبشر رضوی	تاریخ الخلفاء
27	عبدالمجید نعمانی	عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں
28	عبدالوہاب ظہوری	تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات
29	جلال سید	محبوب الارب یعنی ترجمہ صنا جۃ الطرب فی تقدمات العرب
30	مولانا ابوالعرفان ندوی	اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند
31	مولوی محمد خلیل الرحمٰن	نفح الطیب
32	حلیم انصاری ردولوی	تاریخ تمدن اسلام
33	اقبال الدین احمد	تاریخ الخلفاء
34	علامہ سید عبدالقدوس ہاشمی	تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان
35	مولانا غلام رسول مہر	تاریخ شام
36	مولوی سید اصغر علی	کتاب الہند دو جلد

تاریخ الحکماء	مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی برق	37
مسلمانوں کا نظام مملکت	مولوی محمد علیم اللہ صدیقی فاضل دیوبند	38
تاریخ ابن خلدون حصہ نہم ودہم	سید احمد رشید	39
تاریخ ابن خلدون حصہ یازدہم	اختر فتحپوری	40
تاریخ عالم ترجمہ تاریخ ابوالبشر	مفتی انوار الحق	41
تاریخ ابن کثیر	کوکب شادانی	42
تاریخ ابوالفداء	کریم الدین	43
تاریخ الخلفاء	مولانا حکیم شبیر احمد انصاری حنفی ،ساکن بھوکر ہیڑی، ضلع مظفر نگر	44
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	مولانا علی میاں ندوی	45
معجم البلدان	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	46
فتوح الشام	سید عنایت حسین سیدنپوری	47
سفر نامہ ابن جبیر	حافظ احمد علی خان شوق رامپوری	48
کتاب الہند	سید علی اصغر حسین	49
تاریخ الحکماء	مولان محمد ادریس	50
مسلمانوں کا نظام مملکت	علیم اللہ صدیقی	51
تاریخ ابن کثیر حصہ نہم(9)	حافظ عبدلرشید	52
تاریخ ابن کثیر حصہ (11)	مولاناانوار الحق قاسمی	53
تاریخ ابن کثیر	مولاناابو طلحہ اصغر مغل	54
مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سعید الرحمن علوی	55
مقدمہ این خلدون	مولاناسعد حسن خان یوسفی	56

حوالہ جات:

1. سید داؤد اشرف ڈاکٹر، مشاہیر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، ص: 27، ناشر: شگوفہ پبلی کیشنز، حیدر آباد، سن اشاعت: 2017ء
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد:2، ص: 81-82، دارالکتب العلمیہ، بیروت، سن اشاعت: 1990ء
3. عبداللہ عمادی، طبقات کبیر ص: 29، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1944ء
4. محمد صہیب، مرتب، تاریخ ابن خلدون ص: 26، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسری اشاعت، 2010ء
5. محمد صہیب، دیباچہ جلد اول مطبع قیصر ہند 1898، بحوالہ تاریخ ابن خلدون، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ، نئی دہلی، دوسری اشاعت، 2010، ص23، بحوالہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون 1 :17، نامور پریس 1901)
6. محمد صہیب، تاریخ ابن خلدون، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسری اشاعت، 2010، ص29، بحوالہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، دیباچہ، جلد12 :17، نامور پریس 1901)
7. محمد صہیب مرتب، تاریخ ابن خلدون، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسری اشاعت، 2010، ص 28، بحوالہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون 1 :17، نامور پریس 1901)
8. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر، دارالمصفین کی تاریخی خدمات، ص:349، ناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، سن اشاعت: 2002ء
9. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر، دارالمصفین کی تاریخی خدمات ص: 303، ناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، سن اشاعت: 2002ء
10. محمد ارشاد ندوی نوگانوی ڈاکٹر، آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب ص:239، ناشر: ایچ۔ایس آفسیٹ پریس دہلی، سن اشاعت:2009
11. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر، شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات، ص:84، ناشر: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، سن اشاعت:2007ء
12. ابوالخیر مودودی مولانا، مترجم، کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت، ص:54 ناشر: جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن، سن اشاعت
13. ابوالخیر مودودی مولانا، مترجم، فتوح البلدان، جزء دوم، ص: 7، ناشر: جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن، سن اشاعت: 1940ء

باب پنجم:

بیسویں صدی میں منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ

تاریخ کی عربی کتابوں کے اردو تراجم کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہئے کہ تاریخ میں بہ زبان عربی بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں احوال عالم کے کوائف اور حادثات و واقعات نیز سیاسی زعماء کے کارنامے اسی طرح مختلف ممالک کے رسوم و رواج اور تہذیب و تمدن بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں اور یہ کتب تواریخ چہار دانگ عالم کی لائبریریوں میں موجود ہیں اہل تحقیق ان سے استفادہ کرتے ہیں بلکہ ان مفصل کتابوں سے مختلف متعدد کتابیں وجود میں آچکی ہیں اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ عربی کتب تواریخ کی کثرت کا اندازہ " مسلمان تاریخ نویس " کی تقریظ میں پروفیسر غلام احمد حریری کے ایک اقتباس سے واضح ہو سکتا ہے ،اس تقریظ میں وہ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے ایسی کتب بکثرت تحریر کی ہیں جو چہار دانگ عالم کے بہت سے ممالک کی سرگزشتوں اور تاریخوں پر مشتمل ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے عظیم شخصیات اور اہم واقعات کی تمام ضروری تفاصیل مرتب و مہیا کر دی ہیں۔ تاریخی کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ صاحب کشف الظنون حاجی خلیفہ چلپی کا یہ قول ہے کہ ہم نے ایک کتب خانہ میں تیرہ سو کتابیں شمار کی ہیں۔۔۔۔۔۔ نیز علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ عبد اللہ ذہبی کی خود نوشت تحریر (التوبیخ لمن ذم التاریخ) دیکھی ہے۔ تاریخ کی اتنی انواع واقسام ہیں کہ اگر میں ان سب کو بیان کرتا تو میری کتاب چھ سو جلدوں میں ختم نہ ہوتی مگر میں نے سب اقسام کا احاطہ نہیں کیا۔ پس یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ نویسی کے فن کا حق ادا کر دیا ہے اور اس شعبہ علم میں تحقیق و تنقید کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا"(1)

عربی کتب تواریخ کی کثرت مسلمانوں کا ایک بہت بڑا علمی سرمایہ اور عظیم الشان کارنامہ ہے ان کتابوں میں آغاز دنیا سے مصنف کے زمانہ تصنیف تک کے واقعات تسلسل کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ساری کتابیں عربی زبان میں تھیں ان میں سے تقریباً سیکڑوں کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کے ترجمے کے کام متحدہ ہندوستان میں اور دیگر کے تراجم پر کام منقسم ہندوستان و پاکستان میں انجام پائے، ہم ذیل میں تاریخ کی چند اہم کتابوں کے اردو تراجم کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

1۔ مقدمہ ابن خلدون

مشہور مؤرخ ابن خلدون کی "کتاب العبر ودیوان المبتداوالخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر" کے مقدمہ کا یہ اردو ترجمہ ہے، اس کے مترجم " مولانا محمد داؤد صاحب راغب رحمانی دہلوی "ہیں، مترجم نے مذکورہ بالا کتاب کا ترجمہ دو جلدوں میں کیاہے، پہلی جلد میں کل 486 صفحات ہیں جبکہ دوسری جلد کل 528 صفحات پر مشتمل ہے دونوں جلدوں کی اشاعت " اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، 1561۔ کوتانہ اسٹریٹ، سوئی دالان، نئی دہلی سے 1987ء میں عمل میں آئی ہے۔ مقدمہ میں علامہ ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کے ساتھ ساتھ مختلف علوم وفنون پر ماہرانہ بحث کی ہے جیسے فن معاشیات، فن اجتماع، نوع انسانی، عمرانیات تعلیم اور روح وغیرہ نیز فلسفہ تاریخ تمدن اور عوارض تمدن پر بصیرت افروز تاریخی نکات بیان کیے ہیں۔ان تمام موضوعات پر ان کا ماہرانہ کلام اور عالمانہ بحث اس قدر پر از معلومات اور مفید ہے کہ ان کے زمانہ کے بعد کے تمام مشرقی ومغربی علماء اپنی علمی کاوشوں میں اس حوالے سے ابن خلدون کے تلامذہ نظر آتے ہیں

یہاں اس بات کی وضاحت از حد ضروری ہے کہ دراصل تاریخ ابن خلدون تین کتابوں یعنی تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی کتاب مقدمہ پر مشتمل ہے جبکہ باقی دو کتابوں میں نفس تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ شدہ مقدمہ ابن خلدون کی پہلی جلد میں مقدمہ ابن خلدون پر لکھے گئے دو اہم مقالات بھی شامل ہیں پہلا مقالہ مشہور عرب عالم وفلسفی جناب محمد جمعہ لطفی کا ہے جس کا نہایت رواں دواں ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے کیا ہے جس مین ابن خلدون اور اس کی تالیفات پر بحث کی گئی ہے اور اس میں ابن خلدون اور دیگر فلسفیوں کا تقابل اور موازنہ بھی پیش کیا گا ہے۔ دوسرا مقالہ جناب ڈاکٹر بشارت علی صاحب استاذ شعبہ عمرانیات جامعہ کراچی پاکستان کا ہے جو" ابن خلدون پر ریسرچ" کے نام سے ہے، اصل کتاب کے چھ ابواب ہیں، مترجم مقدمہ کی اس پہلی جلد میں مکمل دو ابواب کے ساتھ تیسرے باب کا تقریبا نصف حصہ شامل ہے اصل کتاب کا بقیہ حصہ دوسری جلد میں شامل ہے۔

علامہ ابن خلدون کے اس معرکۃ الآراء اور مجمع الفنون مقدمہ کا ترجمہ اردو کے علاوہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں ہو چکا ہے "نفیس اکیڈیمی" کے مالک "چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری" نے اردو ترجمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ مکمل ہے اور حتی الامکان پوری احتیاط کے ساتھ اصل عربی عبارت کے صحیح مفہوم کو اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کسی فقرہ یا جملہ کا ترجمہ چھوڑا نہیں گیا ہے۔ جبکہ دیگر زبانوں میں اس قدر احتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ ترجمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

متن:

"واعلم ان الاذواق کلها فی معرفة البلاغة انما تحصل لمن خالط تلک اللغة وکثر استعماله لها و مخاطبته بین اجیالها حتی یحصل ملکتها کما قلناه فی اللغة العربیة ، فلایشعر الاندلسی بالبلاغة التی فی شعر اهل المغرب ولا المغربی بالبلاغة التی فی شعر اهل الاندلس والمشرق ولا المشرقی بالبلاغة التی فی شعر الاندلس والمغرب ۔ لان اللسان الحضری و تراکیبه مختلفه فیهم وکل واحد منهم مدرک لبلاغة لغته وذائق لمحاسن الشعر من اهل جلدته وفیخلق السماوات والارض و اختلاف السنتکم والوانکم آیات اللعالمین. وقد کدنا نخرج عن الغرض۔"(16)

ترجمہ:

"بلاغت کی معرفت کا ذوق کسے حاصل ہوتا ہے:

یاد رکھئے بلاغت کو پہچاننے کا ذوق انہی کو حاصل ہوتا ہے جو زبان میں ہر وقت گھسے رہتے ہیں اور اسے کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور اس میں اہل زبان سے گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ حتی کہ انہیں اس میں ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم عربی زبان کے سلسلے میں بتا آئے ہیں۔ اسی لئے مغرب والے اندلسیوں اور مشرقیوں کی بلاغت کو نہیں پہچانتے، اور نہ اندلس اور مشرق والے مغرب والوں کی بلاغت کو پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ان میں شعری زبان اور اس کی ترکیبیں مختلف ہیں۔ اور ہر ایک اپنی زبان کی بلاغت سے آشنا ہے اور اپنی زبان کے شعراء کے شعروں کے محاسن خوب پہچانتا ہے۔ بلاشبہ آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف میں اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں ، یہاں تک پہونچ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے موضوع سے باہر آجانا چاہتے ہیں"۔(17)

ترجمہ اچھا اور معیاری ہے، مرکزی اور ذیلی عناوین کی وجہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے، ترجمہ کے سلسلے میں خود مترجم نے جو بات لکھی ہے اسے یہاں نقل کرنا مناسب ہے وہ لکھتے ہیں:

"میں نے اس کتاب کا ترجمہ تین ماہ میں حق تعالیٰ کی توفیق سے مکمل کر کے 27 جولائی 1967ء میں فراغت پائی۔ میں نے اس ترجمہ کو حتی الامکان ٹھیٹ اردو زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے مگر چونکہ اردو زبان میں عربی کے 2/3 الفاظ مروج ہیں۔اس لئے اس میں عربی زبان کے بہت سے الفاظ آ گئے ہیں۔ خصوصاعلوم کی اصطلاحات تو تقریباسب ہی عربی سے لی گئی ہیں بہر حال یہ ترجمہ سلیس و شگفتہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم ہے مگر جہاں علمی دقیق مسائل ہیں اور اصطلاحات کی بھرمار ہے وہاں اسے علماء کے علاوہ عوام سمجھنے سے قاصر رہیں گے اور علماء بھی وہی سمجھ سکیں گے جن کی تمام علوم پر گہری نظر ہو گی"(18)

اس ترجمہ کے بارے میں راقم کا خیال یہ ہے کہ ترجمہ بلاشک وشبہ نہایت ہی عمدہ اور سلیس ہے پڑھنے میں نہ تو کوئی اکتاہٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی پریشانی،اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ ہر عنوان اور سرخی آدھا صفحہ یا ایک صفحہ کی ہے جس سے قاری اپنے مطلب کی چیز پڑھ کر دوسری چیزوں کو نظر انداز کر سکتا ہے۔دوسری بات جیسا کہ مترجم اور ناشر نے لکھی ہے کہ ترجمہ میں عربی زبان کے الفاظ و اصطلاحات بکثرت موجود ہیں ، موجودہ دور میں اس کی تسہیل ضروری معلوم ہوتی ہے ؛ لیکن چوں کہ ابن خلدون کا مقدمہ خالص علمی، فنی اور فلسفیانہ ہے اس لیے اہل علم کے لیے عربی الفاظ و اصطلاحات کا ترجمہ میں موجود ہونا حصول مقصد میں سدراہ نہیں ہے۔

مقدمہ ابن خلدون کا ایک قدیم ترجمہ:

مقدمہ ابن خلدون کا ایک دوسرا ترجمہ بھی کتب خانوں میں ملتا ہے، ترجمہ کا انداز، طباعت کا معیار اور انداز تحریر بتاتا ہے کہ یہ ترجمہ راغب رحمانی کے ترجمے سے پہلے کا ہے؛ لیکن اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے اس لیے قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کس سنہ کا ترجمہ ہے،اس ترجمہ کے مترجم مولانا سعد حسن خان یوسفی (فاضل الٰہیات) ہیں، یہ ترجمہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب۔ارام باغ کراچی سے شائع ہوا ہے، یہ ترجمہ بڑے سائز کے چھ سو چھ (606) صفحات پر پھیلا ہوا ہے، ترجمہ کے اخیر میں چند معلوماتی نقشے بھی شامل ہیں علاوہ ازیں ابن خلدون جس مکان میں پیدا ہوئے تھے اور جہاں تعلیم پائی تھی ان کی تصویر بھی ترجمہ کے اختتام پر شائع کی گئی ہے، آغاز ترجمہ میں ابن خلدون کے حالات و افکار پر مفصل بحث بھی کی گئی ہے۔

ما قبل میں ابن خلدون کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اسی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ترجمہ:

"جان لیجئے کہ ذوق سے بلاغت کی معرفت وشناخت اسی کو ہو سکتی ہے جو زبان سے گہری وابستگی رکھتا ہو، اس کے استعمال پر اس کو پورا پورا قابو ہو اور مزید برآں اہل زبان کے ساتھ شیر و شکر ہو کر زبان کا کامل ملکہ اس کو نصیب ہو گیا ہو؛ چنانچہ زبان مضری کے بیان کے ذیل میں اس کی پوری تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل اندلس اہل مغرب کی بلاغت سے ناآشنا ہیں اور اہل مغرب اہل اندلس و مشرق کی بلاغت سے نابلد۔ اور اسی طرح اہل مشرق اہل اندلس و مگرب کی بلاغت سے ناواقف اور بے خبر ہیں کیوں کہ آپ سابق اوراق میں پتہ لگا چکے ہیں کہ سب جگہ کی شہری زبان ایک نہیں بلکہ بھانت بھانت کی زبانیں رائج ہیں بس جس کی جو زبان ہے اور جس میں وہ پلا بڑھا ہے اسی کی بلاغت وحسن وخوبی کو وہ جان و پہچان سکتا ہے، دوسری زبانوں میں اس کو کیا یارا کہ ایسی مہارت پیدا کرے۔ اب ہم بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں کیوں کہ اگر اس میں کلام کو زیادہ طول دیتے ہیں تو شاید ہمارا قدم غرض کتاب سے باہر نکل جائے۔" (19)

مولانا سعد حسن خان یوسفی کا یہ ترجمہ ایک معیاری ترجمہ کا مصداق ہے، اس کی زبان، اردو ادب کی حلاوت و چاشنی، اور روزمرہ کے محاورات اور جملوں کا باہمی ربط ایسے اوصاف ہیں جو اسے راغب رحمانی کے ترجمہ پر فوقیت دیتے ہیں، مترجم نے نہ بہت اختصار سے کام لیا ہے اور نہ ہی ضروری اضافہ سے گریز کیا ہے، آپ سے ترجمہ کی نگاہ سے دیکھیں تو ترجمہ لگتا ہے اور اگر مستقل کتاب سمجھ کر پڑھیں تو مستقل کتاب پڑھنے کا مزہ بھی آتا ہے، اس ترجمہ کو جدید کتابت کے تقاضوں کے ساتھ شائع کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، یقیناً ترجمہ کی دنیا میں چند ترجمے ایسے ہیں جو مرور ایام کی وجہ سے گمنامی میں چلے گئے اور صرف قدیم ترین کتب خانوں کے رجسٹروں اور الماریوں میں موجود ہیں۔

راغب رحمانی صاحب نے ترجمے میں، متن میں مندرج آیت کریمہ کا ترجمہ بھی کیا ہے لیکن یوسفی صاحب نے اس کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے چوں کہ ابن خلدون نے استشہاد اور اپنے دعوے کی تایید اور دلیل میں وہ آیت ذکر کی ہے اس لیے یوسفی صاحب کو کم از کم آیت بعینہ نقل کرنی چاہیے تھی۔

2۔تاریخ ابن خلدون

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور تاریخ کی نہایت ہی اہم اور معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔دنیا کے سب سے بڑے مؤرخ بلکہ رئیس المؤرخین، علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحضری المغربی اس معرکۃ الآراء کتاب کے مصنف ہیں،ان کی پیدائش تونس میں یکم رمضان المبارک 732ھ مطابق 27 مئی 1332ء چہار شنبہ کے دن ہوئی تھی اور وفات رمضان المبارک 808ھ بمطابق 1406ء میں قاہرہ، مصر میں ہوئی۔علامہ ابن خلدون نہ صرف وقت کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ وہ نہایت ہی ذہین وفطین فقیہ اور ماہر قانون داں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سیاسی مبصر بھی تھے،ایک مدت دراز تک سلاطین وقت کے ساتھ رہ کر کامیاب سفارت کار، مشیر حکومت اور قاضی کے فرائض انجام دینے کے بعد سیاسی زندگی سے بیزار ہو کر قلعہ ابن سلامہ پہونچ گئے،اسی قلعہ میں وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر اور دنیا کے بکھیڑوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر کے چار سال تک مقیم رہ کر اس عظیم الشان تاریخ کی تصنیف کے ساتھ اس کا مقدمہ مرتب کیا۔وہ خود اپنی زندگی کی اس حالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

" میں نے تمام دنیا کے بکھیڑوں سے الگ ہو کر اس کتاب کی تالیف وتصنیف کا سلسلہ شروع کیا اور جس نئے اسلوب سے میں نے اس مقدمے کو تکمیل تک پہنچایا، وہ اسی گوشہ نشین زندگی کی یادگار ہے"

بالآخر 1378ء میں 26 سال کی جہاں گردی کے بعد اپنے وطن لوٹ کر پورے انہماک کے ساتھ چار سال میں اس کی تصنیف مکمل کر دی۔اگرچہ علامہ ابن خلدون نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لیکن قلعہ میں چار سال بیٹھ کر سیاست کی وہ خدمات انجام دی تھیں جو دنیا بھر میں چل کر سیاسی مناصب حاصل کر لینے یا سیاسی تحریکات میں شریک وشامل رہنے سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔جس سے آج پوری دنیا کے مؤرخین چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت اور ملک سے تعلق رکھتے ہوں فوائد حاصل کر رہے ہیں اور ان کے رہین منت ہیں۔

مذکورہ کتاب " تاریخ ابن خلدون " کے نام سے مشہور ومعروف ہے لیکن اس کتاب کا مکمل عربی نام "کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ملوک التتر"ہے۔بعض جگہ "من ملوک التتر" کی جگہ " من ذوی السلطان الاکبر " موجود ہے۔

بنیادی طور پر علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔اس کی تاریخ کا پہلا حصہ مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے جس میں عمرانیات،اجتماعیات،اقتصادیات،سیاسیات اور تعلیمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اس کے دوسرے حصے میں انہوں نے مختلف عرب قبیلوں کی روایات اور اخبارات کو جمع کرنے کے ساتھ زمانہ قدیم سے لے کر ان کے زمانے تک عربوں نے دنیا کے جن علاقوں میں حکومتیں اور سلطنتیں قائم کی تھیں ان کی تفصیلات کو جمع کیا گیا ہے نیز دنیا کی دوسری متمدن اور مہذب قوموں کے حالات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔اور تیسرا حصہ اقوام بربر کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔جس میں شمالی افریقہ کے مختلف حکومتوں کے نظم ونسق اور دیگر چیزوں سے بحث کی گئی ہے۔تاریخ کے اس حصہ کو ہمعصر تاریخ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اسے انہوں نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد لکھا ہے یاد رہے اس سے پہلے ہمعصر تاریخ نہیں لکھی گئی۔

بحیثیت مجموعی علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا لیکن بعد میں انہوں نے مقدمہ کو چھوڑ کر نفس تاریخ کو سات جلدوں میں تقسیم کیا جس کا اردو ترجمہ بھی نفیس اکیڈیمی کی جانب سے 7 جلدوں میں طبع کیا گیا۔یہاں ان ہی تاریخی سات جلدوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

تاریخ ابن خلدون کی خصوصیات: علامہ ابن خلدون کی تاریخ بہت ساری خوبیوں اور خصوصیتوں کی حامل ہے ان گنت لوگوں نے بے شمار خصوصیات اس کے بارے میں لکھی ہیں یہاں اس بات کی گنجائش نہیں کہ ان تمام کا احاطہ کیا جائے لیکن مناسب ہے کہ کچھ خصوصیات کو ضرور بیان کیا جائے تاکہ اس تاریخ کی قدر و منزلت اور اہمیت قارئین کے سامنے ظاہر ہو۔ابن خلدون کی تاریخ کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ مصنف ایک حکومت کے حالات و واقعات بیان کرنے کے بعد جب دوسری حکومت کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا بیان ایک نئی فصل سے کرتا ہے اور اس فصل کے شروع میں فلسفیانہ تمہید بھی ہوتی ہے جو یقیناً اس کا حصہ ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس جامعیت اور تفصیلات کے ساتھ اس میں فارسیوں، یونانیوں،ایرانیوں، حبشیوں،رومیوں، مصریوں،ہندوستانیوں اور ترکوں وغیرہ کے حالات و واقعات ملتے ہیں دوسری تاریخی کتابوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔اور ایک اہم خوبی یہ ہے کہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں نہ صرف قبیلوں،

بادشاہوں اور امیروں کی حکومتوں کے حالات و حوادث کو بیان کرتے ہیں بلکہ اس زمانے کی سلطنتوں کے تہذیبی اور تمدنی حالات کیا تھے نیز ان سلطنتوں نے کن علوم پر توجہ مرکوز کی تھی اور کس طرح کے افکار و خیالات پنپ رہے تھے ان ساری باتوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ الغرض ابن خلدون جہاں تاریخی حالات و واقعات کو قلم بند کرتے ہیں، وہاں سماجی، اقتصادی اور معاشرتی تقاضوں کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک اہم خصوصیت اس کتاب کی یہ بھی ہے کہ ابن خلدون کسی بھی واقعات و حوادث کو بیان کرنے کے ساتھ اس کے اسباب و علل کو بھی بیان کرتے ہیں نیز ان دونوں کے درمیان باہمی ربط بھی متعین کرتے ہیں، اس سے ان کی بے مثل مورخانہ حیثیت کا نہ صرف پتہ چلتا ہے بلکہ وہ اور ان سے پہلے کے مؤرخین کے درمیان امتیاز بھی ہو جاتا ہے۔

تاریخ ابن خلدون کی اہمیت: تاریخ ابن خلدون پہلی آٹھ صدیوں پر محیط ہے اور پورے وسطی ایشیاء کے مسلم سلاطین اور ملوک کے حالات و کوائف پر روشنی ڈالتی ہے اس حیثیت سے اسے دیگر اہم کتب تواریخ میں زمانی اور موضوعاتی اعتبار سے تقدم اور فوقیت حاصل ہے۔ ابن خلدون نے ایک طرف تسلسل زمانی کو ملحوظ رکھا ہے تو دوسری طرف حکمرانوں اور سلاطین کا ذکر زمانے کے تسلسل اور ترتیب کے مطابق کیا ہے جس کی بناء پر قارئین تاریخ کو کسی قسم کی دشواری اور الجھن نہیں ہوتی ہے۔ تاریخ ابن خلدون کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مقدمہ اور نفس تاریخ دونوں کا دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے ترجمے اردو کے ساتھ انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان میں بھی ملتے ہیں۔

اس کا مکمل اردو ترجمہ سات مجلد کتابوں میں نفیس اکیڈیمی کراچی نے شائع کیا ہے جس کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور متعدد مترجمین کے ذریعے اسے تکمیل تک پہونچایا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگرچہ نفیس اکیڈیمی نے صرف سات جلدوں کو شائع کیا ہے اور اس کی پہلی جلد کی ابتداء" رسول اور خلفاء رسول کے تذکرہ "سے ہوتی ہے لیکن اس سے پہلے اور بھی دو ترجمہ شدہ جلدیں ہیں جیسا کہ مترجم اور اس کے ناشر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ان دونوں جلدوں میں "تاریخ قبل از اسلام" اور تاریخ الانبیاء" کے بارے میں تاریخی باتیں بیان کی گئی ہیں تاہم مذکورہ اکیڈیمی نے پہلی جلد" رسول اور خلفاء رسول "کو بتایا ہے۔ جو کہ مترجم کے حساب سے

تیسری جلد ہے اس کی بھی وضاحت دیباچہ میں موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ " قبل اس کے معتبر و مستند تاریخ کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر تالیف الشیخ الامام علامہ عبدالرحمن ابن خلدون مغربی (رحمۃاللہ علیہ) کے ترجمہ کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ کتاب مذکور کے ترجمہ کی تیسری جلد ہے جس میں حالات و مذاہب عرب قبل از اسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و تربیت و نبوت و معراج و ہجرت و بالترتیب سنہ وار غزوات کے تفصیلی حالات تا خلافت سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) مندرج ہیں۔ جبکہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے مترجم موصوف کے ترجمہ کی پہلی جلد " تاریخ قبل از اسلام " کو شائع کیا ہے اس کے بعد کی دیگر جلدوں کی اشاعت شاید زیر طبع ہے۔ تاریخ قبل از اسلام کا تعارف ہم اخیر میں پیش کریں گے۔

یہاں نفیس اکیڈیمی کی جانب سے شائع شدہ سات جلدوں کا تفصیلی جائزہ ذیل کے سطروں میں بیان کیا جارہا ہے۔

جلد اول (رسول و خلفائے رسول کے حالات): اس جلد میں دو حصے شامل ہیں یعنی حصہ اول و دوم اور دونوں حصے کے مترجم علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی ہیں خاص بات یہ ہے کہ تاریخ ابن خلدون کا یہ سب سے پہلا اردو ترجمہ ہے اور اس کی تبویب اور ترتیب کا کام بڑی محنت اور عالمانہ قابلیت اور حسن و خوبی کے ساتھ مولوی شبیر حسین قریشی صاحب ایم۔اے لیکچرار اردو کالج کراچی نے انجام دیا ہے۔اس کی طباعت نفیس اکیڈیمی اردو بازار کراچی سے دسویں مرتبہ سپتمبر 1986ء میں عمل میں آئی ہے۔اس کے صفحات 988 ہیں۔ پہلا حصہ رسول اور خلفاء رسول کے بارے میں 22 ابواب پر مشتمل ہے جس میں تفصیلی طور پر قبل ولادت باسعادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر 40 ھجری تک کے حوادث و واقعات، سیرت طیبہ کے مبارک حالات، خلفاء راشدین کی تابناک زندگیاں، مسلمانوں کے کارنامے اور اس عہد زریں کے واقعات پوری تفصیل و توضیح کے ساتھ موجود ہیں، آخری باب میں خوارج اور جنگ نیروان کا واقعہ موجود ہے۔

اور دوسرا حصہ خلافت معاویہ اور آل مروان کے بارے میں کل پندرہ ابواب پر مشتمل ہے جس کے اہم مضامین یہ ہیں، 41 ھجری میں حضرت حسن کی صلح اور حضرت معاویہ کی خلافت عامہ سے لے کر 132 ھجری تک

کے مکمل حالات،واقعات اور حوادث اور ان کے اسباب و نتائج پر بحث کی گئی ہے اور اسلامی تاریخ کے سب سے درخشاں دور حکمرانی و کشور کشائی کا پورا نقشہ موجود ہے۔اور آخری باب خوارج کے بارے میں ہے۔

اس جلد کے دونوں حصوں کے ترجمہ کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ترجمہ سلیس اور عمدہ ہے، ترجمہ میں چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات بے شمار ہیں ایک ہی صفحہ میں کہیں دو اور کہیں تین عنوانات کی وجہ سے ترجمہ پڑھنے میں کوئی اکتا ہٹ نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے اسے ذہن نشین کرنا آسان ہو جاتا ہے نیز اپنی پسند کی چیزوں کو پڑھ کر غیر ضروری چیزوں سے بچا جاسکتا ہے اور وقت کا ضیاع کم سے کم ہو سکتا ہے۔اور کچھ جگہوں میں حاشیہ بھی لگایا گیا ہے جس میں کسی اہم نکتہ کی وضاحت ہے جیسے کسی جنگ و غیرہ کی تفصیل اور اس کا نام و غیرہ۔ نیز اس میں علامہ عبد القدوس ہاشمی صاحب کی جانب سے لکھا گیا پیش لفظ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ نے اس جلد کے دونوں حصوں کے شروع میں جو پیش لفظ لکھا ہے وہ پورے حصہ کے ترجمہ کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے اس کا فائدہ جو میں نے محسوس کیا وہ یہ ہے کہ اس سے ترجمہ پڑھنے کی جانب دل کا میلان ہوتا ہے اور بوقت مطالعہ کن چیزوں پر توجہ اور اہمیت دینی ہے اس کی جانب بھی یہ پیش لفظ اشارہ کرتا ہے۔

اس ترجمہ کو لفظی یا با محاورہ ترجمہ نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ آزاد ترجمہ کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ عربی متن میں بہت سارے واقعات کو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن مترجم نے ان سارے واقعات کو دیگر کتب تواریخ کی مدد سے بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ اردو داں طبقہ اور قارئین بہتر طور پر اسے سمجھ سکیں۔ دیباچہ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ مناسب ہے کہ وہ اقتباس یہاں لکھا جائے:

" اگرچہ علامہ مورخ نے اسلامی تاریخ کو بھی اور واقعات کی طرح کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے، لیکن میں نے ان کو بغرض انبساط قدر دانان فن تاریخ نہایت بسط و تفصیل سے تحریر کیا ہے جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ 84 صفحات کا ترجمہ 382 صفحات میں کیا گیا ہے، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد تالیف ابن قیم جوزی دمشقی، سیرہ ابن ہشام، کامل ابن اثیر، ابوالفداء، فتوح البلدان وغیرہ سے میں نے اکثر مقامات پر مدد لی ہے۔"(2)

علامہ حکیم احمد حسین عثمانی کے ترجمہ کا طریقہ کار: علامہ نے اپنے ترجمہ کی پہلی جلد کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "میں نے اس مشہور قابل قدر تاریخ کا ترجمہ لفظی نہیں کیا۔۔۔"اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ کے پیش

نظر ترجمہ کا مقصد دراصل ترسیل وابلاغ تھا، یعنی منشاء مصنف سمجھ کر اس کے مطابق تحریر کی آراستگی ہو۔اس وجہ سے علامہ حکیم احمد حسین عثمانی نے لفظ بہ لفظ ترجمے پر زور نہ دے کر ترسیل معنی کا لحاظ رکھا۔

ترجمے کو اصل عبارت سے تقابل کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے بہت سی جگہوں میں نہ صرف ابن خلدون کی عربی عبارت کو نظر انداز کیا ہے بلکہ کئی جگہ پیرا گراف حتی کہ پورا صفحہ بھی چھوڑ دیا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ علامہ نے مفہوم پر مبنی ترجمہ کا کام انجام دیا ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ علامہ کے پیش نظر ترجمہ کا مقصد واقعات کی تلخیص تھا۔البتہ واقعات کے تسلسل کا لحاظ برقرار رکھا گیا ہے۔علامہ نے واضح طور پر لکھا ہے:

"یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ لفظی ترجمہ ہم نہ کریں گے اور نہ اختلافات سے چنداں بحث کریں گے، مطلب کی بات ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور نہ کوئی تاریخی واقعہ فرو گزاشت کریں گے۔اکثر مقامات پر ہم اپنے مشہور مؤرخ ابن خلدون سے بھی علاحدہ ہو کر گزر جائیں گے لیکن نہ ایسا کہ مطلب خبط اور عبارت بے ربط ہو جائے اور قدر دان فن تاریخ کو دلچسپی نہ ہو۔(3)

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ مترجم موصوف نے آزاد ترجمہ کا طریقہ کار اپنایا ہے اور تاریخی واقعات بیان کرنے میں بہت زیادہ تفصیل پیش کی ہے جس سے نہ صرف ہر بات واضح ہو جاتی ہے بلکہ ترجمہ سے زیادہ اس کے اصل طبع زاد کتاب ہونے کا شائبہ ہوتا ہے۔بطور نمونہ اصل عبارت کے ساتھ ترجمہ کا ایک اقتباس لکھا جاتا ہے:

عربی متن:

"لمااستقرامرقریش بمکۃ علی ما استقر ، وافترقت قبائل مضر فی ادنیٰ مدن الشام والعراق ومادونهما من الحجاز فکانوا ظعونا واحیاء وکان جمیعهم بمسغبۃ وفی جهد من العیش بحرب بلادهم وحرب فارس والروم علیٰ تلول العراق والشام و اربابهما ینزلون حامیتهم بثغورها ویجهزون کتائبهم بتخومها ویولون علی العرب من رجالاتهم وبیوت العصائب منهم من یسومهم القهر ویحملهم علیٰ الانقیاد حتیٰ یؤتوا جبایۃ السلطان الاعظم واتاوۃ العرب ویؤدوا ماعلیهم من الدماء والطوائل من یسترهن ابناءهم علیٰ السلم و کف العادیۃ ومن انتجاع الارباب و میرۃ الاقوات والعساکر من وراء ذالک توقع بمن منع الخراج و تستاصل من یروم الفساد ۔وکان امر مضر راجعا فی ذالک الیٰ ملوک کندۃ بنی حجر آکل المرار منذ ولاہ علیهم تبع حسان کما ذکرناہ ۔"(4)

اردو ترجمہ:

"باب 1 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

زمانہ قبل از اسلام: اگرچہ قریش کو مکہ میں ایک گونہ حکومت حاصل ہوگئی اور قبائل مضر اطراف وجوانب ممالک شام وعراق میں اور کچھ حجاز میں بھی منتشر ومتفرق ہوگئے اور بعض ان میں سے بادیہ نشین وخانہ بدوش ہوگئے اور بعض اسباب عشرت اور سامان تمدن کے فراہمی میں مصروف ہوئے، کبھی یہ فارس وروم سے عراق وشام کے میدانوں میں لڑتے نظر آتے تھے، اور گاہے اپنے حدود کی حفاظت کی غرض سے اپنی قوم کو جمع کرکے اہل عراق وشام سے برسر مقابلہ دکھائی دیتے تھے۔ ان لڑائیوں اور خون ریزی میں کبھی یہ مغلوب ہوکر خراج گذاری پر مجبور ہوجاتے تھے لیکن جب کبھی پھر کوئی موقع ہاتھ آجاتا تھا تو خراج گزاری اور اطاعت شاہی سے منحرف ہوکر مخالفت کر بیٹھتے تھے الغرض ٹھنڈے کلیجے نہ یہ خود پانی پیتے تھے اور نہ پینے دیتے تھے، ہمیشہ شاہان عراق وشام کو استیصال فساد واطفاء، نایرہ فتنہ میں رہنا پڑتا تھا۔ ان کل امور میں قبائل مضر، ملوک کندہ، بنو حجر آکل المرار کی طرف رجوع کرتے تھے اس زمانہ سے کہ تبع حسان نے ان کو گورنر مقرر کیا تھا۔"(5)

2 جلد دوم حصہ سوم وچہارم (خلافت بنو عباس کے عروج وزوال کی مکمل داستان):

اس جلد کے حصہ سوم وچہارم کے مترجم بھی علامہ احمد حسین الہ آبادی ہیں اور اس کی طباعت سوم جولائی 1987ء میں ہوئی ہے اور کل صفحات 824 ہیں۔ بنیادی طور پر اس جلد میں اس دور حکومت کے عروج وزوال کی پوری داستان ہے جو تاریخ اسلام میں خلافت بنی عباس کا زمانہ کہلاتا ہے اس کے پہلے حصہ کو پڑھ کر یہ معلومات حاصل ہوں گی کہ خلافت عباسیہ کن حالات واسباب کی بناء پر قائم ہوئی۔ اور اسے عروج کیسے حاصل ہوا جس کے کچھ اہم مضامین یہ ہیں: خلافت عباسیہ کے بانی المنصور السفاح کی سفاکی، اسلامی سلطنت کے لئے دار الخلافہ عروس البلاد یعنی بغداد کی تعمیر، ابو مسلم خراسانی کی سرکشی، نبوت کے دو دعویدار، ابن مقفع کا خروج، مشرقی دنیا کے نامور خانوادے البرامکہ کی تباہی، ہارون الرشید کے دونوں بیٹوں امین ومامون کی کشمکش سے لے کر المعتضد مکتفی باللہ تک کے تمدن آفریں دور کے حالات وواقعات وغیرہ مذکورہ بالا باتوں کو مترجم نے 19 ابواب میں ذکر کیا ہے۔ جس میں پہلا باب

تحریک شیعان علی اور واقعہ قرطاس سے شروع ہوتا ہے اور انیسواں باب ابو العباس اور زنگیوں میں معرکہ کے حالات کا تذکرہ کرنے کے بعد اختتام کو پہونچتا ہے۔

حصہ چہارم میں خلافت عباسیہ کے دار الحکومت بغداد اور اس کے زوال کی پوری داستان کا بیان 36 ابواب پر مشتمل ہے اس کا پہلا باب احمد معتضد باللہ (279ھ تا 289ھ) کے بارے میں ہے جبکہ آخری باب منصور بن ظاہر مستنصر باللہ کے بارے میں ہے۔ اس حصہ میں علامہ ابن خلدون نے اپنی خداداد قابلیت اور حقیقت شناسی کے جوہر کے ذریعے زوال بغداد کی ابتداء سے اس وقت تک کے حالات و واقعات اور حوادث کو بیان کیا ہے۔

3 جلد سوم حصہ پنجم و ششم (امیران اندلس و خلفائے مصر اور غزنوی و غوری سلاطین کے حالات) :

حصہ پنجم میں امیران اندلس اور خلفائے مصر کے حالات و واقعات مذکور ہیں۔ یہ حصہ 55 ابواب پر مشتمل ہے اس کا پہلا باب دولت علویہ اور آخری باب امارت حلہ اور دولت بنو مزید کے بارے میں ہے جس کے کچھ اہم مضامین یہ ہیں: امیر عبد الرحمن الداخل سے لے کر آخری دور زوال تک گلستان اندلس کی کہانی، ایک بے مثال تمدن کی ابتداء و انتہاء، مشرقی خلافت کے اندر فرقوں کی پیداوار، ترکوں کی یلغار، فاطمیوں کے عروج و زوال کی داستان اور تاتاریوں و ہلاکو خان کے واقعات نیز اسی قسم کے لاکھوں دلچسپ واقعات کو بھی دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ رواں، بے ساختہ اور بامحاورہ ہے۔

حصہ ششم (غزنوی اور غوری سلاطین) اس حصہ میں تفصیل کے ساتھ فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی اور ہندوستان میں پہلی سلطنت کے بانی شہاب الدین غوری کی فتوحات کے مستند حالات کا بیان ہے ان مذکورہ بالا باتوں کو بیان کرنے کے لئے اس حصہ کو 26 ابواب مین تقسیم کیا گیا ہے اس حصہ کی شروعات امارت بنی مزید کے حالات سے ہوتی ہے اور آخر میں امارت دینور و صامغان کا تذکرہ ہے جس میں بطور خاص سلطان محمود غزنوی کے ذریعہ ہونے والے سومناتھ مندر کے انہدام کا واقعہ بھی مذکور ہے۔

اس جلد کا ترجمہ بھی مذکورہ مترجم نے کیا ہے اور اس کی اشاعت بھی دسویں مرتبہ 1988ء میں مذکورہ اکیڈمی سے ہوئی ہے اس کے مکمل صفحات 1092 ہیں۔

جلد چہارم حصہ ہفتم و ہشتم (سلجوقی، خوارزم شاہی سلاطین اور زنگی صلاح الدین ایوبی کے حالات):

اس جلد میں دو حصہ یعنی ہفتم و ہشتم ایک جگہ شامل ہیں۔ حصہ ہفتم کے مترجم بھی علامہ احمد حسین الہ آبادی ہیں جبکہ حصہ ششم کے مترجم "حافظ سید رشید احمد ارشد صاحب ایم۔اے ہیں جو کراچی یونیورسیٹی کے سابق صدر شعبہ عربی تھے۔اس جلد کی ساتویں مرتبہ اشاعت مئی 1982ء میں ہوئی ہے۔اس کے صفحات 776 ہیں۔

حصہ ہفتم دس ابواب پر مشتمل ہے باب اول میں دولت سلجوقیہ کے سلطان محمد شاہ اور باب آخر میں جلال الدین منکبرس بن علاؤالدین محمد کا تذکرہ ہے درمیان مین سلجوقی و خوارزم شاہی خانوادوں کے حالات و کوائف، خانہ جنگیوں، عیسائیوں کا مقابلہ، کفار کرج، اور قفچائی کی جدوجہد، ترکوں کی یورش، تاجداران سلجوقیہ اور ملوک خوارزم کی مدافعانہ کوششیں، چنگیز خان کا عروج، تاتاریوں کا عالمی طوفان، اور ممالک اسلامیہ کی تباہی و بربادی کی عبرتناک داستان کی تفصیلات موجود ہیں جس سے کسی قوم کی گری ہوئی حالت سنوارنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کا سبق ملتا ہے۔

حصہ ہشتم نو ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب شام میں بنو تتش کی سلطنت اور فتح دمشق و حلب کی جنگ کے بارے میں ہے اور نواں باب ملک عادل کے عہد حکومت اور تقی الدین کا مقبوضہ علاقہ وغیرہ کے بارے میں ہے۔

اس آٹھویں حصہ کا ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشد نے کیا ہے، انہوں نے اپنے ترجمہ میں کس طریقہ کار کو اپنا یا ہے اور ترجمہ کی نوعیت کیا ہے ان باتوں کو جاننے کے لئے مختصر عربی عبارت کے ساتھ ترجمہ کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

متن:

"الخبر عن دولة بنى تتش بن البارسلان ببلاد الشام دمشق وحلب واعمالهما وكيف تناوبوا فيها القيام بالدعوة العباسية والدعوة العلوية الى حين انقراض امرهم۔

قد تقدم لنا استيلاء السلجوقية على الشام لاول دولتهم وكيف سار اتسز بن ارتق الخوارزمى من امراء السلطان ملک شاه الى فلسطين ، ففتح الرملة و بيت المقدس واقام فيهما الدعوة العباسية و محا الدعوة العلوية ثم حاصر دمشق و ذالک سنة ثلاث و ستين و اربعماة ثم اقام بردد الحصار على دمشق حتى ملكها سنة ثمان و ستين وسار الى مصر سنة تسع و ستين و حاصرها و عاد منها وولى السلطان

ملک شاہ بعد ابیہ البارسلان سنۃ خمس و ستین فاقطع اخاہ تتش بلاد الشام وما یفتحہ من تلک النواحی سنۃ سبعین واربع مائۃ فسار الی حلب و حاصرھا وکان امیر الجیوش بدر الجمالی قد بعث العساکر لحصار دمشق وبھا اتسز فبعث بالصریح الی تاج الدولۃ تتش فسار لنصرتہ و اجفلت عساکر مصر وخرج اتسز لتلقیہ فتعلل علیہ ببطئہ عن تلقیہ و قتلہ واستولیٰ علیٰ دمشق وقد تقدم ذلک کلہ (6)

ترجمہ:

"باب اول: شام میں بنو تتش کی سلطنت:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلجوقی سلاطین اپنے ابتدائی دور میں شام پر قابض ہو چکے تھے اور سلطان ملک شاہ کا ایک حاکم اتسز بن ارتق الخوارزمی نے فلسطین کی طرف لشکر کشی کی اور اس نے رملہ اور بیت المقدس کو فتح کر لیا تھا اور وہاں اس نے فاطمی حکومت کی خلافت کی تحریک ختم کرا کر عباسی خلافت کے ماتحت اس علاقہ کو مطیع کر دیا تھا اس کے بعد اس نے دمشق کا محاصرہ کیا یہ واقعہ 463ھ میں ہوا۔ پھر وہ بار بار دمشق کا محاصرہ کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے 468ھ میں دمشق پر قبضہ کر لیا پھر 469ھ میں اس نے مصر کی طرف لشکر کشی کی اور اس کا محاصرہ کیا اور وہاں سے لوٹ آیا۔

فتح دمشق: سلطان الپ ارسلان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان ملک شاہ 465ھ میں تخت نشین ہوا تھا اس نے اپنے بھائی تتش کو شام اور اس سے متعلقہ علاقوں کا حاکم بنا دیا تھا اور 470ھ میں اسے ان سب علاقوں کو اپنے قبضہ میں لینے کا اختیار دے دیا تھا لہذا اس نے حلب کی طرف فوج کشی کی اور اس کا محاصرہ کر لیا اس عرصہ میں مصری سپہ سالار بدر الجمالی نے دمشق کے محاصرہ کے لئے اپنی فوج بھیج رکھی تھیں دمشق اتسز کے قبضہ میں تھا اس نے تاج الدولہ تتش سے امداد طلب کی اور وہ لشکر لے کر اس کی مدد کے لئے روانہ ہوا اتنے میں مصری فوجیں رک گئیں اس کے بعد اتسز دمشق کے شہر سے تتش کی ملاقات کے لئے باہر نکلا تتش نے اطاعت کرتے ہوئے تامل اور تاخیر پر اسے ملامت کی اور قتل کر دیا اس کے بعد وہ خود دمشق پر قابض ہو گیا یہ واقعات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔"(7)

اگر اصل عربی عبارت سے تقابل کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے افہام و تفہیم کے لیے حذف و اضافہ سے کام لیا ہے چوں کہ ترجمے میں چھوٹے چھوٹے جملے ہیں اس لیے ترجمے میں روانی برقرار ہے اگر پوری عبارت کا من و عن ترجمہ کیا جاتا تو اردو داں طبقہ کے لیے استفادہ بہت آسان نہیں ہوتا، تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترجمہ کے بجائے مستقل کتاب لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مترجم نے ترجمہ کے آغاز میں ترجمے کی خصوصیات و مشکلات کا تذکرہ کیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مجھے سلیس اردو ترجمہ کرنے کے ساتھ اصل متن کی اغلاط اور سنین کو درست کرنا پڑا اور خالی جگہوں کو مکمل کرنے کے لیے مستند تاریخی کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی کیوں کہ صحیح نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا ضروری تھا طوالت سے بچنے کے لیے ہر مقام پر حاشیہ کے ذریعہ ان کی نشاندہی مشکل تھی اس لیے جہاں بہت ضرورت محسوس ہوئی وہاں ہم نے حاشیہ میں عبارت کے ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور تاریخی کتب کا حوالہ بھی دیا ہے۔۔۔۔

مزید لکھتے ہیں:

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تاریخی واقعات کی عبارت کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد قارئین کو نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں سمجھانے کی کوشش کی ہے لہذا عربی زبان کے عام ترجموں کی طرح ہم نے ترجمہ کو گنجلک، مبہم اور غیر واضح نہیں رہنے دیا ہے بلکہ مؤرخ اعظم کے خیالات اور تاریخی واقعات کو منفرد انداز میں مختصر مگر واضح طور پر بیان کیا ہے اور جہاں ضرورت سمجھی گئی وہاں قوسین کے ذریعے مناسب تشریح کی گئی ہے"۔(8)

جلد پنجم حصہ نہم و دہم (سلاطین ممالیک بحریہ مصر کی 648تا778 تفصیلی حالات) ان دونوں حصوں کا ترجمہ اور تبویب و ترتیب کا کام بھی حافظ سید رشید احمد ارشد صاحب نے انجام دیا ہے نیز انہوں نے ایک تکملہ بھی لکھا ہے۔اس کی بھی چھٹی اشاعت اپریل 1983ء میں نفیس اکیڈیمی آفسٹ پرنٹرز کراچی سے عمل میں آئی ہے۔اس جلد کے حصہ نہم میں مصر وشام کے متحدہ اسلامی سلاطین بحریہ کے حالات بالتفصیل موجود ہیں اور اس میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ سقوط بغداد کے بعد کس طرح سلاطین مصر نے ہلاکو خان اور تاتاریوں کے لشکروں کو شکست فاش دے کر ہمکنار کیا اور پوری اسلامی سلطنت کو بشمول مصر وشام ان کے شر سے نجات دلائی تھی۔ان حالات وواقعات کو پڑھ کر ان کی طاقت و قوت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں ان کے علاوہ کسی میں بھی تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت وطاقت نہیں تھی نیز اس حصہ میں اس بات کی بھی منظر کشی کی گئی ہے کہ اسلامی سلطنت کی تباہی و بربادی کے بعد اگرچہ مصر میں برائے نام اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی تاہم اس زمانے میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اسی وجہ سے اسلامی مملکت کے علماء وفضلاء اپنے ملکوں سے ترک وطن کر کے یہاں پہونچے اور اسلامی علوم وفنون کو جلا بخشی۔

حصہ دہم میں اسی زمانے میں قائم شدہ مغل مسلمان بادشاہوں کی سلطنتوں کے حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جن مغل بادشاہوں نے ایران، عراق، ترکستان اور بلاد روم میں اپنی الگ سلطنتیں قائم کرلی تھیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا تھا کہ اس جلد کے آخر میں ایک تکملہ وضمیمہ بھی ہے جو مترجم نے اپنی جانب سے لکھا ہے اس میں انہوں نے اس زمانے کے قائم کردہ مدارس، علمی خدمات اور فن تعمیر کے یادگار کارناموں کے بارے میں تذکرہ کیا ہے۔

ترجمہ کے امتیازات: اس جلد کے مترجم مولانا سید رشید احمد ارشد نے ترجمہ کو بامحاورہ، سلیس اور شستہ بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے انہوں نے اس جلد کے اردو ترجمہ کرنے میں بولاق اور بیروت کے دونوں عربی ایڈیشنوں سے مدد لی ہے اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ انہوں نے اصل عربی متن میں تاریخ کی اغلاط اور بھول چوک کی تصحیح بھی کردی ہے۔مذکورہ بالا دونوں عربی ایڈیشنوں میں بہت سی جگہ بیاض یعنی خالی جگہ موجود تھی مترجم موصوف نے سیاق وسباق سے دیگر اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ان جگہوں کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح عربی متن میں صرف چند ہی طویل عنوانات تھے اور اس میں پیراگراف، ذیلی عنوانات اور ابواب بندی کی کمی تھی مترجم نے ان مذکورہ خامیوں کو دور کرتے ہوئے ہر مضمون کے لئے نیا پیراگراف اور ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں تاکہ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو مطلوبہ اور پسندیدہ مواد حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ نفیس اکیڈیمی کراچی کے مالک" چوہدری طارق اقبال گاہندری نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"فاضل مترجم نے نہ صرف اس کتاب کا بامحاورہ، سلیس اور شستہ ترجمہ ہی کیا ہے بلکہ اصل عربی تاریخ کی اغلاط اور فرو گزاشتوں کی تصحیح بھی کی ہے اس سلسلے میں انہوں نے بولاق اور بیروت کے دونوں ایڈیشنوں سے مدد لی ہے۔اصل کتاب میں نہ پیراگراف تھے اور نہ ذیلی عنوانات تھے اور نہ ابواب مقرر کئے گئے تھے مگر مترجم موصوف نے ترجمہء کتاب میں ہر سلطنت کے حالات ایک جداگانہ باب کے تحت ترتیب دیئے ہیں اور ہر نئے مضمون کے لئے جدا پیراگراف متعین کرکے ان کے لئے مناسب ذیلی عنوانات قائم کئے نیز بڑے بڑے عنوانات کے تحت چھوٹے عنوانات قائم کئے تاکہ عام قارئین کرام بالخصوص تاریخ اسلام کے طلبہ کو تاریخی مواد تلاش کرنے اور واقعات کا خلاصہ کرنے میں سہولت ہو۔" (9)

جلد ششم حصہ یازدہم (شمالی افریقہ میں بربر قبائل اور ان کے حکمرانوں کے حالات)اس جلد کا ترجمہ اور ابواب بندی دونوں کام مولانا اختر فتح پوری نے کیے ہیں نفیس اکیڈیمی کی جانب سے اس کی اشاعت اول ڈسمبر 1985ء میں ہوئی ہے اور یہ 588 صفحات پر مشتمل ہے۔تاریخ ابن خلدون کا یہ گیارہواں حصہ جملہ 60ابواب پر منقسم ہے،اس کا پہلا باب عرب مستعجمہ اور آخری باب بنی یملول،بنی خلف اور بنی ابی المنیع کے احوال پر مشتمل ہے۔ اور اس میں خاص طور سے مصر اور افریقہ کی قوموں اور حکمرانوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔جیسا کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اپنا آخری زمانہ انہی علاقوں میں بسر کیا تھااور وہیں وفات بھی ہوئی تھی۔اس لیے اس حصہ میں انہوں نے افریقہ اور مصر کے ان تمام خاندانوں اور حکمرانوں کے احوال ذکر کیے ہیں جن بادشاہوں نے شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں میں حکومتیں قائم کی تھیں۔تاریخ ابن خلدون کا یہ وہ تاریخی مواد ہے جو علامہ ابن خلدون کی تحقیق، تجربہ اور مشاہدہ پر مشتمل ہے جس سے اس حصہ کی تاریخی اہمیت دیگر حصوں پر بڑھ جاتی ہے۔ چودھری طارق اقبال لکھتے ہیں:

"میں نے ان مجلدات کو حاصل کرنے کے بعد اسے ترجمہ کے لیے مولوی اختر فتح پوری کے حوالے کیا وہ عربی کے ماہر اور بہترین مترجم ہیں انہوں نے انتہائی دلچسپی اور دلجمعی سے اس کا ترجمہ کیا جو پہلی مرتبہ اردو میں منتقل ہو رہا ہے۔ " (10)

اس حصے کے مترجم مولانا اختر فتح پوری عربی زبان کے بڑے ماہر اور بہترین مترجم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ موصوف نے بہتر اور عمدہ ترجمہ پیش کرنے کوشش کی ہے ترجمہ عام فہم الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے۔

جلد ہفتم حصہ دوازدہم (350ھ اور 800ھ کے درمیان دنیائے عرب میں پائے جانے والے مختلف قبیلوں اور ان کی حکومت کے حالات) اس بارہویں جلد کے مترجم بھی مولانا اختر فتح پوری ہیں اور اس کی طباعت اول جنوری 1987ء میں نفیس اکیڈیمی، تیرتھ داس روڈ، اردو بازار، کراچی سے ہوئی ہے یہ حصہ 948صفحات پر مشتمل ہے۔یہ علامہ ابن خلدون کی تاریخ کی بارہویں اور آخری جلد ہے۔ چنانچہ اس کے ناشر لکھتے ہیں:

" ابن خلدون نے اپنی تاریخ کو تین حصوں میں لکھا ہے لیکن بعد میں خود ہی اس کی 7 جلدیں کردیں جس وقت ہم نے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا اس وقت اس کی ضخامت اور حجم کا اندازہ نہ تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کرنے کے بجائے اسے بارہ حصوں میں چھاپنے پر مجبور ہوئے۔ بارھواں حصہ اس کی تاریخ کا آخری حصہ ہے اس طرح یہ تاریخ مکمل ہو کر اختتام کو پہونچ جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ابن خلدون کا اپنی تاریخ کے حوالے سے کوئی حصہ ایسا نہیں رہتا جس کو ہم نے شائع نہ کر دیا ہو۔"(11)

اس جلد کا ترجمہ 263 فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل " بربری قبائل میں سے زناتہ اور ان کی غالب اقوام اور ان میں یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی جدید وقدیم حکومتوں کے حالات" کے بیان میں ہے اور آخری فصل سفر ادائیگی حج کے بیان میں ہے۔ حصہ دوازدہم کے ترجمہ کا ایک اقتباس مع عربی متن نمونہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ترجمہ کی نوعیت واقسام کا پتہ چلے:

متن:

"الخبر عن زناتة من قبائل البربر وماكان بين اجيالهم من العز والظهور وماتعاقب فيهم من الدول القديمة والحديثة ۔

هذا الجيل فى المغرب جيل قديم العهد معروف العين والاثر،وهم لهذا العهد آخذون من شعائر العرب فى سكنى الخيام و اتخاذ الابل و ركوب الخيل و التغلب فى الارض و ايلاف الرحلتين وتخطف الناس من العمران والاباية عن الانقياد للنصفة وشعارهم بين البربر يتراطنون بها،وهى مشتهرة بنوعها عن سائر رطانة البربر۔ ومواطنهم فى سائر مواطن البربر بافريقية والمغرب فمنهم ببلاد النخيل مابين غدامس والسوس الاقصى حتى ان عامة تلك القرىٰ الجريدية بالصحراء منهم كما ذكرناه "(12)

ترجمہ:

" فصل: بربری قبائل میں سے زناتہ اور ان کی غالب اقوام اور ان میں یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی جدید وقدیم حکومتوں کے حالات: یہ قوم، مغرب کی ایک معزز اور صاحب اثر ور سوخ قدیم قوم ہے اور اس زمانے تک یہ لوگ خیموں میں سکونت اختیار کرنے اور گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہونے اور زمین پر غلبہ حاصل کرنے اور دونوں سفروں سے مانوس ہونے اور آبادیوں سے لوگوں کو اٹھا کر لے جانے اور خادموں کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کرنے کی ان عادات پر قائم ہیں جو عربوں کا شعار ہیں اور بربریوں کے درمیان ان کا شعار وہ عجمی زبان ہے جس کے ذریعے وہ

بات چیت کرتے ہیں اور وہ زبان اپنی نوع میں دیگر بربری زبانوں سے اور ان کے مواطن افریقہ اور مغرب میں دیگر بر
بری مواطن سے مشہور و معروف ہیں، پس ان میں سے کچھ لوگ غدامس اور سوس کے درمیان بلاد نخیل میں رہتے
ہیں حتیٰ کہ ان صحرائی بے گیاہ بستیوں کے عوام بھی انہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا تذکرہ ہم آئندہ کریں
گے"۔(13)

اردو کے ساتھ عربی کا ذوق رکھنے والے افراد اگر دونوں کا تقابل کریں گے تو گواہی دیں گے کہ اردو ترجمہ نے عربی متن کے تمام الفاظ کو اپنے اندر سمو لیا ہے، ترجمہ میں اردو کی چاشنی اور اردو ادب کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے، چودھری اقبال صاحب نے موصوف مترجم کی عربی مہارت اور ترجمہ نگاری پر عبور کا جو دعوی کیا ہے، مترجم کا ترجمہ اس کے عین مطابق ہے، چوں کہ تاریخی کتابوں میں تاریخی مقامات کا تذکرہ بھی ہوتا ہے جس کا پڑھنا اور تلفظ کرنا اردو داں طبقہ کے لیے مشکل ہوتا ہے اس لیے اگر ان مقامات اور اشخاص پر اعراب لگانے یا حاشیہ میں ان کی تشریح کا اہتمام کیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا؛ لیکن شاید صفحات کی ضخامت اس سے مانع بن گئی ہو یا اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ اہل علم تحقیق کر لیں گے۔

نوٹ: اب ہم تاریخ ابن خلدون کے اس حصے کا تعارف کرانا مناسب سمجھتے ہیں جو ابتداء میں شائع نہیں ہوا تھا۔

تاریخ ابن خلدون (قبل از اسلام۔ تاریخ الانبیاء) ہم لکھ چکے ہیں کہ تاریخ ابن خلدون کے ابتدائی حصے شروع میں اکیڈمی نے شائع نہیں کیے تھے، ہم نے بھی اپنے اس تفصیلی مقالے میں بھی اس ابتدائی حصے کا تعارف مؤخر کیا ہے تاکہ اشاعت کی ترتیب برقرار رہے۔ اکیڈمی نے ایسا کیوں کیا اس پر چودھری محمد اقبال صاحب رقمطراز ہیں:

"تاریخ ابن خلدون کے دو ابتدائی حصے اب پیش کیے جا رہے ہیں، فوراً آپ کے ذہن میں یہ سوال ہوگا کہ تاریخ ابن خلدون کے سات حصے بعد اسلام کے جب پیش کیے جا چکے تو ان ابتدائی حصوں کی اشاعت دیر میں کیوں عمل میں آئی، اس سوال کا جواب خود ابن خلدون کی تاریخ ہے۔ اسلام سے پہلے کی جو تاریخ ہے وہ حقیقتاً منضبط یا مکتوبہ تاریخ نہیں ہے بلکہ افسانوی اور قیاسی حصہ اس میں ہمیشہ غالب رہتا ہے، ابن خلدون جیسا عظیم الشان مؤرخ سلسلہ کلام کو نزول قرآن تک ملانے کے لیے انتہائی تحقیق و تلاش کے ساتھ اس حصے کو مکمل کرتا ہے مگر دنیا کی کوئی تاریخ اسلام کے بعد کی تاریخ کے برابر مرتبہ میں نہیں پہنچ سکی، اس لیے خود ابن خلدون نے بھی جب یہ تاریخ لکھنی شروع کی تھی تو

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کی تھی۔ جب اس کی اشاعت کا آغاز کیا تو ادارہ نے وہی حصہ پہلے شائع کیا جو ابن خلدون نے پہلے لکھا تھا اور وہ سب سے زیادہ صحیح طریقہ کار ہماری نظر میں تھا"(14)

تاریخ ابن خلدون کا یہ اردو ترجمہ دو حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول میں ابن خلدون نے حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد تقریبا چھٹی صدی عیسوی کے حالات وانساب درج کیے ہیں۔ انبیاء بنی اسرائیل و عرب اور ملوک یمن و بابل و نینوا و موصل و فراعنہ مصر عمالقہ وغیرہ کے انساب و حکومت اور ان کے سچے اور معتبر واقعات بیان کیے ہیں، یہ حصہ 205 صفحات پر محیط ہے جس میں کل 16 ابواب مندرج ہیں، اس کا پہلا باب انساب عالم سے شروع ہوتا ہے جس کے تحت بالخصوص حضرت آدم اور حضرت نوح علیھما السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس حصہ کا آخری یعنی سولہواں باب " امارت ہیرودس " سے شروع ہوتا ہے اور درمیان کے ابواب میں مختلف جلیل القدر انبیاء کا ذکر خیر موجود ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ حضرت عیسی علیہ السلام سے لے کر ظہور قدسی یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک تقریبا چھ سو سال کے مکمل حالات، عقائد وافکار میں تغیرات، مراسم اور توہمات کی پیداوار وران کے نتائج کی پوری تفصیل پر مشتمل ہے، پہلا باب اور مجموعی طور پر سترھواں باب حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے نسب سے شروع ہوتا ہے اور " امارت کعبہ " اس حصہ کا آخری باب ہے۔

تاریخ ابن خلدون کا یہ اردو ترجمہ نہایت اہمیت کا حامل ہے ؛ کیوں کہ قبل از اسلام کی تاریخ صرف بنی اسرائیل کی کتابوں اور مختلف اقوام کی روایات میں موجود تھی، چوں کہ بنی اسرائیل کی زبان اردو نہیں تھی اس لیے یہ اردو ترجمہ یقینا اردوداں طبقہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے، پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان میں تاریخ قبل از اسلام لکھنے والا ہر مؤرخ اس ترجمہ کا محتاج ہوگا اور بقول چودھری محمد اقبال: " ان دو حصوں کی حیثیت اصل اصول تاریخ کی ہے"۔

حکیم احمد حسین جو اس ترجمہ کے مترجم ہیں اور جن کے حالات اور ترجمہ نگاری پر گفتگو آچکی ہے وہ اس حصہ کے ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" میں نے اکثر مقامات پر جہاں علامہ نے کسی واقعہ کو اس کی شہرت کی وجہ سے مختصر ابیان کیا ہے وہاں تاریخی مضامین اور معتبر تواریخ سے وہ واقعہ اخذ کر کے اکثر حاشیہ میں اور شاد و نادر متن میں بڑھا دیا ہے۔ میں نے مختصر اختصار کسی جگہ نہیں کیا البتہ بعض مقامات پر اختلاف آراء سے قطع نظر کر کے صرف علامہ کی تحقیق لکھ دی ہے۔"(15)

ہر چند کہ اس ترجمہ کا نقش اول 1897ء جنوری تا اکتوبر 1898ء رسالہ " الاسلام " الہ آباد میں شائع ہو چکا تھا؛ لیکن باضابطہ کتابی شکل میں 1928ء کے آس پاس منظر عام پر آیا، موصوف مترجم کے ترجمہ کی جھلک اور اس پر تبصرہ چوں کہ ما قبل میں آچکا ہے اس لیے تکرار سے گریز کرتے ہوئے یہاں ترک کیا جاتا ہے۔ پیش نظر ترجمہ کا جدید کمپیوٹر ایڈیشن جنوری 2003ء میں نفیس اکیڈمی پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ نیز قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے بھی اسی حصے کو محمد صہیب کے ذریعہ تحقیق و تہذیب کرا کر شائع کیا ہے۔

3۔الملل والنحل

اس کے مصنف کا نام ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی(متوفی: 456ھ)ہیں، اس کتاب کا پورا نام "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" ہے ،اس کے مترجم "مولانا عبد اللہ عمادی ہیں۔اس ترجمہ کی اشاعت 1364ھ مطابق 1945ء میں دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدر آباد سے عمل میں آئی ہے، یہ ترجمہ تین جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد 642 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں اسلام مخالف فرقوں کا تعارف تورات و انجیل کے نقائض و نقائص، دنیا کی مدت اور مختلف تاریخی چیزوں سے بحث کی گئی ہے۔دوسری جلد 767 صفحات کی ہے ،اسلامی افتراقات اور ملت اسلامیہ کے ماننے والوں کے پانچ فرقوں کا مکمل تعارف وغیرہ اس جلد کی خاص چیزیں ہیں۔اس ترجمہ کی تیسری جلد 563 صفحات کا احاطہ کرتی ہے، تحقیق امامت و مفاضلت صحابہ کی تاریخ سے اس جلد کا آغاز ہوتا ہے۔مترجم کا ترجمہ بتاتا ہے کہ مترجم نے بہت محنت سے ترجمہ کیا ہے اس لیے قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، ترجمے کے الفاظ اور جملے چھوٹے چھوٹے ہیں اور اردو زبان اچھی اور معیاری ہے۔بطور نمونہ عربی عبارت اور ترجمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

متن:

"ان الانسان یخرج الی ھذا العالم و نفسہ قد ذھب ذکرھا جملۃ فی قول من یقول انھا کانت قبل ذلک ذاکرۃ اولا ذکر لھا البتۃ فی قول من یقول انھا حدثت حینئذ"(20)

ترجمہ:

"انسان جب اس عالم میں آتا ہے تو فی الجملہ قوت حافظہ اس کے ساتھ ہوتی ہے یہ ان حکماء کے قول کی بناء پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نفس انسان اس عالم میں آنے سے پہلے ہی صاحب قوت حافظہ تھا"(21)

تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے اپنے ترجمے کے ذریعہ تقریب اذھان کی بھرپور کوشش کی ہے، اردو سے واقفیت رکھنے والے عربی داں کو عربی عبارت سے زیادہ آسان اردو ہی معلوم ہوگی، اردو میں جن عربی الفاظ کے ترجمہ کی ضرورت نہیں تھی مترجم نے اسے بڑی صفائی سے حذف کر دیا ہے تاکہ اردو داں کے لیے استفادہ آسان ہو۔

نوٹ: الملل والنحل کے نام سے ایک دوسرا ترجمہ بھی دستیاب ہے لیکن یہ امام ابو الفتح محمد الشہرستانی (متوفی : 548ھ) کی شہرہ افاق کتاب " کتاب الملل والنحل" کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب الملل والنحل میں بھی فرقوں، مذاہب اور افکار عالم کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، مشہور مترجم و مصنف پروفیسر علی محسن صدیقی نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ معیاری، مستند اور عام فہم ہونے کے ساتھ اصل عبارت سے قریب تر ہے، ترجمے کے ہر باب یا فصل پر اصل عربی کے صفحات نمبر درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ اگر کوئی قاری اصل سے مراجعت کرنا چاہے تو اسے کوئی دقت نہ ہو 377 صفحات پر محیط یہ ترجمہ پہلی بار ربیع الاول 1424ھ / مئی 2002ء میں ادارہ قرطاس کراچی کے توسط سے منظر عام پر آیا ہے، چوں کہ " الفصل فی الملل والاھواء والنحل " اور "کتاب الملل والنحل" دو الگ الگ اور مستقل کتابیں ہیں اور دونوں کے مصنف الگ الگ ہیں اس لیے دونوں کے اردو ترجموں میں فرق کے لیے ان سطور کی ضرورت پڑی۔

4۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر (عہد بنی امیہ کے حالات)

اس کتاب کے مصنف علی بن الحسین بن علی المسعودی المصری (متوفی:346ھ) ہیں،اصل کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے پہلی جلد کا آغاز" ذکر المبداء وشان الخلیقہ" سے ہوتا ہے، تیسری جلد حضرت حسن بن علی کی خلافت سے شروع ہوتی ہے،اس تیسری جلد پر اردو ترجمہ کا کام مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ندوی نے انجام دیا ہے اور اصل کتاب کی تیسری جلد میں موجود بنی امیہ کے عہد کے حالات وواقعات کا ترجمہ کیا گیا ہے یعنی یہ ترجمہ مروج الذھب کی چاروں جلدوں کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص حصہ کا ترجمہ ہے،اس کی طباعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن سے 1350ھ مطابق 1931ء میں ہوئی ہے۔اس ترجمہ کے آغاز میں ترجمہ سے متعلق تمہید وتعارف موجود نہیں ہے صرف مضامین کی فہرست ہے۔ان میں سے کچھ اہم مضامین یہ ہیں:

یزید بن معاویہ کی موت اور معاویہ بن یزید کی ولایت،

عبدالملک بن مروان کا عہد حکومت، حجاج کی سوانح عمری،

خلافت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم،

ہشام بن عبدالملک کے عہد کا ذکر،بنی امیہ کے زوال کے اسباب،

بنی امیہ کی مدت حکومت کا ذکر اور دولت عباسیہ کا ذکر

نیز اس ترجمے میں مروان کے واقعات اور دوسری لڑائیوں کے بارے میں تاریخی بیان موجود ہے۔یہ ترجمہ 220 صفحات پر مشتمل ہے۔اس ترجمہ کا ایک اقتباس مع عربی عبارت ترجمہ کی خوبی یا خامی سمجھنے کے لئے بطور نمونہ درج ذیل ہے:

متن:

فبناه ابن الزبير وزاد فيہ الازرع المذكورة ، وجعل فيہ الفسيفساء والاساطين ، وجعل لہ بابين : بابا يد خل منہ وبابا يخرج منہ ، فلم يزل البيت علىٰ ذلک حتىٰ قتل الحجاج عبد الله بن الزبير ، وكتب الىٰ عبد الملک يعلمہ بمازاده ابن الزبير فى البيت ، فامر ه عبد الملک بهدمہ ، و رده الىٰ ماكان عليہ آنفا من بناء قريش و عصر الرسول صلىٰ الله عليہ وسلم وان يجعل لہ بابا واحدا ، ففعل الحجاج ذلک۔(22)

ترجمہ:

" ابن زبیر نے کعبہ کی تعمیر مکمل کر دی اور وہ سات گز کعبے میں شامل کر لئے اوسمیں وہ رنگین چو کے اور ستون بھی لگا دیئے اور دو دروازے قائم کئے ایک اندر آنے کے لئے اور ایک باہر جانے کے لئے ان کے حجاج کے ہاتھوں شہید ہونے تک کعبہ اسی صورت پر رہا پھر حجاج نے عبدالملک کو لکھا کہ ابن الزبیر نے کعبے میں اتنا اضافہ کر دیا ہے۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ یہ اضافہ توڑ دیا جائے اور کعبہ کی وہی صورت قائم کر دی جائے جو اس سے کچھ ہی عرصہ پیشتر قریش کی تعمیر کی بناء پر رسول اللہ کے عہد میں تھی۔ نیز اس نے صرف ایک دروازہ قائم رکھنے کی اجازت دی۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبے میں ترمیم کر دی" ۔(23)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ صاف ستھرا اور عام فہم اور سلیس ہے اور جس زمانہ میں ترجمہ کیا گیا ہے اس زمانہ کی اردو زبان کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ استفادہ آسان ہو۔ صحابی اور پیغمبر کے ناموں کے ساتھ تعظیمی القاب چھوڑ دیئے گئے ہیں، ممکن ہے اختصار ملحوظ نظر ہو یا پھر عربوں کا ذوق پیش نظر رکھا گیا ہو تاہم اس سے ترجمہ کی خوبی متاثر اور معیوب نہیں ہوتی ہے۔

5۔تاریخ الکامل

اس عربی کتاب کے مصنف "علامہ ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری(متوفی: 630ھ) "ہیں ویسے تو یہ کتاب ایک عالمی تاریخی کتاب ہے جس نے ابتداء خلق اور آغاز دنیا کی تاریخ کا احاطہ کیا ہے تاہم یہ کتاب صلاح الدین ایوبی، تاتاری یلغاروں اور اس زمانے کے دیگر واقعات کے حوالے سے اہم ذریعہ معلومات ہے یعنی صاحب کتاب نے ابتداء تخلیق کائنات سے اپنے زمانہ تک سطح ارض پر ہونے والے واقعات جو مصنف کی معلومات میں آگئے ان کو بالاستعاب تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔اس کتاب کے اردو مترجم "مولانا سید ابو الخیر مودودی"رکن شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد ہیں، مترجم عربی زبان وادب کے نامور عالم، مصنف اور قابل مترجم ہیں یہ مشہور عالم دین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے بڑے بھائی ہیں۔یہ کتاب بھی دار الطبع جامعہ عثمانیہ سے 1357ھ مطابق 1938ء میں چھپی ہے۔یہ ترجمہ عہد بنی العباس کا احاطہ کرتا ہے اور ابو العباس السفاح کی بیعت سے شروع ہو کر المنصور کی سیرت کا کچھ حال پر ختم ہوتا ہے 232 صفحات کا یہ ترجمہ اصل کتاب کی جلد پنجم کی ترجمانی کرتا ہے جسے مترجم نے حصہ اول کا نام دیا ہے، ترجمہ عمدہ ہے کیونکہ مترجم نے کافی محنت کی ہے اسی لیے تقابل کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ اصل عبارت سے بہت قریب اور مناسب ہے، پڑھنے میں مزہ آتا ہے، اکتاہٹ نہیں ہوتی ہے، ترجمہ میں اردو کی فصاحت و بلاغت کی رعایت اور اردو محاوروں کا استعمال بھی موجود ہے، ترجمہ کا ایک اقتباس دیکھئے:

متن:

"ولما قتل مروان هرب ابناه عبدالله و عبيدالله الیٰ ارض الحبشة ،فلقوا من الحبشة بلاء قاتلهم الحبشة فقتل عبيد الله ونجا عبدالله فی عدة ممن معه، فبقی الیٰ خلافة المهدی-" (24)

ترجمہ:

"جب مروان مارا گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ ارض الحبشہ کی طرف بھاگ گئے اور ان کو حبشیوں کے ہاتھوں مصائب اٹھانے پڑے، حبشیوں نے ان سے جنگ کی، عبیداللہ قتل ہوا اور عبداللہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بچ نکلا اور وہ المھدی کی خلافت تک زندہ رہا"(25)

ایک دوسرا بھی نمونہ درج ذیل ہے:

متن:

"ذکر ابتداء الدولۃ العباسیۃ وبیعۃ ابی العباس:

فی ھذہ السنۃ بویع ابوالعباس عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بالخلافۃ فی شھر ربیع الاول وقیل: فی ربیع الآخر لثلاث عشرۃ مضت منہ وقیل : جمادی الاولیٰ ۔

وکان بدء ذالک و اولہ ان رسول اللہ ﷺ اعلم العباس بن عبد المطلب ان الخلافۃ تؤول الی ولدہ فلم یزل ولدہ یتوقعون ذالک و یتحدثون بہ بینھم ۔

ثم ان ابا ھاشم ابن الحنفیۃ خرج الی الشام فلقی محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس فقال لہ یاابن عم ، ان عندی علما انبذہ الیک فلا تطلعن علیہ احد ا ان ھذا الامر الذی یرتجیہ الناس فیکم قال: قد علمت فلا یسمعنہ منکم احد۔" (26)

ترجمہ:

"ابتداء دولت بنی العباس۔ ابوالعباس السفاح کی بیعت:

اس سال (یعنی 132ھ میں) ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ عبداللہ العباس سے ماہ ربیع الاول میں اور بقول بعض ماہ ربیع الاخر میں جبکہ اس مہینے کے تیرہ دن گذر چکے تھے اور بقول بعض جمادی الاولی میں خلافت کی بیعت کی گئی۔

خلافت بنی العباس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے العباس بن عبد المطلب کو خبر دی تھی کہ خلافت ان کی اولاد کی طرف منتقل ہو گی۔ اس بنا پر ان کی اولاد ہمیشہ اس کی توقع کرتی رہی اور ان کے درمیان اس کے چرچے ہوتے رہے پھر یہ ہوا کہ ابوہاشم بن الحنفیہ، شام کی طرف نکلے۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس سے ان کی

ملاقات ہوئی ابو ہاشم نے محمد بن علی سے کہااس معاملہ کا ذکر جس کے واقع ہونے کی لوگ تم میں توقع رکھتے ہیں، تم سے کوئی سننے نہ پائے۔"(27)

بلاشبہ مترجم کا ترجمہ عربی متن سے قریب تر ہے، تاہم اردو کی چاشنی بھی موجود ہے مثلا" قیل" کا اردو ترجمہ عموما" کہا گیا ہے" سے کیا جاتا ہے لیکن مترجم نے اس کا ترجمہ "بقول بعض" سے کیا ہے جو کہ اردو کی اچھی تعبیر ہے کیوں کہ مستعمل ہے، مترجم نے پوری کتاب میں اپنی طرف سے ذیلی عنوانات قائم نہیں کیے ہیں اس لیے ادنی اور متوسط درجہ کے قارئین کے لیے استفادہ بہت سہل نہیں ہے، اہل علم یقینا مستفید ہوں گے۔

کامل ابن اثیر (خلافت بنو امیہ): خلافت بنو امیہ سے متعلق اس حصہ کا ترجمہ مولانا محمد جمیل الرحمن صاحب (ایم۔اے۔آر۔اے ایس) معاون پروفیسر تاریخ اسلام کلیہ جامعہ عثمانیہ نے کیا ہے، جامعہ عثمانیہ کا وہ دور جس میں ذریعہ تعلیم اردو تھا اس وقت بی۔ اے کے نصاب میں کامل ابن اثیر کا یہ حصہ داخل نصاب تھا اور اسی نصابی مقصد کے حصول کے لیے اس کا اردو ترجمہ کرایا گیا تھا، اس کے کل دو حصے ہیں، حصہ اول کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ: اس جلد میں تاریخ کامل ابن اثیر کے عربی نسخے مطبوعہ جرمنی کی جلد سوم اور چہارم کے اجزاء کا ترجمہ کیا گیا ہے، جلد سوم کا ترجمہ صفحہ 329 سے صفحہ 434 تک ہے اور جلد چہارم کا ترجمہ صفحہ: 1 سے 296 تک ہے مضمون کے لحاظ سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلع خلافت سے شہادت عبداللہ بن زبیر تک کے حالات ہیں یہ ترجمہ 552 صفحات کا ہے، دوسرا حصہ مولانا سید ہاشم صاحب ندوی کے قلم سے ہے، اس میں 74ھ تا 122ھ کے واقعات درج ہیں، یہ ترجمہ 631 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ دونوں ترجمے دار الترجمہ عثمانیہ حیدر آباد سے 1922ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ترجمہ کے اخیر میں بارہ صفحات کا ایک صحت نامہ بھی شامل ہے جس میں طباعت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اصل عبارت مع اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

متن:

"ثم دخلت سنة احدى واربعين :

ذكر تسليم الحسن بن على الخلافة الى معاوية

كان امير المؤمنين على قد بايعہ اربعون الفا من عسكره على الموت لما ظهر ماكان يخبرهم بہ عن اهل الشام فبينما هو يتجهزللمسير قتل عليہ السلام و اذا اراد الله امرا فلامرد لہ ،فلما قتل و بايع الناس ولده الحسن بلغہ مسير معاويۃ فى اهل الشام اليہ ، فتجهز هو و الجيش الذى كانوا بايعوا عليا وسار عن الكوفۃ الىٰ لقاء معاويۃ ۔ وكان قد نزل مسكن فوصل الحسن الىٰ المدائن وجعل قيس بن سعد بن عبادة الانصارى على مقدمتہ فى اثنى عشر الفا۔۔"(28)

ترجمہ:

"واقعات 41ھ

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے معاویہ کو خلافت سپرد کر دینے کا بیان

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کے لشکر کے چالیس ہزار آدمیوں نے موت تک ان کا ساتھ دینے کے وعدے سے بیعت کی تھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب وہ ان لوگوں سے شام کے متعلق کچھ باتیں بیان کرتے تھے۔ مگر اس اثناء میں کہ وہ روانگی کی تیاری کر رہے تھے شہید ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ عرض کہ جب وہ شہید ہو گئے اور لوگوں نے بڑے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو آپ کو یہ خبر ملی کہ معاویہ اہل شام کو ہمراہ لے کر ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ اور ان کا لشکر جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تیار ہو کر معاویہ کے مقابلہ کے لیے کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس عرصہ میں معاویہ مسکن تک پہنچ چکے تھے۔ ادھر حضرت امام حسن نے مدائن تک پہنچ کر قیس ابن سعد ابن عبادہ الانصاری کو اپنے بارہ ہزار آدمیوں کے مقدمۃ الجیش کا سردار مقرر کر دیا"(29)

مولانا جمیل الرحمن صاحب کا مذکورہ ترجمہ اچھا، معیاری اور عمدہ ہے، عربی الفاظ کا احاطہ ترجمہ میں بخوبی کیا گیا ہے، اردو زبان کے محاورے کی رعایت بھی پیش نظر رکھی گئی ہے، صحابہ کے ناموں کے ساتھ کہیں تعظیمی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور کہیں چھوڑ دیئے گئے ہیں، مثلاً مذکورہ ترجمہ میں حضرت علی اور حضرت حسن کے ساتھ تعظیمی القاب کی رعایت کی گئی ہے لیکن عجیب اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ کے نام کے ساتھ کچھ بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے، ایسا حب علی اور بغض معاویہ میں کیا گیا ہے یا کاتب نے ایسا کیا ہے معلوم نہیں اس کی وجہ سے اگرچہ ترجمہ کی خوبی متاثر نہیں ہوتی ہے لیکن مترجم کے نظریات اور فکر کی عکاسی تو ہو ہی جاتی ہے۔ مذکورہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہے اور تحت اللفظ

بھی اس لیے پڑھنے کے قابل ہے؛ لیکن اسے نئے تقاضوں سے آراستہ کرنا بہت ضروری ہے۔مزید تفصیل و تبصرہ کے لیے مزید ایک اقتباس پڑھیں:

متن:

"ولما عزم على تسليم الامر الى معاوية خطب الناس فقال: ايها الناس انما نحن امراؤكم و ضيفانكم ، نحن اهل بيت نبيكم الذين اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا وكرر ذالک حتى مابقى فى المجلس الا من بكى حتى سمع نشيجه فلما ساروا الى معاوية فى الصلح اصطلحا على ماذكرناه وسلم اليه الحسن الامر

و كانت خلافة الحسن ، على قول من يقول : انه سلم الامر فى ربيع الاول ، خمسة اشهر ونحو نصف شهر ،وعلى قول من يقول : فى ربيع الآخر يكون ستة اشهر وشيئا وعلى قول من يقول فى جمادى الاولىٰ يكون سبعة اشهر وشيئا والله اعلم۔" (30)

ترجمہ:

"جب آپ نے امر خلافت کو معاویہ کے سپرد کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو لوگوں کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ " اے لوگو ہم لوگ تو تمھارے امراء اور تمھارے مہمان ہیں ہم لوگ تمھارے نبی کے وہ اہل بیت ہیں کہ خدا نے تعالیٰ نے ان کی ہر آلودگی اور نجاست کو دور فرما کر ان کو پاک کر دیا ہے "امام صاحب نے اس فقرے کو بار بار دہرایا۔ حتی کہ تمام مجلس میں کوئی شخص ایسا نہ رہا کہ جو رونہ رہا ہو اور روتے روتے ہچکی نہ لگ گئی ہو القصہ جب وہ سب مل کر صلح کرنے کی غرض سے معاویہ کے پاس گئے تو دونوں صاحبوں نے انہی شرائط پر آپس میں صلح کر لی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور امام حسن نے امر خلافت معاویہ کے سپرد کر دیا۔ امام حسن ؟ کی خلافت کا زمانہ ان لوگوں کے قول کے مطابق جن کا بیان ہے کہ انھوں نے ربیع الاول میں امر خلافت سپرد کر دیا تھا ساڑھے پانچ مہینے کا ہوتا ہے اور ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو ربیع الاخر کا ذکر کرتے ہیں چھ مہینے اور کچھ دن اور جن کی رائے جمادی الاول میں سپرد خلافت کرنے کی ہے سات مہینے اور چند دن کی ہوتی ہے واللہ اعلم۔"(31)

مولانا جمیل الرحمن صاحب کا قلم ترجمہ عربی متن کے آس پاس ہی ہے، ترجمہ ایسا ہے جو عربی کے تمام جملوں کا احاطہ کرتا ہے، نہ بالکل لفظی ترجمہ ہے نہ بالکل بامحاورہ، اس لیے ترجمہ پڑھنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی، حذف و اضافہ برائے نام ہے، ایک طرح کے عربی جملوں کے ترجمے میں تنوع ہے " على قول من يقول" متن میں

تین مرتبہ آیا ہے، مترجم نے ترجمہ میں الگ الگ ترجمے کیے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ میں حسن اور خوبی کا اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ ایک جگہ " قول کے مطابق " دوسری جگہ "خیال کے مطابق " اور تیسری جگہ " جن کی رائے " سے ترجمہ کیا گیا ہے اسی لیے ترجمہ میں سلاست اور روانی بھی موجود ہے تعقید اور پیچیدگی نہیں ہے۔ عربی عبارت میں ناموں کے ساتھ مصنف نے القاب عظمت نہیں لکھے ہیں جو عربوں کا خاص انداز ہے، مترجم نے بھی ترجمے میں صرف ناموں پر اکتفا کیا ہے ناموں کے لاحقے اور سابقے نہیں لکھے ہیں البتہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "امام " کا اضافہ کیا ہے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ " امام " لکھنا بقول بعض " شیعیت " کا اثر ہے حالاں کہ اہل سنت کی تحریروں میں بھی "امام " کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

مترجم نے پورے ترجمے میں مرکزی عنوانات کے علاوہ ذیلی عنوانات قائم نہیں کیے ہیں حالاں کہ نصابی کتابوں میں اس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طلبہ چھوٹے چھوٹے مضامین یاد کر سکیں، اشخاص و امکنہ کے تلفظ اور اعراب کے لیے حواشی کا اہتمام برائے نام ہے پوری کتاب میں ایک دو جگہ حاشیہ میں وضاحت کی گئی ہے ورنہ اکثر مقامات پر ترک کر دیا گیا ہے۔

تاریخ ابن الاثیر یعنی الکامل فی التاریخ کا ایک مکمل ترجمہ دس جلدوں میں نفیس اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکا ہے، مولانا عبید الرحمن صاحب اس کے مترجم ہیں، ٹائٹل، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے اور نئے تقاضوں کے مطابق ہے، اس کی پہلی جلد تاریخ الرسل و الانبیاء کا احاطہ کرتی ہے جب کہ آخری جلد میں صلیبی جنگوں کے واقعات درج ہیں۔ مترجم نے عرض مترجم کے تحت لکھا ہے:

> "کسی مضمون کو ایک لغت سے دوسری لغت میں لانا یہ آسان کام نہیں ہے کہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہو جائے۔ پھر اس کے لیے عمدہ اور آسان الفاظ اور سہل عبارت جس کو ہر آدمی سمجھ سکے فقیر مترجم نے حتی الامکان اس ترجمہ میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا ہے لیکن اس کے باوجود میں اپنی کوتاہی کا معترف ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ فی الحقیقت میں اس کام کا اہل نہیں تھا مگر فضل و تائید الٰہی ہے کہ اتنا عظیم کام اس کمزور کے ہاتھوں پایہ تکمیل پر پہونچ گیا"(32)

مترجم نے عرض مترجم کے علاوہ اپنی طرف سے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں علم تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، تقابل اور تکملہ کے طور پر ترجمہ کا ایک مختصر اقتباس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے:

ترجمہ:

" ربیعہ بن نصر کے مرنے کے بعد حسان بن تبان بن ابو کرب بن ملکیکرب بن زید بن عمرو ذواذعار یمن کا بادشاہ بنا۔ حمیر قبیلے سے بادشاہت چھینے جانے کی وجہ یہ تھی کہ حسان یمن والوں کے ذریعہ سے دوسرے عربوں اور عجمیوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا جیسا کہ پہلے یمنی بادشاہوں کی عادت تھی۔ جب یہ عراق میں تھا تو یمن کے دوسرے عرب قبائل نے اس کے ساتھ چلنا گوارانہ کیا ان قبائل نے حسان کے بھائی عمرو سے اس کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ کو بادشاہ بنادیا جائے گا تو عمرو نے یہ بات ذورعین حمیری کے مشورے اور حکم پر چھوڑ دی جب اس سے مشورہ کیا تو اس نے عمرو کو اس کام سے روک دیا لیکن عمرو نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا تو اس کے بعد ذورعین نے ایک کاغذ پر یہ شعر لکھا۔

کون ہے جو نیند کے بدلے میں بیداری شب کو خریدنا چاہتا ہے۔ سعادت مند ہے وہ شخص جو کہ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کے ساتھ رات گزارے، لیکن حمیر قبیلے نے غداری اور خیانت کی ہے لیکن ذورعین خدا سے معافی مانگتا ہے (34)"

اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں کہ مترجم کا ترجمہ عربی متن کی اچھی ترجمانی کرتا ہے، ادائے مفہوم کے چکر میں عربی الفاظ سے بالکل علحدگی نہیں اختیار کی ہے بلکہ الفاظ کے دائرے میں رہتے ہوئے اچھی اور عمدہ ترجمانی کی گئی ہے، اردو زبان کی تعبیر اور محاورے کی رعایت بھی خوب ہے، اسی لیے صرف اردو ترجمہ پڑھا جائے تو مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے چوں کہ اس ترجمہ کو تاخیر زمانی حاصل ہے اس لیے اس میں ان ترجموں کی جھلک اور نچوڑ بھی ہے جو اس سے پہلے وجود میں آچکے ہیں تاہم الفضل للمتقدم کے تحت فوقیت اور فضیلت تو انہی ترجموں کو حاصل ہے جو بیسویں صدی میں بالکل ابتدائی زمانہ میں لکھے گئے، لیکن اتنا کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ مولانا عبید الرحمن صاحب کا یہ ترجمہ اردو زبان کی ایک بڑی خدمت ہے اور اردوداں طبقہ کے لیے یہ ایک تاریخی سرمایہ اور اہم کام ہے۔

6۔ طبقات کبیر

اس کتاب کا عربی نام "الطبقات الکبریٰ/طبقات الکبیر" بھی ہے ، ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری (المتوفی 230ھ) اس کے مصنف ہیں، یہ کتاب سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مفصل تذکرہ، محققانہ اور مؤرخانہ انداز کی شاہکار ہے اس میں غزوات وسرایا کو تفصیل اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے علاوہ ازیں اصل کتاب کی اخیر کی جلدوں میں تابعین اور تبع تابعین اور فقہاء کے حالات اوران کی تاریخ لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب اہل تحقیق کے لیے سرمہء چشم ثابت ہوئی نیز یہ کتاب تاریخ اسلامی پر مشتمل ایک ذخیرہ کی حیثیت رکھتی ہے،اس میں واقعات سنہ اور حوالہ کے ساتھ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے جس سے اہل علم اور محققین کے لیے واقعات کی جانچ پڑتال اور تحقیق آسان ہوگئی ہے اوراسی لیے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر صحابہ وتابعین پر یہ کتاب سند کی حیثیت رکھتی ہے اور سیرت نگاری پر لکھی جانے والی کتابوں کا یہ اہم مآخذ ہے، یہ کتاب بغداد میں لکھی گئی اور ظاہر ہے عربی زبان میں لکھی گئی تھی اس لیے اردوزبان میں ترجمہ کی ضرورت تھی۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ وسیع تذکرہءرجال کے ساتھ جزئی واقعات پر بھی محیط ہے جس سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔چوں کہ اس کتاب کے مصنف ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور کے عالم ہیں اس لیے انہوں نے تذکرہ نویسی کے قدیم اصول کے مطابق اپنے ہر بیان کے لئے چشم دید مشاہدوں کے بیانات اسناد کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

اس عظیم الشان مآخذ تاریخ وتذکرہ کو اردوزبان میں ترجمہ کرنے کا خیال انیسویں صدی کے آواخر میں پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن کتاب کی ضخامت اور اس کی وسعت کو دیکھتے ہوئے اس کی طباعت واشاعت کی ہمت کوئی نہ کر سکا، بالآخر دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ ،حیدرآباد دکن نے اس کتاب کے پانچ حصوں کا اردو ترجمہ مولانا عبداللہ العمادی سے کراکر 1944ء میں شائع کیا چھٹے حصے کا اردو ترجمہ مولانانذیرالحق میرٹھی سے کرایا گیااور ساتویں اور آٹھویں حصہ کے ترجمے کی سعادت مولاناراغب رحمانی کے حصہ میں آئی ہے۔ترجمہ " اخبارالنبی صلی اللہ علیہ وسلم " سے شروع ہو کر دور آخر کے صحابہ،تابعین،فقہاءاور صالحات وصحابیات پر ختم ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے اس کتاب کے صرف پانچ عربی حصوں کا ترجمہ مولانا عمادی سے کرایا تھا اس اعتبار سے یہ تاریخ اردو زبان میں نامکمل تھی، نفیس اکیڈمی نے جب اس عظیم الشان ماخذ تاریخ وتذکرہ کو شائع کرنے کا ارادہ کیا تو آخری تین حصوں کا اردو ترجمہ مولانا نذیر الحق صاحب میر ٹھی اور مولانا راغب رحمانی سے کرایا ہے، اب یہ علمی شاہکار نفیس اکیڈمی کراچی سے مکمل شائع ہو رہا ہے، اس لیے طبقات ابن سعد مکمل آٹھ حصوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

مولانا عبداللہ عمادی کے ترجمے کی تفصیل:

حصہ اول: اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ حصہ دوم: اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں حصوں کے صفحات 705 ہیں۔

حصہ سوم: سیرت خلفاء راشدین۔۔۔۔ حصہ چہارم: مہاجرین وانصار، یہ دونوں حصے 683 صفحات پر مشتمل ہیں۔

حصہ پنجم: تابعین وتبع تابعین، یہ حصہ 392 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

حصہ ششم: اصحاب کوفہ، اس حصے کے مترجم مولانا نذیر الحق میر ٹھی صاحب ہیں اور اس کے کل صفحات 262 ہیں،

حصہ ہفتم: دور آخر کے صحابہ، تابعین وفقہاء

حصہ ہشتم: صالحات وصحابیات (221ھ تک کی خواتین اسلام کے حالات زندگی)

آخر کی دو جلدیں 648 صفحات پر محیط ہیں اور آخر الذکر دو حصوں یعنی حصہ ہفتم و ہشتم کا ترجمہ مولانا راغب رحمانی نے کیا ہے۔

ان تینوں مذکور مترجمین میں سے مولانا عبداللہ عمادی نے اپنے ترجمہ میں جن امور کی رعایت کی ہے انہوں نے جلد اول میں اس کی مکمل وضاحت کر دی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

(1)" عام ترجموں میں تمام خصوصیتیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں اور وہی مترجم کامیاب مانا جاتا ہے جو اپنی قوم اور اپنی زبان اور اپنے زمانے کے مخصوص محاورات میں اس کتاب کا ترجمہ کرے جو ایک اجنبی قوم نے اپنی خاص زبان میں

صدیوں پیشتر تصنیف وتالیف کی تھی ترجمہ طبقات کو آپ اس حیثیت سے نہایت ناکام پائیں گے کیوں کہ اس کا پرواز یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں کی جو خصوصیتیں تھیں اور ادائے مطالب کے لیے ان دنوں ان کی زبان خاص خاص حالتوں میں جیسے جیسے محاورات رکھتی تھی اردو ترجمے میں وہ سب آجائیں اور پھر طرز بیان غریب ونامانوس بھی نہ ہو اور جہاں ناگزیر غرابت پیش آئے اس کی علحدہ تشریح کردی جائے۔۔۔

(2) اردو میں خطاب کے لیے کئی لفظ ہیں: آپ، تم، تو، جو بہ اختلاف مدارج استعمال کیے جاتے ہیں، عربوں میں یہ تفریق نہ تھی، لہذا بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ سب کے لیے ترجمے میں وہی طرز خطاب اختیار کیا گیا ہے جو ان دنوں مستعمل تھا۔

اسی طرح کے اور بھی فرق مراتب ہیں جو اردو میں ہیں اور عربی میں نہیں، یا ہیں تو کسی دوسرے انداز میں ہیں ترجمے میں عربیت کا لزوم بہرحال رکھا گیا ہے کہ اہل بصیرت یہ بھی اندازہ کرسکیں کہ عربی زبان اور عربوں کی قوم کیا کیا خاص اطوار رکھتی تھی اور اردو میں کہاں تک اس سے ایتلاف یا اختلاف کی صلاحیت تھی۔

(3) اس ترجمے میں اسی زبان کا اتباع کیا گیا ہے جو علم رجال کی خاص زبان ہے، ساتھ ہی یہ التزام ہے کہ عبارت شستہ، شگفتہ اور سلیس ہو، کسی قسم کا اغلاق وتعقید وتصنع واضطراب نہ آنے پائے، اور یہ ترجمہ اصل کتاب کے روشن ترین ادبی امتیاز کا آئنیہ دار ہوسکے۔۔۔

(4)بہت سے محاورات ایسے ہیں جو اس کتاب میں غریب نظر آئیں گے مثلا کانوا یعذرون کے عام معنی یہی سمجھے جائیں گے کہ وہ لوگ عذر کرتے تھے یا معذرت کرتے تھے یا بہانہ کرتے تھے حال آں کہ مفہوم ختنہ کرنے کا ہے

۔۔۔۔۔

(5)مضامین و مطالب کے عنوانات مترجم نے خود قائم کیے ہیں اور شمارہ ترتیبی کا مسؤل بھی وہی ہے جس سے محض توضیح مطلوب تھی۔۔۔"(35)

چوں کہ مترجم پایہ کے عالم اور تحقیق وفن کے شناور ہیں اس لیے انہوں نے اپنے ترجمے میں واقعتا مذکورہ بالا امور کی خوب رعایت کی ہے اس لیے مذکورہ ترجمہ ایک معیاری اور اردو ادب میں خوشگوار اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے،

حاشیہ میں ضروری تنبیہ بھی کی گئی ہے جس سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوتا ہے ترجمہ کی پہلی جلد 280 اور آٹھویں جلد 667 صفحات پر مشتمل ہے۔

ذیل میں اصل عبارت کے ساتھ ترجمہ کا امتزاج پیش ہے، خیال رہے کہ مترجم نے سلاسل اسناد کو ترک کر دیا ہے تاہم آخری راوی کا نام باقی رکھا ہے جیسا کہ آپ ترجمہ میں محسوس کریں گے۔

متن:

"اخبرنا الفضل بن دكين و محمد بن عبدالله الاسدى قالا : اخبرنا سفيان عن عطا ء بن السائب عن سعيد بن جبير قال : خلق آدم من ارض يقال لها دحناء ۔ قال اخبرنا محمد بن عبد الله الاسدى و خلاد بن يحيى قالا : اخبرنا مسعر عن ابى حصين قال : قال ليسعيد بن جبير ا تدرى لم سمى آدم ؟لانہ خلق من اديم الارض قال : اخبرنا هوذة بن خليفة ، اخبرنا عوف عن قسامة بن زهير قال: سمعت ابا موسى الاشعرى يقول : قال رسول الله ص :ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم علىٰ قدر الارض جاء منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذالک والسهل والحزن وبين ذالک والضبيث والطيب و بين ذالک ۔"(36)

ترجمہ:

"سعید بن جبیر کہتے ہیں: آدم ایک ایسی زمین سے پیدا ہوئے جسے دحناء کہتے ہیں(دحناء، فراز، مرتفع، اونچی زمین۔ حاشیہ از مترجم)ابو حصین سے سعید بن جبیر نے استفسار کیا تم جانتے ہو کہ آدم کا نام آدم کیوں پڑا؟ آدم کا نام آدم یوں پڑا کہ وہ ادیم الارض(روئے زمین، سطح زمین) سے پیدا ہوئے تھے ابو موسیٰ اشعری؟؟ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم ؟کو ایک مشت خاک سے پیدا کیا تھا جو تمام زمین سے لی تھی، یہی باعث ہے کہ فرزندان آدم میں اسی خاک کا اندازہ قائم رہا کہ ان میں سرخ بھی ہیں، سفید بھی ہیں، سیاہ بھی ہیں، درمیانی رنگ کے بھی ہیں سہل بھی ہیں حزن (وہ زمین جو غلیظ ہو اور سہل جو ایسی نہ ہو اور انسانوں میں حزن غلیظ الطبع کو سہل لطیف المزاج کو کہیں گے۔ حاشیہ از مترجم) بھی ہیں خبیث بھی اور طیب بھی۔"(37)

طبقات ابن سعد حصہ ششم جس میں شہر کوفہ میں اقامت پذیر صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تاریخ اور تذکرہ ہے، چوں کہ اس کا ترجمہ مولانا نذیر الحق صاحب نے کیا ہے اس لیے ان کے ترجمے پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے ورنہ طبقات ابن سعد ترجمہ کی ابتدائی جلدیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آٹھوں جلدوں کا ترجمہ مولانا عمادی نے کیا ہے۔

مولانا نذیر الحق میرٹھی صاحب نے اپنے ترجمہ میں ملحوظ رکھے گئے نہج اور طریقہ کار کی کوئی وضاحت اپنے قلم سے نہیں کی ہے ،البتہ چودھری اقبال صاحب نے اس ترجمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ :"اس حصہ کا ترجمہ مولوی نذیر الحق صاحب میرٹھی نے کیاہے اور اردو ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے، بہت سلیس اور عام فہم ہے"

مولانا نذیر الحق صاحب نے اپنے ترجمہ کے شروع میں ہجرت اور مہاجرین وانصار کے سلسلہ میں چار صفحات کا ایک مضمون لکھا ہے، جس کے اخیر میں اپنے نام کے ساتھ 15 جولائی 1969ء کی تاریخ درج کی ہے، جس سے اس ترجمہ کی تاریخ اور سن معلوم ہو جاتا ہے مذکورہ ترجمہ کی ہلکی سی جھلک پیش خدمت ہے۔

متن:

"غزا مع عمرو هذه الغزاة و فيها صحب ابا بكر الصديق وروى عنه ۔ ورجع الى بلاد قومه ولم ير النبى ﷺ وهو كان دليل خالد ابن الوليد حين توجه من العراق الى الشام فسلک بهم المغازة فقيل فيه :

لله در رافع انى اهتداى فوز من قراقر الىٰ سوى"(38)

ترجمہ:

۔۔۔۔۔ان کے ساتھ رافع نے بھی جہاد کیا اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں یہ اس جہاد کے بعد اپنی قوم اور اپنے شہر میں واپس آگئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو یہ رافع رحمۃ اللہ علیہ ان کو راستہ بتلا رہے تھے۔ یہ ان کو ایک جنگل میں لے پہنچے اس واقعہ پر کہا:

کیسا عجیب آدمی ہے رافع جو میرا رہنما بنا قراقر کے جنگل بیابان میں لے آیا" (39)

عربی عبارت اور اردو ترجمہ کا تقابل کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ترجمہ میں سلاست اور روانی برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے علاوہ ازیں اردو زبان کے محاورے اور استعمال کو بھی ملحوظ رکھنے کی سعی کی گئی ہے اس لیے یہ ترجمہ معیاری معلوم ہوتا ہے، جہاں عربی کے اشعار ہیں ترجمے میں ان اشعار کو با اعراب لکھا گیا ہے۔البتہ عربی کے مشکل اور غیر مانوس ناموں پر اعراب نہیں لگایا گیا ہے اور نہ ہی حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے، شاید اہل علم کے علم پر اعتماد کر کے انہیں ترک کر دیا گیا ہے اس کے باوجود کام کی چیزیں اس ترجمے سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مولانا راغب رحمانی کا ترجمہ: طبقات ابن سعد یعنی طبقات کبیر کے آخری دو حصوں کو مولانا راغب رحمانی نے اردو قالب میں ڈھالا ہے، مولانا راغب رحمانی مشہور مترجم اور صاحب علم و فن ہیں، مقدمہ ابن خلدون کے علاوہ کئی عربی کتابوں کا آپ نے کامیاب اور شاندار ترجمہ کیا ہے، مذکورہ کتاب کے اردو ترجمے میں آپ نے جن امور کی رعایت کی ہے انہیں یہاں درج کیا جاتا ہے، مولانا رحمانی " قبل از مطالعہ " کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"اس کتاب کے مطالعہ کرنے سے قبل مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے: ہم نے سند کو مختصر بیان کرنے کے لیے چند اصول وضع کر لیے ہیں انہیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

1۔ بتحدیث فلاں یعنی فلاں نے ہم سے بیان کیا، اس میں سننے والے کئی ہیں

2۔ بحدیث فلاں یعنی فلاں نے ہم سے بیان کیا، اس میں سننے والا ایک ہے۔

3۔ باخبار فلاں یعنی فلاں نے مجھے خبر دی، بتایا، اس میں خبر دیئے جانے والے بہت ہیں

4۔ بخبر فلان یعنی فلاں نے مجھے خبر دی یا بتایا، اس میں خبر دیئے جانے والا ایک ہے

5۔ بحدیث از فلاں یعنی فلاں سے، یہ صیغہ مجہول کا ہے۔

6۔ بسماع از فلاں یعنی فلاں سے یہ بات سنی گئی یعنی میں نے یا ہم نے سنی، یہ صیغہ بھی مجہول کا ہے۔

7۔ از فلاں یعنی فلاں سے

8۔ ہم عربی لفظ "عن" کا ترجمہ زیادہ فارسی لفظ کے "از" سے کیا ہے؛ لیکن کہیں کہیں اردو کے لفظ "سے" بھی کر دیا ہے۔

9۔ کتاب کے آغاز میں ابتدائی سندیں تفصیل ترجمہ سے دے دی گئی ہیں تاکہ قارئین کرام کو شروع میں سمجھنے میں دقت نہ ہو اور پھر سندیں مختصر حسب اصول موضوعہ لکھی گئی ہیں۔

10۔ ترجمہ شگفتہ، سلیس اور معنی خیز ہے۔"(40)

نمونہ ترجمہ مع عربی متن درج ذیل ہے:

متن:

" فكتب عمر ب الخطاب الىٰ سعد ابن ابى وقاص ان يضرب قيروانة بالكوفة ۔ وان ابعث عتبة بن غزوان الى ارض الهند فان له من الاسلام مكانا ۔ وقد شهد بدرا و قد رجوت جزءه عن المسلمين ، والبصرة تسمى يومئذ ارض الهند فينزلها ويتخذ بها للمسلمين قيروانا ولا يجعل بينى وبينهم بحرا فدعا سعد بن ابى وقاص عتبة بن غزوان واخبره بكتاب عمر فاجاب وخرج من الكوفة فى ثمانى مائة رجل فساروا حتى نزلوا البصرة ۔ وانما سميت البصرة بصرة ؛ لانها كانت فيها حجارة سود (41)

ترجمہ:

"پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ کوفہ کو اپنا فوجی اڈہ بنائیں اور عتبہ کو سرزمین ہند کی طرف بھیج دیں؛ کیوں کہ عتبہ اسلام کے ایک بلند وعزت والے مقام کے مالک ہیں، آپ بدر کے غازیوں میں سے ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ کو مسلمانوں سے ایک حصہ ملے گا(یعنی آپ مسلمانوں کے ایک شہر کے بانی ہوں گے)اس وقت اس علاقہ کو ارض ہند کے نام سے پکارا جاتا تھا(فاروق اعظم لکھتے ہیں)عتبہ رضی اللہ عنہ وہاں بس جائیں اور اس علاقہ میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنائیں اور احتیاط رکھیں کہ میرے اور مسلمانوں کے درمیان سمندر حائل نہ ہو۔

یہ خط پڑھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر آپ کا خط سنایا، حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً کوفہ سے آٹھ سو آدمی لے کر روانہ ہو گئے اور جہاں آج بصرہ آباد ہے آپ وہاں ٹھہر گئے۔

بصرہ کی وجہ تسمیہ: چوں کہ اس علاقہ میں کثرت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں اس لی اسے بصرہ کہا جاتا ہے۔"(42)

عربی کے ساتھ اردو ترجمہ کا تقابل کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ میں علمی اعتبار سے کچھ کمی اور نقص نہیں ہے، مترجم نے ترجمہ کو شگفتہ اور معنی خیز بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے، اور ترجمہ میں بین القوسین یا بغیر بین القوسین چھوٹے چھوٹے وضاحتی جملوں سے ترجمہ میں نکھار پیدا ہو گیا ہے اردو داں طبقہ کو سمجھانے کے لیے کہیں کہیں ضروری اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً" بصرہ کی وجہ تسمیہ " یہ عنوان عربی عبارت میں نہیں ہے لیکن مترجم نے

عنوان قائم کیا ہے جس سے ایک نیا فائدہ اور نئی چیز حاصل ہوتی ہے، ترجمہ میں اردو کی چاشنی اور فصاحت بھی خوب ہے۔

نفیس اکیڈمی کراچی نے طبقات ابن سعد کے ترجمے آٹھ حصوں کو چار جلدوں میں شائع کیا ہے ہر جلد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد 705 صفحات اور آخری جلد 652 صفحات پر مشتمل ہے تمام حصوں پر مزید عنوانات اور حواشی کا کام مولانا عبدالمنان صاحب نے انجام دیا ہے۔ ترجمہ کی پہلی جلد کے ساتھ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی کا پیش لفظ بھی ہے جس میں رجال، علم طبقات کے ساتھ ابن سعد کا تعارف ہے علاوہ ازیں اس میں طبقات کبیر کی علمی و فنی حیثیت پر فاضلانہ گفتگو بھی ہے۔

7۔ کتاب المعارف

اس عربی تاریخی کتاب کے مصنف علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری روح اللہ (متوفی:276ھ) ہیں ،ابن قتیبہ کو عربی ادب قرآن و حدیث ، فقہ و کلام کے ساتھ تاریخ میں وسیع معلومات کے باعث ممتاز حیثیت حاصل تھی ان کی تصانیف میں مذکورہ کتاب یعنی "المعارف "کو بڑی شہرت حاصل ہے اور اسے اسلامی تاریخ کے اہم بنیادی مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے، بعض تذکرہ نویسوں نے اس کے نام میں لفظ "تاریخ" کا اضافہ کیا ہے اور اسے کتاب المعارف فی التاریخ سے موسوم کیا ہے کیونکہ مذکورہ کتاب کے مطالب و مفہوم تاریخ اسلام کے وسیع پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے ان ابواب کے تحت ابتداء آفرینش کے تذکرہ کے ساتھ دیگر انبیاء، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ ،خلفاء تابعین اور دیگر ارباب فضل و کمال کا ذکر کیا گیا ہے ، کتاب المعارف کا پہلا نامکمل ترجمہ " تاریخ الانساب" کے نام سے سلام اللہ صدیقی صاحب نے کیا تھا جو پاک اکیڈمی کراچی سے 1985ء میں شائع ہوا تھا، یہ ترجمہ نصف کتاب (عہد آدم سے عہد صحابہ تک) کا تھا،اس کتاب کا مکمل ترجمہ علی محسن صدیقی صاحب (متوفی: 2012ء)نے کیا ہے، صدیقی صاحب کو عربی فارسی اور اردو ہر سہ زبانوں پر عبور حاصل تھا،مترجم نے ترجمے کے لیے جو منہج قائم کیا ہے انہوں نے کتاب میں اس کی پوری وضاحت کردی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"مترجم نے کتاب المعارف کو ایک مستعد طالب علم کی طرح سبقا سبقا پڑھا ہے، مشکل مقامات پر گھنٹوں غور و خوض کیا ہے اور عربی زبان کے بعض فضلاء سے بھی مشورہ کیا ہے۔یوں ہر امکانی کوشش کی ہے کہ اردو، عربی متن کے مطابق ہو، بعض مقامات پر مترجم کو اصل عبارت پر اضافہ کرنا پڑا ہے ایسے اضافوں کو بین القوسین رکھا گیا ہے تاکہ مصنف اور مترجم کی عبارتوں میں فرق قائم رہے۔۔۔

ترجمہ کو اصل سے قریب تر رکھنے کی غرض سے مصنف کے کسی جملہ فقرہ یا لفظ کو ترجمہ سے حذف نہیں کیا گیا ہے۔ یوں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ مکمل، عام فہم اور موثق و مستند رہے۔۔۔

مصنف کی عبارت میں کسی طرح کی تقدیم و تاخیر نہیں کی گئی ہے اور اسے علی حالہ برقرار رکھا گیا ہے"(43)

یہ ترجمہ پہلی بار فروری 1999ء میں قرطاس پرنٹرز کراچی سے شائع ہوا ہے، یہ ترجمہ 623 صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

مترجم نے "المعارف" کا جدید ترین محقق نسخہ جسے مصری فاضل "ثروت عکاشہ " نے ایڈٹ کیا ہے، ترجمہ کے لئے استعمال کیا ہے۔اس ترجمہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ ہر عنوان کے آغاز میں اصل کتاب کے صفحات درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ اصل سے مراجعت ممکن ہو سکے۔ علی محسن صاحب کا اپنے ترجمہ میں ایک نمایاں کام یہ بھی ہے کہ انہوں نے ترجمہ کے ساتھ " انتقاد" کا فریضہ بھی انجام دیا ہے،ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر نے اس ترجمہ پر نظر ثانی و تہذیب کا کام کیا ہے،ان کے قلم سے ترجمہ کے شروع میں ایک مفید ابتدائیہ بھی شامل ہے،اس کے علاوہ دو مقدمے بھی اس ترجمہ کی زینت ہیں: ایک مقدمہ مترجم نے لکھا ہے جس میں ابن قتیبہ اور ان کی کتاب پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور دوسرا مقدمہ ثروت عکاشہ کے قلم سے ہے جو ایک مبسوط معلوماتی مقدمہ ہے جو اصلا عربی میں تھا مترجم نے اسے اردو کا قالب عطا کیا ہے، ترجمے کا ایک مختصر اقتباس ذیل میں لکھا جاتا ہے:

متن:

مبتداءالخلق۔ قال ابو محمد : قرات فی التوراة فی اول سفر من اسفارھا ان اول ماخلق الله تعالی من خلیقته السماء والارض ، کانت الارض خربة خاوية وكانت الظلمة على الغمر وكانت ريح الله تبارک وتعالى ترف على وجه الماء فقال الله :ليكن النور ، فكان النور فرآ ه الله حسنا ، فميزه من الظلمة وسماه نهارا ، وسمى الظلمة ليلا فكان مساء وكان صباح يوم الاحد و قال الله عز وجل : ليكن سقف وسط الماء فليحل بين الماء والماء فكان سقف ، و ميز بين الماء الذى هو اسفل وبين الماء الذى هو اعلیٰ فسمى الله ذالک السقف الاعلیٰ سماء فكان مساء وكان صباح يوم الاثنين -(44)

ترجمہ:

"تخلیق کائنات،ابو محمد(ابن قتیبہ) نے کہا کہ میں نے تورات کے سفر (رسالہ) اول میں پڑھا ہے کہ (دنیا کی تخلیق سات دنوں میں ہوئی) پہلا دن: اللہ نے اپنی مخلوقات میں سب سے پہلے آسمان اور زمین کو پیدا کیا زمین اجاڑ تھی اور پانی پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اللہ کے حکم سے پانی کی سطح پر ہوا چل رہی تھی۔اللہ نے چاہا کہ روشنی ہو سو روشنی ہو گئی۔اللہ نے اس کو پسند فرمایا۔اس لئے اسے اندھیرے سے ممتاز کر کے اس کا نام دن رکھ دیا اور اندھیرے کو رات کا نام دیا اب

شام ہو چکی تھی اور پہلا دن تھا۔ دوسرا دن: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پانی کے درمیان ایک چھت (سقف) ہونی چاہیئے جو (نیچے کے) پانی اور (اوپر کے) پانی کے مابین حائل ہو، تاکہ اوپر کے پانی اور نیچے کے پانی کے درمیان ایک فرق اور امتیاز قائم ہو جائے اللہ نے اس چھت کا نان آسمان رکھ دیا اب شام ہو گئی اور یہ دوسرا دن تھا"۔(45)

فاضل مترجم نے اپنے اردو ترجمے کے لیے جو اصول وضع کیے ہیں وہ اس میں کامیاب نظر آتے ہیں، اسی لیے عام فہم ہے نیز اردو ادب کا پاس ولحاظ بھی موجود ہے، ضروری اضافہ نے اس خشکی جو دور کر دیا ہے جو عموماً ترجموں میں پائی جاتی ہے، اس ترجمہ کے بارے میں یہ لکھنا مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ اس ترجمے سے اردو تاریخ میں ایک خوشگوار اضافہ ہوا ہے بلکہ یہ ترجمہ بعد کے ترجمہ نگاری کے خواہشمند حضرات کے لیے نشان راہ ثابت ہو گا۔

8۔الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں)

اصل کتاب کے مصنف مشہور مؤرخ وادیب "مولانا حکیم سید عبد الحئ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء(1869۔1923)" ہیں، گل رعنااور نزھۃالخواطر آپ کی یادگار کتابیں ہیں اور مترجم "مولاناابوالعرفان ندوی"ہیں۔اس کتاب کاپہلاایڈیشن 1389ھ مطابق 1969ء میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،یوپی سے منظر عام پر آیا۔جبکہ اس کا جدید معیاری ایڈیشن 2009ء کو عمل میں آیا،ترجمہ کے صفحات 508 ہیں۔مصنف مرحوم کی عربی میں لکھی ہوئی اس کتاب کااصلی نام "معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف" ہے،جسے شام کے مشہور سرکاری اکیڈمی " المجمع العلمی العربی "نے 1958ء میں "الثقافۃالاسلامیہ فی الھند "کے نام سے بڑے آب و تاب کے ساتھ شائع کیااور وہ بہت جلد دنیا کے حلقوں میں مقبول ہوئی،اسی کا ترجمہ "اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں "کے نام سے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا،اس کتاب میں نظام ونصاب درس کی عہد بہ عہد تاریخ کا بیان ہے یعنی اس میں فنون ادبیہ کی،علوم شرعیہ دینیہ اور فنون نظریہ اور فن طب وغیرہ کی تاریخ اور ہزار سالہ اسلامی عہد کے مصنفین اور تصنیفات کی ڈائرکٹری موجود ہے،یہ کتاب اس سلسلہ میں ہندوستان کے متعلق مستند معلومات کا سب سے بہتر ماخذ اور ذخیرہ ہے،مذکورہ کتاب نہ صرف کتابوں کی فہرست ہے بلکہ اس کے ضمن میں ہندوستانی مسلمانوں کی پوری علمی تعلیمی اور ذہنی وفکری تاریخ آگئی ہے اور تنہا یہی ایک مستقل علمی کارنامہ ہے،شرق اوسط اور عالم اسلام میں ہندوستان کواس حیثیت سے متعارف اور علمی ودینی خدمات سے واقف کرانے کااس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اسی لئے دارالمصنفین نے افادہ عام کے خاطر اس کتاب کااردو ترجمہ کرایااور اس کو آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔کتاب ھذا چار ابواب پر مشتمل ہے جن کے تحت کئی فصلیں ہیں۔

کتاب کی شروعات اس طرح ہوتی ہے:سب سے پہلے پیش لفظ ہے جس کو مولاناشاہ معین الدین احمد ندوی ناظم شعبہ علمی وڈائرکٹر شعبہ تاریخ ،شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے تحریر کیاہے اس کے بعد عربی مصنف مولانا حکیم سید عبدالحئ صاحب کا تذکرہ وتعارف ہے بعدہ مقدمہ ءمصنف،پھر تعلیم کی عہد بعہد تاریخ،ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد اور نصاب تعلیم وغیرہ کے بارے میں باتیں مذکور ہیں۔

جہاں تک ترجمہ کی کیفیت اور حسن وخوبی اور کمی نیز معیاری اور غیر معیاری ہونے کی بات ہے تو میرے خیال میں یہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں اصل عبارت کے مرکزی مفہوم کی کامیاب ترجمانی کی گئی ہے جو نہایت ہی عمدہ ہے، زبان وبیان اور اسلوب معیاری ہے، سادہ اور سلیس اور عام فہم اردو زبان کا استعمال کیا گیا ہے جگہ جگہ مترجم نے حاشیہ لگا کر عبارت کے مفہوم اور اور بہت سے الفاظ کی وضاحت اور تشریح کی ہے جس سے ترجمانی میں ابہام وخفا دور ہو گیا ہے۔ مترجم موصوف کے ترجمہ کے بارے میں ڈائرکٹر شعبہ تاریخ شبلی اکیڈمی مولانا معین الدین احمد ندوی پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"یہ خدمت عزیز گرامی مولوی ابو العرفان صاحب ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلمانے جو خود اچھا تاریخی ذوق رکھتے ہیں اور ہندوستان کی تاریخ سے ان کو خصوصی دلچسپی ہے سلیقہ اور قابلیت کے ساتھ انجام دی ہے، وہ ہمارے سب کے شکریہ کے مستحق ہیں"۔(46)

بطور نمونہ عربی اور ترجمہ دونوں کے اقتباس درج ذیل ہیں۔

متن:

اعلم ان الاسلام ورد الهند من جهة خراسان و ماوراء النهر ، فانعكست اشعة العلم على الهند من قبل تلك البلاد وكانت صناعة اهلهما من قديم الزمان فنون الفلسفة و حكمة اليونان وكان قصارى نظرهم فى علم النحو و الفقه و الاصول و الكلام على طريق التقليد. فلما بلغ الاسلام الى الهند و صارت بلدة ملتان مدينة العلم،نهض من تلك البلدة جمع كثير من العلماء ثم لما صارت لاهور قاعدة الملك فى ايام الغزنوية صارت مركزا للعلوم و الفنون -(47)

ترجمہ:

"تاریخ سے اسی قدر سراغ ملتا ہے کہ اس سرزمین میں فاتحان ہند کے ساتھ ساتھ علم آیا تھا اور جو جو تبدیلیاں عراق ماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں، اس کا اثر یہاں کے نصاب پر بھی پڑتا تھا سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذرے چمکے اور ان کی جگمگاہٹ اتنی بڑھ گئی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں ان کی روشنی پھیل گئی اور جب ملوک غزنویہ نے لاہور کو ہندوستان کا دار السلطنت قرار دیا تو اس شہر نے سب سے پہلے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا"(48)

عربی زبان پر دسترس رکھنے والے جانتے ہیں کہ مذکورہ اردو ترجمہ اصل عربی متن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے بلکہ اصل عبارت کے مرکزی مفہوم کی ترجمانی کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ ترجمہ طبع زاد کتاب معلوم ہوتا ہے، اسی لیے 306 صفحات کی اس عربی کتاب کی ترجمانی میں اردو کے 508 صفحات استعمال ہوئے ہیں۔تاہم اردو داں طبقہ کے لیے ایک گراں قدر تاریخی تحفہ ہے۔

9۔تاریخ طبری

اس عربی تاریخی کتاب کے مصنف "علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری(المتوفی 310ھ) ہیں۔اس کتاب کا عربی نام" تاریخ الامم والملوک "ہے۔اور دنیائے عرب میں " تاریخ الرسل والملوک، وصلۃ تاریخ الطبری سے مشہور ہے۔تاریخ طبری کو اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں امہات الکتب کا درجہ حاصل ہے،تاریخ طبری کو یہ مقام بھی حاصل ہے کہ وہ واقعات کی زیادہ سے زیادہ تفصیل مہیا کرتی ہے۔علامہ طبری نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری دور میں لکھنا شروع کی تھی،یہ عربی تاریخی کتاب 302ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔مذکورہ کتاب 9 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، زمین و آسمان کی پیدائش، تخلیق آدم، انبیاء کرام کے واقعات، ملوک عالم، بنی اسرائیل کے پیغمبروں، حضرت عیسی علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ خلافت عباسیہ کے انحطاط وغیرہ جیسے اہم تاریخی چیزوں کا یہ کتاب احاطہ کرتی ہے،اس کی تکمیل چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں ہوئی تھی بجا طور پر اسے اپنے عہد کی تاریخ نگاری کا بے مثال نمونہ کہا جاسکتا ہے۔تاریخ کامل،تاریخ ابن خلدون اور تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں اسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے آغاز اسلام سے لے کر اپنے زمانے تک قابل قدر کتابوں کے اہم اقتباسات کو چھان بین اور تحقیق کے بعد نہایت ترتیب و سلیقے سے پیش کیا ہے اور مؤلف نے اس پیش کش میں حتی الامکان غیر جانب دار رہنے کی کوشش کی ہے جو علمی انصاف کی بہترین مثال ہے اسی لیے اس اہم کتاب کو اردو کا قالب دیا جانا بہت ضروری تھا تاکہ دنیائے اردو بھی اس گلستان تاریخ کی سیر کر سکے؛ چنانچہ مختلف اوقات میں حسب ضرورت اس کا اردو ترجمہ کیا گیا۔اسی لیے تاریخ طبری کے اردو زبان میں کئی ترجمے پائے جاتے ہیں۔اس کتاب کا سب سے پہلا ترجمہ مشہور مناظر و مبلغ اور بہترین مترجم و عالم دین مولانا محمد عبد الشکور صاحب لکھنوی (متوفی: 1962ء) کے قلم سے وجود میں آیا۔انہوں نے اسے 1323ھجری میں اپنے مطبع" عمدۃ المطابع لکھنؤ سے شائع کیا ہے۔مترجم نے اصل کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے بطور مقدمہ تاریخ کے فوائد اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔نیز اسلامی تاریخ کی ابتداء کب سے ہوئی اس کو بھی واضح کیا ہے۔اور یہ بھی بتایا ہے کہ علم تاریخ کی جلالت اور عظمت کیا ہے۔

مترجم نے اس ترجمہ کو نہ تو پورے طور پر لفظی کیا ہے اور نہ ہی بالکلیہ بامحاورہ کیا ہے بلکہ عربی عبارات کے مقامات کے اعتبار سے حسب موقع دونوں کی رعایت کی ہے تاکہ مصنف کا طرز بیان اور ان کے کلام کی شان باقی رہے۔اور یہ بھی نہ ہو کہ پیچیدہ عبارتوں میں مصنف کے عربی الفاظ کی مکمل پیروی کی جائے کہ جس سے قارئین کو اصل مطلب سمجھنے میں دقت پیش آئے۔نیز اس ترجمہ میں مترجم نے اپنی جانب سے یہ تصرف کیا ہے کہ کسی بھی خبر کے بیان میں اس کے تمام اسانید کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اور "بسندہ" لکھ کر صرف اخیر راوی کا نام لینے کے بعد تاریخی بات کو بیان کیا ہے۔ہاں البتہ ان اسانید کا ترجمہ حاشیہ میں کر دیا گیا ہے تاکہ ترجمہ ضخیم بھی نہ ہو اور سند کا فائدہ بھی باقی رہے۔مترجم نے یہ ترجمہ "لیڈن" میں چھپے نایاب نسخہ سے کیا ہے۔

دوسرا ترجمہ:

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن میں بھی اس کتاب کا ترجمہ کرایا گیا تھا،نواب حیدر یار جنگ مولوی سید علی حیدر طباطبائی دارالترجمہ سرکار عالی کے ناظم ادبی امور تھے،انہوں نے تاریخ طبری جلد دوم کا ترجمہ کیا ہے۔اس ترجمہ کی اشاعت 1345 ھجری مطابق 1926ء میں ہوئی تھی،اس جلد میں 40 ھجری سے 65ھ تک کے واقعات مندرج ہیں۔چنانچہ اس ترجمہ کی ابتداء 40ھ میں ذکر بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوتی ہے اس کے بعد مصنف نے تمام ھجریوں میں پیش آمدہ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے 65ھ میں "عبداللہ طائی شاعر کا رجز اور قتل ہونا اور اعشی ہمدانی کا مرثیہ" وغیرہ جیسے عنوان پر یہ حصہ مکمل کیا ہے۔اس کتاب کے کل صفحات 438 ہیں۔

ترجمہ کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کے عربی شعر کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"انی من اللہ الی اللہ افر　　　　رضوانک اللہم ابدی و امر

ترجمہ:

" میں اللہ سے اللہ ہی کی طرف بھاگ کر جاتا ہوں۔اے خدا تیری خوشنودی کی آرزو میرے ظاہر و باطن میں ہے (49)"

دوسرا اقتباس نثر کا بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اردو ترجمہ کی چاشنی محسوس ہو سکے:

متن:

"ذکر بیعۃ الحسن بن علی : وفی ھذہ السنۃ -اعنی سنۃ اربعین -بویع للحسن بن علی بالخلافۃ و قیل: ان اول من بایعہ قیس بن سعد، قال لہ : ابسط یدک ابایعک علی کتاب اللہ عز وجل وسنہ نبیہ ، فان ذالک یاتی من وراء کل شرط ، فبایعہ وسکت و بایعہ الناس---

و حدثنی عبد اللہ بن احمد بن شبویہ المروزی قال: حدثنا ابی قال : حدثنا سلیمان ،قال:حدثنا عبد اللہ عن یونس عن الزھری ، قال:جعل علی قیس بن سعد علی مقدمتہ من اھل العراق الی قبل آذر بیجان و علی ارضھا و شرطۃ الخمیس الذی ابتدعہ من العرب وکانوا اربعین الفا بایعوا علیا علی الموت ولم یزل قیس ید ری ذالک البعث حتی قتل علی ، و استخلف اھل العراق الحسین بن علی علی الخلافۃ (50)"

ترجمہ:

" ذکر بیعت حسن بن علی: 40ھ میں حسن بن علی علیہما السلام سے خلافت کی بیعت ہوئی۔ سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعۃ کی کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے خدائے عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی کی سنۃ اور مفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی کتاب اور اس کی سنت پر۔ کہ یہی سب شرطوں پر شامل ہے۔ قیس نے بیعت کرلی اور کچھ نہ کہا پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔ علی علیہ السلام نے مقدمہء لشکر اہل عراق پر جو آذر بائیجان و اصفہان سے تعلق رکھتا تھا اور اس خاص لشکر پر جو عرب نے ترتیب دیا تھا اور شمار میں چالیس ہزار تھے جنہوں نے علی علیہ السلام سے مرنے پر بیعت کی تھی قیس بن سعد کو رئیس مقرر کیا تھا اور قیس اس مہم کو ٹالتے رہے۔ اسی اثناء میں علی رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا اور اہل عراق نے حسن بن علی کو خلیفہ مقرر کیا"(51)

تاریخ طبری جلد سوم کا ترجمہ چار حصوں میں دار الترجمہ حیدر آباد سے شائع ہوا، تاریخ طبری جلد سوم میں عہد بنی عباس کا ذکر ہے، اس جلد کا پہلا اور دوسرا حصہ سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔اے کی محنت کا نتیجہ ہے، پہلا حصہ 1933ء میں دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد سے شائع ہوا یہ ترجمہ 602 صفحات کو محیط ہے، اس کا حصہ دوم 1935ء میں منظر عام پر آیا، 731 صفحات کے اس ترجمہ کا آغاز خلافت ہارون رشید سے ہوتا ہے۔

تاریخ طبری جلد سوم کے ترجمے کا تیسرا اور چوتھا حصہ ایک ساتھ 1940ء میں شائع ہوا ہے، یہ دونوں حصے مشہور مترجم مولانا عبداللہ عمادی رکن سر رشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرف منسوب ہیں، دونوں حصوں کی ضخامت 732صفحات ہے اور خلافت جعفر المتوکل علی اللہ کے واقعات پر مشتمل ہے۔

مولانا محمد ابراہیم ندوی کا ترجمہ: اس کے علاوہ مولانا سید محمد ابراہیم صاحب ندوی ایم۔اے نے تاریخ طبری کی متعدد جلدوں کا ترجمہ کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم (عہد رسالت تاوفات) کا یہ ترجمہ 600 صفحات پر مشتمل ہے اور دارالترجمہ حیدر آباد سے 1936ء میں شائع ہوا، اس کے بعد 1941ء میں تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم (عہد خلافت راشدہ) صفحات: 326 منظر عام پر آیا۔اس سے پہلے 1928ء میں مولانا محمد ابراہیم ایم۔اے نے تاریخ طبری جلد دوم کا ترجمہ کیا تھا، جس کا حصہ دوم 550 صفحات پر مشتمل تھا جس میں 65،66 ہجری کے واقعات بعدہ 67تا99 ہجری کے واقعات کا ترجمہ کیا گیا تھا، اس جلد کا حصہ سوم و چہارم ایک ساتھ 571 صفحات پر محیط ہے یہ ترجمہ 100 ہجری تا132 ہجری کے واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔ان متفرق ترجموں کو یکجا کر کے نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کر دیا ہے، تاریخ طبری کے جن حصوں کا ترجمہ دارالترجمہ حیدر آباد سے نہیں ہوا تھا، نفیس اکیڈمی کراچی نے ان حصوں کا ترجمہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا ہے اب اردو ترجمے کا یہ سیٹ مکمل دس جلدوں میں ہے، اس کی ترتیب و تبویب کا کام شبیر حسین قریشی نے کیا ہے۔مذکورہ ترجمے چوں کہ دارالترجمہ حیدر آباد سے شائع ہوئے ہیں اس لیے اپنے وقت کے لحاظ سے معیاری اور مناسب ہیں، ترجمہ میں بانکپن اور سہل نگاری کے لیے جن چیزوں کی رعایت ضروری ہے وہ ان میں موجود ہے کیوں کہ مترجمین نے اپنے ترجمے کے لیے جو اصول و ضوابط مقرر کیے تھے جن کا ذکر ما قبل میں آچکا ہے انہوں نے ان اصول و ضوابط کی خلاف ورزی نہیں کی ہے چوں کہ ان ترجموں کے مترجمین بہت معروف ہیں نیز بعض مترجمین کے ترجمے کے نمونے ما قبل میں آچکے ہیں اس لیے ترجموں کے اقتباس کو قصداً چھوڑ دیا گیا ہے۔

نوٹ: دارالاشاعت کراچی پاکستان سے 2003ء مین تاریخ طبری کے ترجمہ کا ایک سیٹ شائع ہوا ہے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اس کی پہلی جلد قبل از اسلام یعنی زمانہ کی حقیقت و ماہیت، زمین و آسمان کی پیدائش، تخلیق آدم،

واقعات انبیاء کرام وملوک عالم فارس، یمن، اور روم کے بادشاہوں اور پیغمبران بنی اسرائیل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے بادشاہ اور حضرت عیسی علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل مواد کا اردو ترجمہ ہے۔اس حصے کے مترجمین: مولانا محمد اصغر مغل فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی اور مولانا اعجاز احمد صمدانی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ہیں، 664 صفحات کا یہ ترجمہ بھی سلیس، بامحاورہ اور عام فہم ہے۔اس سیٹ کی دوسری جلد کے ترجمہ پر مترجمین یا مترجم کا نام موجود نہیں ہے یہ ترجمہ 840 صفحات پر محیط ہے جو تاریخ طبری جلد دوم کا حصہ اول و دوم ہے جس میں عہد رسالت تا عہد فاروقی 16 ھجری کے واقعات درج ہیں،اس سیٹ کی تیسری جلد خلافت فاروق تا خلافت عثمان (16 تا 35 ھجری) اور خلافت علی (مکمل 35 تا 40 ھجری) کا احاطہ کرتی ہے، مولانا محمد اصغر مغل صاحب اس کے مترجم ہیں اس کے کل 744 صفحات ہیں یہ تاریخ طبری جلد 3 کا ترجمہ ہے جو دو حصوں (اول و دوم) میں منقسم ہے۔اس سیٹ کی چوتھی جلد 820 صفحات کی ہے جس میں حضرت حسن بن علی کی بیعت سے لے کر 599 ھجری کے اہم واقعات درج ہیں،اس جلد پر مترجم کا نام مذکور نہیں ہے؛ لیکن ترجمہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اصلا مولوی سید علی حیدر طباطبائی کا ہی ترجمہ ہے جس کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے؛ لیکن اس ترجمے میں تسہیل و ترتیب نو کا کام انجام دیا گیا ہے، تسہیل کرنے والوں کے نام اس جلد پر نہیں ہیں؛ تاہم تسہیل و تشریحی نوٹس اور عنوانات کے اضافہ کو ناشر نے اپنی جانب منسوب کیا ہے، راقم کا خیال ہے کہ تسہیل کا کام مولانا محمد اصغر مغل نے کیا ہے۔

یہاں اس کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے تاکہ اصل اور تسہیل شدہ ترجمے میں فرق سامنے آسکے، ماقبل میں جو نثری اقتباس پیش کیا گیا ہے اسی عبارت کے ترجمہ کا اقتباس یہاں بھی پیش کیا جاتا ہے:

"قیس بن سعد کا حسن سے بیعت کی ابتداء کرنا:

ذکر بیعت حسن بن علی: 40ھ میں حسن بن علی سے خلافت کی بیعت ہوئی۔سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعت کی کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے خدائے عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت اور مفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی کتاب اور اس کی سنت ہی کافی ہے کہ یہی سب شرطوں پر شامل ہے۔قیس نے اس پر بیعت کر لی اور کچھ نہ کہا پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔

علی ؟؟نے اہل عراق کے مقدمۃ الجیش جو آذر بائیجان واصفہان سے تعلق رکھتا تھااور اس خاص لشکر پر جو عرب نے ترتیب دیا تھااور شمار میں چالیس ہزار تھے اور انہوں نے علی سے آخر دم تک لڑنے مارنے پر بیعت کی تھی، قیس بن سعد کو رئیس مقرر کیا تھااور قیس اس مہم کو ٹالتے رہے۔

حضرت حسن کا خلیفہ ہونا:

اسی اثناء میں علی رضی اللہ عنہ کا قتل واقعہ ہوااور اہل عراق نے حسن بن علی ؟؟ خلیفہ مقرر کیا"(52)

دارالترجمہ عثمانیہ حیدر آباد اور دارالاشاعت کراچی دونوں کے نسخوں میں صاف طور پر فرق محسوس ہو رہا ہے کہ دارالترجمہ حیدر آباد کے ترجمے میں مذکورہ حصے کے ترجمے میں کہیں عنوان نہیں ہے جب کہ دارالاشاعت کراچی والے نسخے میں "قیس بن سعد کا حسن سے بیعت کی ابتداء کرنا" اور" حضرت حسن کا خلیفہ مقرر ہونا" جیسے عنوان کا اضافہ ہے، علاوہ ازیں کچھ تلفظ اور تقدیم وتاخیر کا فرق بھی موجود ہے اس کے باوجود دارالاشاعت والے نسخے میں مولانا سید علی حیدر صاحب کے ترجمے کا رنگ غالب اور نمایاں ہے، جس کی وجہ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ دارالاشاعت کراچی سے شائع ہونے والا یہ ترجمہ درحققت سید علی حیدر صاحب کا ہی ترجمہ ہے، یقیناً اہل تحقیق اس کی تائید کریں گے۔

اس کے بعد کی جو تین جلدیں ہیں وہ دارالترجمہ عثمانیہ والے نسخے ہی ہیں ان میں سے آخر کی دو جلدوں پر تسہیل، تشریح اور اضافہ ءعنوانات کا کام مولانا اصغر مغل صاحب نے انجام دیا ہے جبکہ پہلی جلد یعنی مجموعی طور پر جلد پنجم پر تسہیل کرنے والے کا نام درج نہیں ہے، راقم کا خیال ہے کہ مولانا اصغر مغل صاحب نے ہی اس اضافہ عنوانات اور تشریح وتسہیل کا کام کیا ہے۔

10۔تاریخ ابن کثیر

اس کتاب کا عربی نام "البدایہ والنہایہ" ہے اس کے مصنف مشہور مؤرخ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (متوفی: 774ھ) ہیں، تاریخ ابن کثیر آغاز دنیا سے لے کر عراق و بغداد میں تاتاریوں کے حملوں تک وسیع و عریض زمانے کا احاطہ کرتی ہے، حافظ ابن کثیر کی یہ تاریخ علماء اور اہل تحقیق کے درمیان بڑی مستند تصور کی جاتی ہے اس میں عام تاریخی واقعات کے علاوہ مشاہیر علماء و عرفاء کے حالات بھی عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں جو ابن کثیر کا عدیم النظیر کارنامہ ہے اور بقول طارق اقبال گاہندری: اور غالبا سب سے پہلی تاریخ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں سال کی روز و شب کی گردشوں، کروٹوں، انقلابوں اور حکومتوں کو محفوظ کیا گیا ہے، یہ کتاب 16 جلدوں پر مشتمل ہے ابتدائی چودہ جلدیں ابتدائے آفرینش سے مصنف کے دور تک اور آخر کی دو جلدیں قیام قیامت اور بعد کے احوال پر مشتمل ہیں۔اس کتاب کی تیسری جلد میں سیرت رسول کا تذکرہ ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے،ان ضخیم جلدوں کا اردو ترجمہ آسان نہیں تھا تاہم اردو داں طبقہ کے لیے بہت ضروری تھا۔چودھری طارق اقبال لکھتے ہیں:

"۔۔۔یہ عربی میں تو چھپ چکی تھی لیکن کسی نے بھی اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش نہیں کی،اس کو اردو میں منتقل کرنا بہت مشکل کام تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس کو کون چھاپے گا تو اس سلسلے میں، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے مجھے اس بات کا خیال آیا کہ اس تاریخ کو اردو قارئین کے ہاتھوں تک ضرور پہنچنا چاہیے۔۔۔"(53)

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی جسے برصغیر میں پہلی مرتبہ تاریخ اسلام سے متعلق تمام امہات الکتب کو اردو میں منتقل کرانے کا شرف حاصل ہے،اسی نے اس اہم تاریخی کتاب کا اردو ترجمہ اردو داں طبقہ کے سامنے نہ صرف پیش کیا بلکہ زبان اردو کے دامن کو ایک قیمتی اور تاریخی تحفہ سے بھر دیا اور کتب خانوں کی الماریوں کی زینت میں اضافہ بھی کیا اس کتاب کو اردو قالب میں پیش کرنے کا سہرا پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب عربی، حافظ عبدالمنان، مولانا اختر فتح پوری، سید عبدالرشید ندوی ایم۔اے اور مولانا انوار الحق قاسمی کے، سر بندھتا ہے۔یہ اردو ترجمہ 16 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، یہ ترجمہ پہلی بار جون 1987ء میں منظر عام پر آیا ترجمہ کے آغاز میں مفید مقدمہ بھی شامل

ہے، تقریب اذہان کے لیے عناوین کے ساتھ حواشی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، مجموعی طور پر تمام مترجمین کے ترجمے عمدہ اور عام فہم ہیں، ترجمہ میں روانی ہے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں بلکہ مستقل کتاب ہے مزید تفصیل آگے آرہی ہے سب سے پہلے پروفیسر کوکب شادانی کے ترجمے کا، شروع کی چار جلدوں کا ترجمہ انہی کا کارنامہ ہے۔ایک اقتباس درج ذیل ہے:

متن:

"قالت: وکان لابی بکر مسجد عند باب داره فی بنی جمح فکان یصلی فیہ وکان رجلا رقیقا اذا قرأ القرآن استبکی قالت فیقف علیہ الصبیان والعبید والنساء یعجبون لما یرون من ھیئتہ ، قال فمشی رجال من قریش الی ابن الدغنۃ ، فقالوا : یا ابن الدغنۃ انک لم تجر ھذا الرجل لیؤذینا انہ رجل اذا صلی وقرأ ماجاء بہ محمد یرق و کانت لہ ھیئۃ و نحن نتخوف علی صبیاننا و نسائنا و ضعفائنا ان یفتنھم -"(54)

ترجمہ:

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکے واپس آکر جس مکان میں ٹھہرے اس کے آگے انہوں نے نماز کے لیے ایک جگہ بنالی اور وہاں نماز ادا کرنے لگے جب وہ نماز میں قرآنی آیات تلاوت فرماتے تو ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی ان کی یہ حالت دیکھ کر قریش کے مرد، عورتیں اور بچے وہاں رک جاتے اور ان کی حالت دیکھ کر اور قرآنی آیات سن کر ان لوگوں کے دل پسیجنے لگے یہ دیکھ کر بہت سے قریش مل کر ابن دغنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ: اگر ابو بکر اس طرح اپنے مکان کے باہر نماز پڑھتے رہے تو نہیں اندیشہ ہے کہ ان کے مرد عورتیں بلکہ بچے تک بھکنے اور اپنی تہذیب سے روگردانی کرنے لگیں گے"۔(55)

یہاں ترجمہ اور متن کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے، مترجم کی پوری کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے تحت اللفظ ترجمہ نہیں کیا ہے کیوں کہ اس سے قاری کو اکتاہٹ ہوتی ہے، مترجم نے متن کی تقدیم و تاخیر میں بھی تصرف کیا ہے تاکہ اردو کی چاشنی ترجمے میں پیدا کی جاسکے، مترجم نے حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے تاکہ اسے طبع زاد کتاب کا نام دیا جاسکے، غور کیجئے مترجم نے " کان رجلا رقیقا" کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا ہے، ترجمے میں " ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی" یہ ایسا اضافہ ہے جو اصل متن میں موجود نہیں ہے، لیکن اس حذف اور اضافہ سے ترجمہ کی خوبی متاثر نہیں ہو رہی ہے بلکہ پوری عبارت کا مفہوم اور اس کی تلخیص اردو کے قالب میں ڈھال دی گئی ہے۔ کہیں

کہیں مترجم نے ترجمہ یا ترجمانی سے پہلے تمہیدی باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔تاریخ کی وہ کتابیں جن میں ہر بات سند کے ساتھ لکھی گئی ہے عموماً ترجمہ کے وقت سند چھوڑ دی جاتی ہے لیکن البدایہ والنہایہ کے مترجم نے اپنے ترجمے میں پوری سند لکھنے کا اہتمام کیا ہے، مترجم کے نزدیک یقیناً اس کی ضرورت رہی ہو گی ورنہ ترجمہ کے وقت ان سندوں کا ذکر نہ کرنا ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

مولانا اختر فتح پوری کے ترجمہ کا جائزہ: مولانا اختر فتح پوری ایک اچھے مترجم ہیں، تاریخ کے علاوہ دیگر موضوعات کی عربی کتابوں کے ترجمے بھی آپ نے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا ہے، تاریخ ابن کثیر یعنی البدایہ والنہایہ کی زیادہ تر جلدوں کا اردو ترجمہ آپ نے ہی کیا ہے، تاریخ ابن کثیر اردو کی کل آٹھ جلدیں آپ کی جانب منسوب ہیں، چوں کہ موصوف مترجم نے اپنے ترجمے کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی ہے بلکہ قارئین پر فیصلہ چھوڑ دیا ہے اس لیے ذیل میں ترجمہ مع متن برائے تبصرہ درج کیا جاتا ہے:

متن:

"خلافة الحسن بن علی رضی اللہ عنہ وعن ابیہ و امہ:

قد ذکرنا ان علیا رضی اللہ عنہ لما ضربہ ابن ملجم قالوا لہ:استخلف یا امیر المؤمنین فقال:لا ولکن ادعکم کما ترککم رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم یعنی بغیر استخلاف ۔ فان یرد اللہ بکم خیرا یجمعکم علیٰ خیرکم کما جمعکم علیٰ خیرکم بعد رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم ، فلما توفی و صلیٰ علیہ ابنہ الحسن ۔ لانہ اکبر بنیہ رضی اللہ عنھم ۔ ودفن کما ذکرنا بدار الامارة علیٰ الصحیح من اقوال الناس ، فلما فرغ من شآ نہ کان اول من تقدم الیٰ الحسن بن علی رضی اللہ عنہ قیس بن سعد بن عبادة فقال لہ : ابسط یدک ابایعک علیٰ کتاب اللہ و سنة نبیہ فسکت الحسن فبایعہ ثم بایعہ الناس بعده -(56)

ترجمہ:

"حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلوار ماری تو لوگوں نے آپ سے کہا یا امیر المؤمنین خلیفہ مقرر کر دیجئے تو آپ نے فرمایا: میں خلیفہ مقرر نہیں کروں گا بلکہ میں تم کو اس طرح چھوڑ دوں گا جیسے رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا یعنی خلیفہ مقرر کیے بغیر اور اگر اللہ تعالیٰ نے تم سے بھلائی کرنی چاہی تو وہ تم کو اسی

طرح تمہارے بہترین آدمی پر اکٹھا کر دے گا جیسے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم کو تمہارے بہترین آدمی پر اکٹھا کر دیا تھا، پس جب آپ وفات پاگئے تو آپ کے بیٹے حضرت حسن رض نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اس لیے کہ وہ آپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صحیح قول کے مطابق آپ کو دارالامارت میں دفن کیا گیا۔اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے معاملہ سے فارغ ہو گئے تو سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادۃ رض نے آگے بڑھ کر آپ سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیے میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر آپ کی بیعت کروں، حضرت حسن رض نے سکوت اختیار کیا تو اس نے آپ کی بیعت کرلی پھر اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی۔"(57)

ترجمہ کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ مذکورہ ترجمہ میں عربی الفاظ کو سمیٹنے کی پوری کوشش کی گئی ہے بلکہ بعض مواقع میں عربی کے الفاظ بعینہ باقی رکھے گئے ہیں، اس لیے ادائے مفہوم کے اعتبار سے مذکورہ ترجمہ ایک کامیاب ترجمہ ہے؛ لیکن چوں کہ مقامات واشخاص کے تعارف یا تلفظ کے لیے حواشی کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے یا ترجمہ کے دوران اضافی نوٹس نہیں لکھے گئے ہیں اس لیے عام آدمی کے لیے مکمل استفادہ ذرا مشکل ہے ہاں اہل علم کو کچھ دشواری نہیں ہوگی، ان سب کے باوجود مترجم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اتنی ضخیم کتاب کو ذخیرہ عربی سے نکال کر اردو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

حافظ عبدالرشید کا ترجمہ: تاریخ ابن کثیر کے اردو ترجمہ کا حصہ نہم(9) حافظ سید عبدالرشید ایم۔اے ندوی صاحب کی جانب منسوب ہے۔تاریخ ابن کثیر کی چودہ ضخیم جلدوں میں سے اسی ایک جلد کا ترجمہ سید صاحب نے کیا ہے، پیش نظر حصہ نہم اگرچہ اصلا خلفائے بنو امیہ کے حالات و کوائف، ان کے عہد کی شاندار فتوحات اور فلاحی و ترقیاتی کارناموں کی تاریخ پر مشتمل ہے تاہم ضمنا اس میں اس دور کے تقریبا معروف امراء واعیان مملکت، بعض صحابہ کرام، تابعین عظام کے علاوہ فقہاء، شعراء اور ادباء کے حالات بھی آگئے ہیں، حافظ سید عبدالرشید صاحب کے ترجمہ کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:

متن:

"ثم دخلت سنۃ اربع و سبعین فیها عزل عبد الملک طارق بن عمرو عن امارۃ المدینۃ واضافها الیٰ الحجاج بن یوسف الثقفی ، فقدمها فاقام بها اشهرا ثم خرج معتمرا ثم عاد الیٰ المدینۃ فی صفر فاقام بها ثلاثۃ اشهر ، وبنی فی بنی سلمۃ مسجدا وهو الذی ینسب الیہ الیوم ویقال ان الحجاج فی هذہ السنۃ وهذہ المدۃ شتم جابرا وسهل بن سعد وقرعهما لم لا نصرا عثمان بن عفان ، وخاطبهما خطابا غلیظا قبحہ اللہ واخزاہ ، واستقضی ابا ادریس الخولانی اظنہ علیٰ الیمن وللہ اعلم۔"(58)

ترجمہ:

74ھ

"74ھ کے آغاز ہی میں عبدالملک نے طارق بن عمرو کو مدینہ کی گورنری سے برطرف کرکے حجاج ابن یوسف ثقفی کو اس کی جگہ گورنر مقرر کیا، اس کے لیے نفس بہ نفیس مدینہ آیا اور کئی ماہ وہاں قیام کیا اور پھر عمرہ کے خیال سے وہاں سے روانہ ہوا عمرہ سے فارغ ہو کر وہ پھر مدینہ واپس آیا اور بنی سلمہ میں ایک مسجد بنوائی جو آج تک اس کے نام سے موسوم ہے لوگ بیان کرتے ہیں کہ حجاج نے اس مدت کے دوران جابر اور سہل بن سعد کو حضرت عثمان کی حمایت و اعانت نہ کرنے کے باعث بہت کچھ برا بھلا کہا اور گالیاں تک دیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس سال حجاج نے ابو ادریس خولانی کو یمن کا قاضی بھی مقرر کیا واللہ اعلم"(59)

حافظ سید عبدالرشید صاحب کا مذکورہ ترجمہ عام فہم اور سلیس ہے، عربی کے تمام الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے، حافظ صاحب ترجمہ کے دوران متن میں آئی ہوئی آیت اور آئے ہوئے اشعار کو ترجمہ میں باقی رکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ کیا ہے اردو ترجمہ میں اردو زبان کی رعایت بھی کی گئی ہے مثلاً" یقال" کا اردو ترجمہ عموماً" کہا جاتا ہے" سے کیا جاتا ہے لیکن مترجم موصوف نے" لوگ بیان کرتے ہیں" سے کیا ہے جس میں اردو کی فصاحت اور محاورہ کی رعایت ہے، اس کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں زائد چیزوں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، مثلاً متن میں موجود" قبحہ اللہ واخزاہ "کا جملہ حجاج کے حق میں بددعا ہے؛ لیکن ترجمہ میں مترجم نے اسے ترک کر دیا ہے کیوں کہ تاریخ جاننے والے کے لیے اس کا ترجمہ جاننا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی معاملہ ہے، مذہب پر گفتگو کے وقت اس کا بیان مناسب ہے۔ الغرض ترجمہ قابل اطمینان اور مستند ہے۔

مولاناانوارالحق کاترجمہ: البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر اردو کی گیارھویں جلد 248ھ سے 405ھ کے حالات پر مشتمل ہے، مولاناانوارالحق قاسمی اس حصہ کے مترجم ہیں یہ ترجمہ 608 صفحات پر مشتمل ہے، مولانا قاسمی دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے سابق استاذ حدیث ہیں، اس لیے عربی سے اچھی واقفیت ہے، موصوف مترجم نے اپنے ترجمہ کے شروع میں مذکورہ جلد کا مختصر تعارف بھی لکھاہے، اسی تعارف کے اخیر میں لکھتے ہیں:

"آخر میں اپنی علمی بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ اس مجبوری کا بھی اظہار ہے کہ ترجمہ کے لیے جو کتاب میرے پیش نظر ہے وہ مکتبہ المعارف بیروت کا مطبوعہ ہے، اس کی طباعت میں مجھے کئی جگہ غلطیاں نظر آئیں اور مشکلات سامنے آئیں مگر بعض جگہ کسی بھی دوسرے نسخہ کے میسر نہ ہونے کے سبب میں انہیں حل نہ کرسکا، اس لیے اس کے مطالعہ کے وقت علماء کرام غلطیوں اور کوتاہیوں پر مطلع ہونے کی صورت میں ہمیں مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ان کی اصلاح کی جاسکے"(60)

متن:

"ثم دخلت سنة سبعين و مائتين من الهجرة فيها كان مقتل صاحب الزنج قبحه الله : وذالک ان الموفقلما فرغ من شآن مدينة صاحب الزنج وهی المختارة واحتازماكان بها من الاموال وقتل من كان بها من الرجال ، وسبى من وجد فيها من النساء والاطفال وهرب صاحب الزنج عن حومة الحرب والجلاد ،وسار الى بعض البلاد طريدا طريدا شديدا بشرحال-"(61)

ترجمہ:

" واقعات۔270ھ

اس سال خبیث حبشی سردار (خدااسے برباد کرے) کا قتل ہوا، تفصیل یہ ہے کہ موفق نے جب حبشی سردار کے شہر مختارہ پر قبضہ کرلیااور اس میں جس قدر مال اور سامان تھاسب اپنے قبضہ میں لے لیااور اس میں لڑنے والے مردوں کو قتل کرڈالااور جتنے بھی عورتوں، بچوں کو پاپاسب کو قید کرلیاتو حبشی سردار لڑائی اور قتل وقتال کی گرم بازاری سے گھبرا کر بھاگ گیا اور دوسرے علاقوں میں انتہائی بے سروسامانی، دھتکارے ہوئے بدترین حالات کے ساتھ چلاگیا (62)"

مولا قاسمی کا یہ ترجمہ معیاری اور عمدہ ہے، سلاست اور روانی ہونے کی وجہ سے پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی ہے، اردو زبان کے محاورے کی رعایت نے ترجمہ میں چاشنی پیدا کر دی ہے، اصل کتاب میں عربی کے جو اشعار ہیں مولانا نے ترجمہ کے دوران انہیں بھی نقل کیا ہے اور ان کے نیچے ان کا اردو ترجمہ کیا ہے، عموماً عربی اشعار کا اردو ترجمہ مشکل ہوتا ہے، لیکن مولانا قاسمی نے اشعار کا ترجمہ بہت مناسب اور عمدہ زبان اور عام فہم تعبیر میں انجام دیا ہے۔ایک شعر اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اقول وقد جاء البشير بوقعة　　　اعزت من الاسلام ماكان واهيا

ترجمہ: میں یہ چند اشعار ایسے وقت میں کہتا ہوں جبکہ خوشخبری دینے والا ایک ایسے اہم واقعہ کی خبر لے کر آیا ہے، جس نے اسلام کو عزت بخشی جبکہ وہ انتہائی کمزور ہو چکا تھا"(63)

عربی اشعار، عربی نام اور عربی جملوں پر اعراب نہ ہونے کی وجہ سے عوام الناس کو مشکل پیش آسکتی ہے؛تاہم اہل علم کے لیے کچھ دشواری نہیں، غالباً صفحات کی ضخامت کی وجہ سے حواشی کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔البتہ مرکزی اور ذیلی عناوین اور تفصیلی فہرست کی وجہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔

نوٹ: نفیس اکیڈمی کراچی نے تاریخ ابن کثیر کے نام سے جو اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ سولہ جلدوں پر مشتمل ہے، اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ ابن کثیر کی چودھویں جلد، البدایہ والنہایہ عربی کی آخری جلد ہے، تاریخ ابن کثیر اردو کی پندرھویں اور سولھویں جلد اصل کتاب کا ترجمہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تاریخ سے کوئی تعلق ہے بلکہ یہ حافظ ابن کثیر کی کسی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، جس کی مختصر وضاحت آگے آرہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ نفیس اکیڈمی کی طرف سے اس سلسلے میں کچھ وضاحت نہیں کی گئی ہے، اخیر کی یہ دونوں جلدیں قرب قیامت کے فتنوں، جنگوں، نزول عیسی، ظہور مہدی اور جنت و جہنم جیسے مذہبی اور اسلامی تصورات پر مبنی ہیں اور قرآن و حدیث جیسی نصوص کا ترجمہ ہیں، حافظ عبد المنان فاضل جامعہ مدنیہ لاہور اس کے مترجم ہیں، چوں کہ ان مذہبی امور کا تاریخ سے کچھ تعلق نہیں اس لیے اس ضروری تنبیہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

البدایہ والنہایہ کا مکمل ترجمہ دار الاشاعت اردو بازار کراچی سے سات ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ سات جلدیں کل سولہ حصوں پر مشتمل ہیں، یہ ترجمہ بھی عمدہ اور اچھا ہے، اس کے مترجمین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

1۔ مولانا ابو طلحہ اصغر مغل

2۔ مولانا محمد اسلم بن قاری رحمۃ اللہ صاحب شہداد پوری

3۔ مولانا عامر شہزاد

4۔ مولانا ثناء اللہ محمود صاحب؛ لیکن یہ اکیسویں صدی (2008ء) میں کیا گیا ترجمہ ہے چوں کہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے ہم اس حوالے سے مذکورہ گفتگو پر ہی اکتفاء کرتے ہیں؛ تاہم بیسویں صدی میں کیے گئے ترجمے اور اکیسویں صدی والے ترجمے میں فرق کے لیے مولانا ابو طلحہ مغل کے ترجمے کا ایک ایسا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس کا متن اور ترجمہ اوپر لکھا گیا ہے:

> "حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بنی جمح میں ان کے گھر کے دروازے پر ان کی مسجد تھی وہ اس میں نماز پڑھتے تھے، نہایت نرم دل تھے قرآن پڑھتے تو اشکبار ہو جاتے، غلام، بچے اور خواتین ان کی ہیئت و صورت کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے۔"(64)

غور کیجئے دونوں ترجموں میں کافی فرق ہے، ابو طلحہ مغل کے ترجمے میں عربی متن کی رعایت بہت زیادہ ہے چنانچہ انہوں نے " کان رجلا رقیقا" کا بھی ترجمہ کیا ہے اسی طرح کوکب شادانی نے " مسجد" کا ترجمہ " نماز کے لیے ایک جگہ" سے کیا ہے جب کہ مغل صاحب نے " ان کی مسجد" سے کیا ہے عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ اول الذکر ترجمہ بہتر ہے کیوں کہ "مسجد" اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، اس کے علاوہ دونوں ترجموں میں جو فرق ہے خود غور کیا جا سکتا ہے۔

تنبیہ: اس موقع پر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دار الاشاعت کراچی سے شائع ہونے والے اس ترجمے میں اخیر کی دو جلدیں تاریخ سے متعلق نہیں ہیں بلکہ آخری زمانے کے فتنوں اور علامات قیامت سے متعلق ہیں، پندرھویں جلد کے مترجم شیخ زادہ ثناء اللہ محمود نے اس سلسلے میں تھوڑی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"زیر نظر جو کتاب ہمارے سامنے ہے یہ آخری زمانے کے فتنوں اور اثار قیامت کے بارے میں انتہائی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے اور اس کا پایہ مراتب مؤلف قدس سرہ کے نام سے ہی ظاہر ہے۔۔۔۔۔

یہ کتاب حافظ ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر قرمشی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کی ہے، اس کتاب کی احادیث کی تخریج جناب خلیل مامون شیحانے کی اور اس پر تعلیق کا کام یعنی آیات قرآنیہ کی تخریج بعض مشکل الفاظ کے معانی وغیرہ کا بیان جناب محمد خیر طعمہ حلبی نے کیا ہے۔ اور اس کی پہلی جلد کے ترجمے کی سعادت اس ناکارہ ثناءاللہ محمود کو حاصل ہوئی۔(65)

ہم نے یہ تفصیل پہلے بھی لکھی اور یہاں بھی لکھنا مناسب سمجھا تاکہ تاریخ کا طالب علم " تاریخ ابن کثیر" کے نام کی وجہ سے ان دو جلدوں سے دھوکہ نہ کھا جائے؛ کیوں کہ یہ دونوں جلدیں تاریخ سے متعلق نہیں ہیں؛ لیکن تاریخ کے عنوان سے شائع ہو رہی ہیں۔

11۔تاریخ عروج الاسلام

اس کتاب کا عربی نام " التاریخ الکامل " ہے ، نیز " الکامل فی التاریخ "، " تاریخ ابن الاثیر " اور " تاریخ الکامل " جیسے ناموں سے بھی یہ کتاب مشہور ہے۔ مذکورہ عربی کتاب کے مصنف "علامہ ابی الحسن علی بن ابی الکریم محمد بن محمد بن الکریم عبدالواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری الملقب بہ عزالدین رحمہ اللہ (متوفی: 630ھ)" ہیں اور اس کے مترجم مولوی محمد عبدالغفور خان ہیں جو رامپور کے متوطن اور سررشتہ علوم وفنون سرکار نظام کے مترجم تھے، انہوں نے مذکورہ کتاب کا عربی زبان سے اردو زبان میں سلیس ترجمہ کیا ہے۔ ذکر کردہ ترجمہ "در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی سے 1318ھ مطابق 1901 میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا، جس میں ابتدائے خلقت، انبیائے کرام، اقوام عرب وعجم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، بنی امیہ اور بنی عباس نیز تمام روئے زمین کے سلاطین اسلامیہ اور اقوام معاصرین کے 625 ھجری تک کے حالات وواقعات کا بیان شرح وبسط سے کیا گیا ہے۔

مذکورہ ترجمہ کئی جلدوں میں ہے، پہلی جلد میں ابتدائے آفرینش عالم وآدم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر تک کے انبیاء اور ان کے معاصر عرب وعجم کی قوموں اور بادشاہوں کا حال بڑی تفصیل سے مندرج ہے۔ یہ پہلی جلد 251 صفحات پر مشتمل ہے، پہلی جلد کے ترجمہ مع عربی متن کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

متن:

"واما قبل الاسلام فقد کان بنو ابراھیم یؤرخون من نار ابراھیم الی بنیان البیت حتی بناہ ابراھیم واسماعیل علیھما السلام ثم ارخ بنو اسماعیل من بنیان البیت حتی تفرقوا۔ فکان کلما خرج قوم من تھا مۃ ارخوا بمخرجھم ومن بقی بتھامۃ من بنی اسماعیل یؤرخون من خروج سعد ونھد و جھینۃ بنی زید من تھامۃ حتی مات کعب بن لؤی ۔ و ارخوا من موتہ الی الفیل ثم کان التاریخ من الفیل حتی ارخ عمر بن الخطاب من الھجرۃ و ذالک سنۃ سبع عشرۃ او ثمانی عشرۃ وقد کان کل طائفۃ من العرب تؤرخ بالحادثات المشھورۃ فیھا ولم یکن لھم تاریخ یجمعھم "(66)

ترجمہ:

"13 عربوں کی قدیم تاریخیں: اور اسلام سے پہلے بنی ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر تک آتش حضرت ابراہیم سے تاریخ مقرر کرلی تھی۔ پھر جب حضرت ابراہیم واسمٰعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تو اوس سے تاریخ اون کی مقرر ہوئی۔ پھر وہ متفرق ہوگیے۔ تو تاریخ کا دستور یہ ہو گیا۔ کہ جب کوئی قوم تھامہ سے نکلتی۔ وہ اپنے نکلنے کے وقت سے تاریخ مقرر کرلیتی۔ اور جو لوگ تہامہ مین بنی اسمعیل کے باقی رہ گیے تھے وہ اوس وقت سے تاریخ متعین کیا کرتے تھے۔ جب سے کہ بنی زید کے سعد و نہد و جہینہ قبیلہ تہامہ سے نکلے تھے۔ پھر جب کعب بن لوی مرا تو اونہون نے اوس کے مرنے سے تاریخ کا قاعدہ کرلیا۔ اور عام الفیل تک یہی دستور رہا۔ پھر عام الفیل سے تاریخ لکھنے لگے۔ اوس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب نے ہجرت سے تاریخ مقرر کی۔ اور یہ ابتدا سنہ ہجری کی سترہ یا اٹھاروین سال سے ہوئی ہے۔ پہلے یہ دستور تھا کے عربون کے ہر ایک فرقہ کسی مشہور واقعہ سے تاریخ بیان کرتے تھے۔ لیکن کوئی ایسی تاریخ نہ تھی کہ جسے تمام لوگ استعمال کرتے ہون"(67)

مذکورہ ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی رعایت غالب ہے، اسی لیے پڑھتے وقت یہ تاثر قائم ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی عربی کتاب کا ترجمہ ہے: اس دور کی اردو کے رسم الخط کا استعمال خوب ہے، موجودہ دور میں اس کا سمجھنا باعث دقت ہے تاہم غور وفکر سے بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

عربوں کا خاص ذوق یہ تھا کہ وہ بزرگ ہستیوں کی عظمت و تقدس کے باوجود ان کے ناموں کے ساتھ عظمت و بڑائی پر دال القاب استعمال کرنے کے تکلف سے پرہیز کرتے تھے، مترجم نے اپنے ترجمے میں بھی اس ذوق عربی کی رعایت کی ہے البتہ انبیاء کے ناموں کے شروع میں " حضرت " کا اضافہ کیا ہے جو اردو زبان میں ادب واحترام کا غماز ہے۔

تاریخ عروج الاسلام (جلد دوم): اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر تمام انبیاء اور سلاطین بنی اسرائیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نیز شاہان ایران وتوران، یمن ومصر، بابل ویونان اور اقوام عرب کا بیان درج ہے۔ ترجمے کی یہ جلد 261 صفحات پر مشتمل ہے۔

تاریخ عروج الاسلام جلد سوم: اس کے کل صفحات 291 ہیں، اس تیسری جلد میں حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد کے بزرگان دین اور بقیہ بادشاہان فارس اور عراق میں آباد اقوام عرب، حیرہ کی سلطنت کے حالات، امرائے عرب ،قریش قوم کی قوت، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخ عروج الاسلام جلد چہارم : اس کے صفحات 172 ہیں۔ ترجمہ کے ان صفحات میں عربوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کا تفصیلی بیان ہے جس سے عرب کے پرانے حالات معلوم ہوتے ہیں اور اس میں بہت سے عربی اشعار کے اردو ترجمے بھی کئے گئے ہیں

تاریخ عروج الاسلام جلد پنجم: ۔اس کے کل صفحات 184 ہیں۔ ترجمہ کی اس پانچویں جلد میں ظہور اسلام سے متصل زمانہ جاہلیت میں رونما ہونے والی لڑائیوں کا ذکر ہے۔اس جلد کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

متن:

"قال ابن اسحاق : كان الفجار الاول بين قريش ومن معها من كنانة كلها وبين قيس عيلان ۔ وسببه ان رجلا من كنانة كان عليه دين لرجل من بنى نصر بن معاوية بن بكر بن هوازن ، فاعدم الكنانى ،فوافى النصرى سوق عكاظ بقرد وقال: من يبيعنى مثل هذابما لى على فلان الكنانى ؟فعل ذالک تعبيرا للكنانى و قومه ،فمر به رجل من كنانة فضرب القرد بالسيف فقتله انفة مما قال النصرى،فصرخ النصرى فى قيس و صرخ الكنانى فى كنانة ، فاجتمع الناس و تحاوروا حتى كاد يكون بينهم القتال ثم اصطلحوا۔"(68)

ترجمہ:

" فجار اول میں جھگڑا اور اوس کی نسبت مختلف روایتیں:

۔۔۔۔ابن اسحاق کہتا ہے کہ فجار اول کا واقعہ جن مین ہوا ہے اون مین ایک طرف تو قریش اور اون کے ساتھی کل کنانہ تھے۔اور دوسری طرف قیس عیلان تھے اور اس کا سبب یہ ہوا تہا۔ کہ کنانہ کے ایک شخص پر بنی نضر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن کے ایک شخص کا کچھہ قرض چاہئیے تہا۔ لیکن یہ کنانی مفلس ہو گیا اور اپنا قرض ادا نہ کر سکا۔ اس واسطے وہ نضری میلہ عکاظ میں ایک بندر لایا۔ اور بازار میں اوس کنانی اور اوس کے قوم کی تعییر اور خجالت کے واسطے پکار کر یہ کہنے لگا۔ کہ میں اس بندر سی ذلیل چیز کو اوس قرض کے عوض بیچتا ہوں۔ جو میرا فلاں کنانی پر چاہئیے ہے۔ ہے کوئی ایسا جو اسے مجھہ سے خرید لے اس میں کنانہ کا ایک شخص ادہر ہو کر نکلا۔ اور جب اوس نے اپنی قوم کی یہ بے عزتی کی بات

سنی تواوس نے براہ حمیت والفت قومی اوس بندر کو مار ڈالا۔ نضری نے اپنی قوم قیس مین جا کر دہائی مچائی اور اوس کنانی نے بہی اپنی قوم کنانہ میں جا کر فریاد کی آواز بلند کی۔ طرفین کے آدمی جمع ہو گئیے۔ اور یہ نوبت پہونچ گئی۔ کہ فریقین مین قتال ہو جاے لیکن لوگون نے اون مین صلح کرادی"۔(69)

ترجمے میں قدیم اردو کی بھرمار ہے، عربی کے بہت سے الفاظ اردو ترجمے میں باقی رکھے گئے ہیں، موجودہ دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس اہم ترجمہ پر تسہیل و تحقیق کا کام کیا جائے اور مفید حواشی کے ذریعہ اس ترجمہ کا حسن دوبالا کیا جائے۔

جلد ششم: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، بعثت و نبوت اور اشاعت اسلام نیز 4 ھجری تک کے غزوات ہادی انام کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں، یہ جلد 277 صفحات پر مشتمل ہے، یہ 1901ء میں منظر عام پر آئی ہے۔

جلد ہفتم: اس کے صفحات 275 ہیں۔ اس جلد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ابتدائی 5 ھجری سے روز وفات تک کا بیان درج ہے۔

جلد ہشتم: اس کی طباعت مطبع یوسفی حیدر آباد سے ہوئی ہے۔ یہ جلد 216 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی شروعات خلافت سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام "حضرت ابو بکر کی آخری وصایا حضرت عمر کو" کے عنوان پر ہوتا ہے۔

مولانا عبد الغفور خان رامپوری اپنے دور کے ایک کامیاب مترجم تھے اس لیے ان کا یہ ترجمہ علمی اور فنی اعتبار سے قابل اعتبار اور مفید ہے، چوں کہ ترجمہ تحت اللفظ ہے اور پرانی اردو کی بہتات ہے اس لیے دور حاضر میں تسہیل کی ضرورت ہے جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا تاہم ترجمہ سمجھنا بہت مشکل بھی نہیں ہے۔

نوٹ: الکامل فی التاریخ کا ایک دوسرا نیا ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے مولوی عبید الرحمن اس کے مترجم ہیں۔ ترجمہ کی پہلی جلد تاریخ الرسل والانبیاء جب کہ آخری جلد صلیبی جنگوں کے واقعات پر مشتمل ہے۔

12۔تاریخ تمدن اسلام

مصر کے مشہور مؤرخ اور افسانہ نویس جرجی زیدان (متوفی: 1914ء) عرب پادری کا بیٹا ہے، بہت ساری کتابوں کے ساتھ "تاریخ التمدن الاسلامی "یعنی (A History of Islamic Civilization) آپ کی مشہور کتاب ہے،، اس کتاب کے کل چار حصے ہیں، پہلے حصے میں اسلامی سلطنت کی وسعت پذیر ترقی کے ساتھ ملکی، مالی اور فوجی انتظام وانصرام کی تاریخ نیز اسلامی سلطنت کے تمول، تمدن اور شان و شوکت کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔دوسرے حصے میں اسلامی سلطنت کی دولت مندی اور اس کی رعایا کی خوشحالی کے ساتھ اسلامی عمارتوں اور اسلامی شہروں کا بیان ہے جب کہ تیسرے حصے میں علوم وآداب اور شعر کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام سے قبل ممالک شام وعراق میں ان چیزوں کی کیا حالت تھی اور مسلمانوں نے اس میں کیا ترقی کی،اس کتاب کے چوتھے حصے میں اسلامی تمدن کے ساتھ جدید یوروپی تمدن کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا شمار اسلامی تاریخ پر غیر مسلموں کی لکھی گئی مشہور اور اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے جب اس کتاب کی اشاعت ہوئی تھی تو اسے اس وقت اسلامی دنیا میں بڑی پذیرائی ملی تھی؛ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جرجی زیدان نے اس کتاب کے بہانے اسلامی عقائد، ثقافت، تہذیب وتمدن اور اسلامی سلطنت کے انتظام وانصرام پر طنزو تشنیع کا کام بھی کیا ہے، سطحی درجے کا علم رکھنے والے افرد جرجی زیدان کے انداز فریب کو سمجھنے سے قاصر ہیں اسی لیے وہ اس کتاب سے بہت مرعوب ہو جاتے ہیں، علامہ شبلی نعمانی (متوفی: 1914ء) نے اس کی زہر ناکیوں کا پردہ فاش کیا ہے؛ چنانچہ انہوں نے اس عربی کتاب کے جواب میں عربی میں ہی "الانتقاد علی کتاب التمدن الاسلامی" لکھی جو 1912ء میں لکھنؤ سے طبع ہوئی، علامہ کا یہ مقالہ بہت مشہور ہوا تھا بعدازاں انہوں نے اس کی تلخیص اردو میں کی جو ماہنامہ " الندوہ" لکھنؤ کی شعبان 1328ھ کی اشاعت میں طباعت پذیر ہوئی نیز علامہ شبلی کے مقالات کی چوتھی جلد میں بھی شامل ہے، شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"جرجی زیدان ایک عیسائی مصنف نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے جس میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے اس کتاب میں مصنف نے درپردہ مسلمانوں پر نہایت سخت اور متعصبانہ حملے کیے ہیں؛ لیکن بظاہر

مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر ان کی فریب کاریوں پر نہیں پڑی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی"(70)

چوں کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جرجی زیدان کی اس کتاب سے بہت متاثر تھا اس لیے اس کتاب کا ہندوستان میں اردو ترجمہ بھی کیا گیا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا، غالبا سب سے پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری ردولوی کے قلم سے منظر عام پر آیا جسے 1907ء میں مطبع روز بازار سٹیم پریس امرت سر نے 275 صفحات میں شائع کیا، یہ ترجمہ کافی عرصہ سے نایاب تھا، 2007ء میں فرید بکڈپو نئی دہلی نے پہلا حصہ شائع کیا ہے، مولانا محمد حلیم ردولوی کے ترجمے میں بعض جگہ خاصی سخت اردو استعمال کی گئی تھی، اب نئے ایڈیشن میں ترجمہ کو آسان کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے، اس ترجمہ کے ناشر لکھتے ہیں:

" اس کتاب میں بعض جگہ خاصی سخت اردو استعمال کی گئی تھی، کوشش کی ہے کہ آسان کردی جائے" (71)

پیش نظر ترجمہ 282 صفحات پر پھیلا ہوا ہے، نئے ایڈیشن سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:

متن:

"الروم والفرس عند ظهور الاسلام:

تاسست رومية (روما)سنة 753 قبل الميلاد وقامت معها الدولة الرومانية ، وظلت رومية كرسى تلك الدولة عشرة قرون و نصف قرن،وقد فتحت العالم المعمور يومئذ كله وفى مايو سنة 330 اصبح انقسام الدولة الرومانية الى قسمين شرقى وغربى حقيقة واقعة بعد ان كان مجرد تقسيم ادارى منذ سنة 295 ميلادية ذالک ان قسطنطين اتفق مع زميله ليسينيوس على **اقتسام** الدولة و تولى هو القسم الشرقى و اتخذ بيزانطيوم عاصمة له و سماها القسطنطنية ، هيا لها كل مقدمات العواصم الرومانية ، حتى لقد نقل اليها اعدادمن سكان روما و اعضاء مجلس الشيوخ (72)"-

ترجمہ:

"ظہور اسلام کے وقت رومیوں اور فارسیوں کی حالت:

753 قبل مسیح میں رومۃ الکبریٰ کی بنیاد پڑی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ رومانی سلطنت کا وجود قائم ہوا۔ایک ہزار پچاس سال تک شہر رومیہ اس سلطنت کا پائے تخت رہا اور اس عرصہ میں رومانی حکومت کا دور دورہ زوروں پر تھا

یہاں تک کہ اس نے تمام آباد دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ 321ء میں پائے تخت بنیرانیتوم میں منتقل ہو آیا۔ چوں کہ فلسطین کبیر (اعظم) اس نقل مکان کا باعث ہوا تھا لہذا اس نے اس نئے دارالسلطنت کا نام اپنے نام پر "قسطنطنیہ" رکھا اور آج تک اس کا یہی نام ہے "(73)

حلیم انصاری ردولوی کا یہ ترجمہ صاف ستھرا ہے، جرجی زیدان کی عربی زبان، جدید عربی سے پرے ہے اس لیے عام لوگوں کے لیے اس کی عربی زبان کو سمجھنا خاصا مشکل ہے؛ لیکن حلیم انصاری صاحب نے بہت محنت کر کے ترجمہ کیا ہے، چوں کہ جرجی زیدان کی کتاب کا تحت اللفظ ترجمہ کرنا غیر مفید ہوتا اس لیے مترجم نے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، اردوداں طبقہ کو بآسانی سمجھانے کے لیے مترجم نے پوری عبارت کے مفہوم کا ترجمہ کیا ہے؛ اسی لیے عربی کے بہت سے الفاظ ترجمہ میں آنے سے رہ گئے ہیں، مترجم نے اصل کتاب کے ساتھ مصنف کے مقدمہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے ، مترجم نے اردو ترجمے میں بعض مقامات پر اگرچہ گاڑھی اردو استعمال کی ہے لیکن مجموعی طور پر ترجمہ کی اردو زبان عمدہ اور معیاری ہے۔

نئے اور پرانے نسخے کا فرق: نئے ایڈیشن میں ناشر نے صرف مرکزی عناوین کا ترجمہ باقی رکھا ہے ،اس لیے فہرست سے مکمل کتاب کے مضامین کا تفصیلی طور پر علم نہیں ہوتا ہے، ہاں دوران ترجمہ مترجم نے جگہ جگہ جو ذیلی عناوین کا ترجمہ کیا ہے ادارہ نے انہیں باقی رکھا ہے۔ البتہ اس ترجمہ کا جو پرانا نسخہ ہے جو مطبع روز بازار اسٹیم پریس امرت سر سے شائع ہوا تھا اس میں فہرست میں مرکزی اور ذیلی عناوین دونوں موجود ہیں۔

پرانے نسخے میں جگہ جگہ رسم الخط اور مقامات کے نقشے بھی بنے ہوئے ہیں، نئے ایڈیشن میں انہیں حذف کر دیا گیا ہے علاوہ ازیں پرانے نسخے میں اسماء رجال اور جگہوں کے ناموں کو انڈر لائن کر کے نمایاں کیا گیا ہے، جب کہ فرید بک ڈپو والے نسخے میں انڈر لائن موجود نہیں ہے، چوں کہ یہ سب امور مترجم کے منشا کے خلاف ہیں اس لیے فرید بک ڈپو کے اس اقدام کو غیر مناسب کہا جائے گا۔

13۔ مغربی افریقہ کی تحریک جہاد (عثمان بن فودی اور صوکتو خلافت)

یہ کتاب معروف سوڈانی دانشور اور مؤرخ "ڈاکٹر احمد محمد کانی کی عربی تصنیف "الجہاد الاسلامی فی غرب افریقہ "کا باجازت مصنف ترجمہ ہے۔ موصوف فی الحال نائجیریا کی احمدو بللو یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ ان کی مغربی افریقہ کی اسلامی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ خود مصنف کتاب لکھتے ہیں: "اس کتاب سے ہمارا مقصد اسلامی تاریخ کے ان فکری وسیاسی گوشوں کو اجاگر کرنا ہے جو اب تک بہت سے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں، آگے لکھتے ہیں: ہم اس کے ذریعہ اہل علم کے لیے مغربی افریقہ کی فکری، ثقافتی، سیاسی اور معاشرتی تاریخ کی تحقیق و جستجو کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں" (مغربی افریقہ کی تحریک جہاد، ص: 9) ۔ انہوں نے قصداً یہ کتاب انتہائی عام فہم عربی زبان میں لکھی تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس عربی کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر ظفرالاسلام خان صاحب نے انجام دیا ہے، اس کی اشاعت 1998ء میں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، نئی دہلی سے عمل میں آئی ہے۔

مغربی افریقہ جو ایک وسیع علاقہ ہے اور جس کی سرحد وسطی افریقہ سے لے کر بحر اٹلانٹک تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخی طور سے اس میں چاڈ، نائجیریا، مالی اور سینگال جیسے ملک شامل ہیں۔ ان ممالک کی اپنی مخصوص اسلامی تاریخ ہے۔ یہاں متعدد عظیم الشان اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں اور احمد بابا التنبکتی، عثمان بن فودی اور عمر تال جیسے عظیم علماء یہاں پیدا ہوئے جن کی عربی کتابیں آج پڑھی جارہی ہیں۔ یہ کتاب اسی علاقہ کی ایک عظیم جامع اسلامی شخصیت شیخ عثمان بن فودی اور ان کی اسلامی تحریک کے بارے میں ہے۔ شیخ عثمان نے انیسویں صدی کے شروع میں ایک وسیع علاقہ میں اسلامی سلطنت قائم کی جسے تاریخ میں صوکتو خلافت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو ایک سو سال تک قائم رہی، مذکورہ کتاب میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے، مترجم چوں کہ تحقیق و ترجمہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں عربی اردو اور انگریزی میں ید طولیٰ کے مالک ہیں اس لیے آپ کا یہ ترجمہ، ایک معیاری اور عام فہم ترجمہ کے معیار پر کھرا اترتا ہے۔ مترجم نے اپنے ترجمہ کے بارے میں لکھا ہے:

"ترجمہ میں بعض جگہوں پر قدرے اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر کوئی اہم بات نہیں چھوڑی گئی ہے۔آخر میں کچھ ضمیمے جو علاقہ کے سلسلے میں مختلف تحریروں کے نمونوں پر مشتمل تھے وہ بھی چھوڑ دیئے گئے ہیں کیوں کہ ان میں مذکورہ تمام باتیں کتاب کے اندر آچکی ہیں نیز ان کا صحیح لطف عربی زبان ہی میں آسکتا ہے۔۔۔۔۔

مزید لکھتے ہیں:

ترجمہ میں میری مدد میرے رفیق کار جناب سید رئیس احمد ندوی نے کی ہے اور اردو کی نوک پلک جناب تابش مہدی صاحب نے ٹھیک کی ہے۔۔۔"(74)

ذیل میں اصل کتاب کا وہ حصہ مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس میں چند عربی اشعار ہیں:

متن: "جبريل من جبر الالہ بہ لنا　　دينا حنيفا مستقيم المنهج

وافی و حزب ضلالۃ فی تلعۃ　　والدين فی وهد كشیءبهرج

فازاح عنہ حنادس الاعلاج من　　عاداتهم وكساه حلۃ زبرج

لم يخش فی ظهار دين الله من　　مستهزیءاولا ئم متمجمج

ترجمہ: شیخ جبریل نے اللہ کے دین کی اصلاح کی اور ہمیں اس کی صحیح اور سچی تعلیمات سے آگاہ کیا جب وہ آئے تو گمراہ لوگ غالب تھے اور اللہ کا دین کسی گوشے میں سسک رہا تھا انہوں نے دین کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر تابناک بنایا۔انہوں نے اللہ کے دین کو غالب کرنے میں کسی تمسخر یا ملامت کی پرواہ نہیں کی۔"(75)

مترجم کے ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ میں ایسی سلاست اور روانی ہے اور جملوں کی ایسی ترتیب اور سیٹنگ ہے کہ ترجمہ ایک مستقل کتاب لگتا ہے، کیوں کہ خود مترجم کو مغربی افریقہ کی اسلامی تاریخ سے بہت دلچسپی تھی؛ یہی وجہ ہے کہ عثمان بن فودی اور عمر تال کے بارے میں مترجم کی کچھ تحریریں انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں علاوہ ازیں کتاب کے مصنف، مترجم کے اچھے دوستوں میں ہیں، واقعہ ہے کہ جب کسی مترجم کو اتنی ساری معاون چیزیں ترجمہ کے دوران دستیاب ہو جائیں اور ترجمہ کی نوک پلک درست کرنے والے بھی میسر ہوں تو ترجمہ معیاری اور عمدہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔چوں کہ اردو زبان میں اس موضوع یا مغربی افریقہ کے علاقہ پر لکھی ہوئی چیزیں موجود نہیں ہیں اس لیے یہ اردو ترجمہ اردو دنیا پر ایک علمی احسان ہے۔

14۔تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات

اس عربی کتاب کے مصنف مشہور مؤرخ" محمد عبداللہ عنان بیرسٹر (متوفی 1986ء) " ہیں جو قاہرہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں،"مواقف حاسمۃ فی تاریخ الاسلام"نامی عربی کتاب بھی آپ کی تصنیف ہے، مصنف نے اسلامی تاریخ کے جس خاص پہلو پر توجہ کی ہے وہ مشرق کا مغرب کے ساتھ اتصال اور اسلام کا نصرانیت کے ساتھ لگاؤ ہے، مصنف نے اسلامی تاریخ کے جس حصے کا تذکرہ کیا ہے وہ کسی خاص دور یا کسی خاص سلطنت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مختلف ادوار اور اسلامی حکومت کے گوناگوں حوادث پر مشتمل ہے، جس کا ترجمہ انگریزی زبان کے ساتھ اردو میں بھی کیا گیا ہے،اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد عبدالوہاب ظہوری نے کیا ہے، جس کی اشاعت اول جولائی 1971ء میں اعتقاد پبلشنگ ہاؤس اردو بازار، دہلی سے عمل میں آئی ہے، کتاب میں ایک مقدمہ اور کل اٹھارہ ابواب ہیں۔پہلے باب میں صحرائے عرب سے میدان جنگ تک۔دوسرے باب میں عربوں کی دینی سیاست۔تیسرے باب میں اسلام کے سفارتی تعلقات، شارلمان اور ہارون رشید،اسلامی سفارت اور اسلام اور عیسائیت کے تعلقات کا ایک ورق۔ چوتھے باب میں عربوں کا محاصرہ قسطنطنیہ۔ پانچویں باب میں صلیبی جنگوں کا بنیادی جذبہ۔چھٹے باب میں آتش یونانی،یونانی آگ کی تاریخ اور اس کے تغیرات، مؤرخ لوئیس نہم دی جان ودل کا بیان۔ساتویں باب میں دی جان ودل کے تاریخی مشاہدے،لوئیس نہم کے حملہ کے وقت مصر کی قیمتی تصویریں ۔آٹھویں باب میں قرون وسطی میں غلامی،اسلامی حکومتوں میں غلامی کے احکام و تغیرات کا ایک لمحہ۔نویں باب میں شہسواری، اس کی تاریخ اور اس کے اصول ومبادی۔دسویں باب میں اسلامی بحری سیادت کا دور، بحر روم میں مسلمان جہازرانوں کی بہادری کے کارنامے، سب سے بڑا مسلماں جہازراں، رومہ سے مسلمانوں کی جنگ۔گیارہویں باب میں معرکہ زلاقہ۔بارہویں باب میں السڈ کمپیڈ اور داستان مملکت لبنیہ۔تیرھویں باب میں سقوط غرناطہ کے دن اسلامی شہسواری،اندلس کا قوی شہسوار موسی ابن ابی الغزان چودھویں باب میں داستان موریکو اور تمدن اندلس کا زوال ۔پندرھویں باب میں اندلس کا فکری خزانہ کتب خانہ اس کوریال میں۔مارکوپولو کی سیر وسیاحت،ایشیائی تاریخ کی ایک قیمتی دستاویز۔سترھویں باب میں ابن بطوطہ کی سیر وسیاحت۔اور اٹھارویں باب میں مذہبی افسانے،تاریخ کے عظیم

الشان حوادث کا سنگ بنیاد، بعض مغربی مصنفین کا تذکرہ وغیرہ مذکور ہیں جس سے تاریخ اسلام میں رونما ہونے والے اہم واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب کی فہرست سے اس تاریخی کتاب کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ مترجم موصوف نے عربی کتاب کے اس ترجمہ کے ذریعہ اردو داں طبقہ کی خدمت میں ایک عظیم تحفہ پیش کیا ہے۔ ترجمہ کا ایک اقتباس مع متن پڑھیے:

متن:

"اذا كان خروج العرب من القفر و من غمر البداوة ، الى حياة الظفر الباهر،واقدامهم فى قلة من العدد ونقص فى الموارد والاهبة ، على غزو دولتين من اعظم دول العالم القديم ، و اشدها منعة و اوفرها اهبة وموارد ،هما الدولتان الفارسية والرومانية واقامتهم فى اقل من قرن دولة عظيمة شامخة فوق انقاض ماهدموا من صروح العالم القديم و غنموا من اقطاره :اذاكان ذالك ظاهرة مدهشة من ظواهر التاريخ ، فان ظفر الاسلام بالاديان القديمة، واجتباحه للشعوب المفتوحة بسرعة خارقة،ظاهرة من اغرب ظواهرالتاريخ ايضا ۔ واذا كان ظفر العرب يرجع من بعض الوجوه الى ظروف و عوامل خارجة عن ارادتهم وتد بيرهم فكذ الك ير جع ظفر الاسلام من بعض الوجوه الى ظروف الشعوب المفتوحة و الى احوال المجتمعاتالجديدة التى انضوت تحت لواء الاسلام و الى خواصها النفسية والاجتماعية-(76)

ترجمہ:

" عربوں میں یہ تاثیر کہاں سے پیدا ہو گئی کہ انہوں نے صحرائے عرب سے نکل کر وادی ضلالت سے چھلانگ لگا کر زندگی کے وسیع میدان اور اس کی روشن شاہراہ پر قدم دھر دیا، قلت تعداد، ناقص تیاری اور حقیر لشکر کے باوجود قدیم تاریخ عالم کی دو عظیم الشان سلطنتوں یعنی ایران و روم سے جنگ کرنے پر اقدام کیا اور ان کو نیست و نابود کر کے بہت سے ممالک فتح کر کے صرف ایک صدی کے اندر بڑی بڑی حکومتیں قائم کر دیں، جب یہ انقلاب انگیز باب دنیا کی نظر میں نہایت حیرت افزا اور دہشت ناک ہے تو اسلام کا قدیم ادیان و عقائد پر فتح پالینا اور محکوم کے رگ و ریشہ میں نہایت سرعت کے ساتھ نفوذ پذیر ہو جانا یقیناً تاریخ عالم کا سب سے زیادہ حیرت انگیز اور شاندار باب ہے، جس طرح عربوں میں یہ طاقت تھی کہ وہ اپنی جگہوں میں حالات اور ماحول سے فائدہ اٹھائیں اسی طرح اسلام کا یہ شعار تھا کہ وہ ایسے ہی حالات و عوامل میں نئی قوموں کو فتح کرتے وقت ان پر کامیابی کے ساتھ اثر انداز ہو۔۔"(77)

341صفحات کا یہ ترجمہ ،فنی اعتبار سے اچھااور عمدہ ہے لفظی ترجمہ کے بجائے ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے ترجمانی میں روانی اور سلاست موجود ہے چوں کہ عربی جملے بہت لمبے لمبے ہیں اس لیے ترجمہ میں بھی جملوں کی طوالت سے گریز نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن اردو زبان خاصی گاڑھی اور علمی ہے نیز عربی الفاظ کی بہتات کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے گرانی کا سبب بھی ہے، جیساکہ ترجمانی میں بہت سے عربی الفاظ کو چھوڑنا پڑتا ہے مترجم نے بھی ایسی روش اختیار کی ہے جیساکہ دونوں عبارتوں پر نظر کرنے سے صاف محسوس ہو رہا ہے تاہم یہ ترجمہ اردو لائبریری کی زینت اور علمی وتاریخی مواد میں اضافہ کا سبب ضرور ہے۔

15۔ تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان

اس کتاب کے مؤلف داعی اتحاد اسلامی مولانا سید جمال الدین افغانی(متوفی : 1891ء) ہیں۔ مولانا موصوف تیرہویں صدی کے نصف آخر اور چودھویں صدی ہجری کی ابتداء میں زندگی بسر کرنے والے مسلمان زعماء میں سب سے بڑے زعیم اور عظیم المرتبت رہنما تھے۔ان کو گزشتہ صدی میں اتحاد اسلامی کے داعی اور مشرق کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والے ایک مخلص وجفاکش بزرگ کی حیثیت سے ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

یہ کتاب تتمۃ البیان مولانا موصوف نے ٹھیک اس زمانہ میں تالیف فرمائی تھی جب کہ امیر شیر علی والی افغانستان کے عہد میں برطانوی حکومت نے ہندوستان سے افغانستان کے خلاف جنگ چھیڑی تھی اس اعتبار سے اس کتاب میں تقریبا1718ء سے1878ء تک تقریباڈیرھ سو سال کی مدت میں افغانیوں کی فوجی نقل وحرکت اوران کے احوال کو بیان کیا گیاہے۔اس کتاب کو مولانا جمال الدین افغانی کی تالیف ہونے کے علاوہ بڑی تاریخی اہمیت اس وجہ سے بھی حاصل ہے کہ یہ کتاب ایک معاصرانہ شہادت ہے کیوں کہ ان کی شمولیت وہاں کی سیاست میں خوب رہی ہے۔موصوف ایک افغانی ہونے کے ناطے وہاں کے باشندوں اوران کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔

اس کتاب کا ترجمہ،دوابواب کااضافہ اور تکمیل کاکام مشہور صاحب قلم علامہ سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے انجام دیاہے۔علامہ اپنے ترجمہ کی نفاست اور خوبی کے لئے اہل علم وفن کے درمیان مشہور ومعروف ہیں۔مترجم نے نہ صرف اس کے ترجمہ کے کام کو بخوبی انجام دیاہے بلکہ اپنی جانب سے اس کتاب میں مزید دوابواب کااضافہ کر کے اس کی تکمیل بھی کردی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب زمانہ قبل ازتاریخ سے لیکراس کے ترجمہ کرنے تک افغانستان کی مختصر مگر مکمل تاریخ بن گئی ہے۔یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ترجمہ اس قدیم طبع شدہ عربی نسخہ سے کیاگیاہے جس کو علی یوسف کرد علی ملک وایڈیٹر جریدۃ العلم العثمانی نے قاہرہ،مصر سے 1901ء میں شائع کیا تھا۔اس ترجمہ کے ناشر چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری،مالک نفیس اکیڈیمی،سٹریچن روڈ کراچی ہیں،جس کی پہلی اشاعت اپریل 1977ء کو عمل میں آئی ہے۔اس ترجمہ کی ضخامت 200 صفحات ہے۔ترجمہ کے ساتھ چوہدری محمد اقبال سلیم صاحب کا پیش

لفظ، تفصیلی اردو فہرست، اور مترجم کا مقدمہ بھی شامل ہے جس میں مترجم نے سید جمال الدین افغانی کے حالات زندگی اور افکار و نظریات کا جائزہ لیا ہے۔

ایک اقتباس مع متن ملاحظہ فرمائیں:

متن: " الفصل الاول : فی اسم هذه الامة

ان الفارسيين يسمونهم بافغان ، ويعللون ذالک بانهم حينما اسرهم " بخت نصر"کان لهم انين و حنين ،والانين يسمى بالفارسيہ " افغان " فاطلق عليهم هذاالاسم من ذالک الوقت ، وقيل ان افغان اسم الحفيد "شاءول " وهو جد الافغانيين ، فسمو باسم جد هم ، وعوام الفرس يطلقون عليهم اسم " اوغان "وهو قريب من الاول ، والهنود يسمونهم " بتان" وبعض قبائل الافغانيين کالمقيمين "بقندهار" و " قزن " يسمون انفسهم " پشتو" و" پستان " بالباء الفارسية فيهما ، وبعضهم کساکنی "خورست " و" کورم " و " باجور" يسمون انفسهم " پغتو " و" پغتان " بالباء الفارسية فيهما۔" (78)

ترجمہ:

" پہلی فصل: قوم افغان کا نام

اہل ایران ان کو افغانی کہتے ہیں اور اس نام کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جب بخت نصر نے ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا تو یہ لوگ آہ وفغاں کیا کرتے تھے اور فارسی میں آہ وزاری کو فغاں یا افغان کہتے ہیں، اسی وقت سے ان کا نام افغان پڑ گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاؤول کے پوتے کا نام افغان تھا اور یہی افغانیوں کا مورث اعلیٰ ہے۔افغانیوں کا نام افغان اپنے اسی دادا کے نام پڑ گیا۔

ایران کے عوام ان کو اوغان کہتے ہیں جو لفظ افغان کی مبدل صورت ہے۔ ہندوستان والے انہیں پٹھان کہتے ہیں۔ افغانیوں کے بعض قبیلے مثلاً قندھار کے باشندے اور قزن کے باشندے اپنے اپ کو پشتو اور پشتان کہتے ہیں۔اور بعض مثلاً خورست، کورم اور باجوڑ کے باشندے اپنے آپ کو پغتو اور پغتان کہتے ہیں۔"(79)

مذکورہ ترجمہ علمی اور فنی اعتبار سے عربی متن کے قریب قریب ہے، ترجمہ میں اردو محاورے اور اردو زبان کے طریقہ کار کی رعایت کی گئی ہے، ترجمہ میں ثقل اور الفاظ میں بے ربطی نہیں ہے، ترجمہ میں روانی پیدا کرنے کی

غرض سے معمولی تقدیم وتاخیر اور حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے، اس ترجمہ کی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہر ھجری سنہ کے نیچے عیسوی سنہ بھی لکھ دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو تاریخ کی تعیین میں پریشانی نہیں ہوتی، افغانستان کی تاریخ پر اردو زبان میں بہت زیادہ کام نہیں ہوا ہے اور نہ ہی باضابطہ کوئی مبسوط کتاب لکھی گئی ہے اس لیے سید عبدالقدوس ہاشمی کا یہ ترجمہ اس حوالے سے نقش اول کی حیثیت رکھتا ہے، علاوہ ازیں مذکورہ ترجمہ تتمۃ البیان کا سب سے پہلا ترجمہ ہے، افغانستان کی تاریخ جاننے اور سمجھنے کے لیے یہ ترجمہ بہت مفید اور مناسب ہے، مذکورہ ایڈیشن دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس ترجمے کو از سرے نو تحقیق و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا جائے جس میں طباعت و تحریر کے نئے تقاضوں پر عمل کیا جائے تاکہ نئی نسل کے لیے پرکشش ہو اور اس سے حسب خواہش استفادہ پر امادہ ہو سکے۔

16۔تاریخ شام

اس کتاب کے تالیف کرنے والے "ڈاکٹر فلپ کے، حتی "ہیں۔مؤلف کے اسم گرامی سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی مغربی مستشرقین میں سے ہیں۔اور یہ کتاب عربی زبان کے علاوہ دیگر زبان میں لکھی گئی ہوگی جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے،اس لئے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ذکر کردہ کتاب مؤلف نے عربی زبان میں لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ "مولانا غلام رسول مہر" نے کیا ہے۔اس بات کی وضاحت مترجم کے ان جملوں سے ہوتی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ "عام مغربی مستشرقین کے مقابلے میں ڈاکٹر فلپ کے حتی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ عربی ان کی مادری زبان ہے اور وہ تمام عربی مآخذ سے اسی طرح راہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح انگریزی یا دوسرے مآخذ سے استفادہ کرتے ہیں۔انہیں عربی کے بعض ایسے مصادر تک بھی رسائی ہوئی جن کا علم بھی اکثر حضرات کو نہ تھا۔ان وجوہ سے ڈاکٹر صاحب کی فراہم کردہ معلومات بدرجہا مستحق ترجیح ہیں"۔دوسری بات یہ کہ اس کتاب کے ترجمہ کرنے والے" مولانا غلام رسول مہر "ہیں مترجم موصوف کے عالم دین ہونے کی وجہ سے یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ ترجمہ عربی زبان سے اردو میں کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اس کتاب کے ترجمہ کرنے والے" مولانا غلام رسول مہر "ہیں اور اس کتاب کی طباعت اول 1962ء میں ہوئی جبکہ اس کی نشرواشاعت شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور سے ہوئی ہے۔

کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ مذکورہ کتاب ملک شام کی تاریخ پر مشتمل ہے چنانچہ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں" تاریخ سے پیشتر کا دور "کے بارے میں لکھا گیا ہے اس حصہ کے تحت پانچ ابواب ہیں جس میں تاریخ عالم میں شام کا مقام، مقدمات تہذیب اور معدنیات کے اوزار وغیرہ باتیں ہیں۔حصہ دوم میں "قدیم سامی زبان " کے تحت کل 11 ابواب ہیں جس میں سامیوں کا ظہور، شام میں پہلا بڑا سامی گروہ۔اموری، شام میں دوسرا بڑا سامی گروہ، کنعانی، عبرانی گروہ، عبرانی بادشاہی، اور شام ایرانیوں کے زیر حکومت وغیرہ باتوں کو ذکر کیا گیا ہے۔حصہ سوم میں "یونانی و رومی دور" کے ذیل میں سکندر اور اس کے جانشین سلوکی، یونانیت کا دور، سلوکی ادارے، تجارت اور صنعت و حرفت، ابتدائی رومی شہنشاہوں کا زمانہ مسیحیت کا ظہور، سریانی اثر اور رومی اثر کا مقابلہ، کلیسائیت کا ایک دور

اور قبل اسلام شامی ریاستیں جیسی باتیں لکھی گئی ہیں۔اس حصہ میں کل 13 ابواب ہیں۔ حصہ چہارم میں "عربی دور "سے متعلق گفتگو کل 25 ابواب پر مشتمل ہے جس میں شام آغوش اسلام میں ،عربوں کا نظم و نسق ،خلافت راشدہ،امیر معاویہ ،رومیوں سے لڑائی ،داخلی شورشیں ،دمشق کا دور جلال و اقبال ،اموی دور کے سیاسی و اجتماعی حالات،امیوں کے ماتحت علوم و ثقافت ،سریانی مسیحی کلیسا،سلطنت امویہ کا سقوط،شام ایک عباسی صوبے کی حیثیت میں،احیائے علوم عربیہ میں شام کا حصہ ،شام چھوٹی سلطنتوں کے ماتحت،سلجوقی اور فاطمی،صلیبی جنگیں،ثقافتی تعامل اور ایوبی اور ملوک وغیرہ تاریخی باتوں کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔حصہ پنجم میں "عثمانی ترکوں کا اقتدار"اس حصہ میں جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔شام ترکی کی ولایت کی حیثیت میں،امراء لبنان اور دور حاضر کا نقشہ،یہ حصہ 3ابواب پر مشتمل ہے۔اور حصہ ششم میں1950ءتا1959ءکے حالات کو چار ابواب میں بیان کیا گیا ہے اور وہ ابواب یہ ہیں۔ ذہنی اور قومی بیداری،جنگ،جبر و تشدد اور وبا،شام فرانس کی حکم داری میں اور آزاد جمہوریت۔یہ مکمل کتاب کل 585صفحات پر مشتمل ہیں۔

17۔ہندوستان عربوں کی نظر میں

کتاب میں ہندوستان کے متعلق وہ باتیں ہیں جو عرب سیاح، جغرافیہ نویس اور مؤرخین عرب نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھی ہیں، اس کتاب سے اس بات کی تردید بھی ہوتی ہے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا تعلق محض حملہ آورانہ اور فاتحانہ رہا ہے اس سے پہلے ان کے کسی طرح کے کوئی تعلقات نہ تھے یہ کتاب بتاتی ہے کہ سندھ کی فتح سے پہلے بھی ہندوستان سے مسلمانوں کے علمی، مذہبی، تجارتی گوناگوں تعلقات تھے بلکہ تجارتی تعلقات تو اسلام کے بھی صدیوں پہلے سے چلے آرہے تھے اور ابتداء میں عرب مسلمان فاتح کی حیثیت سے نہیں بلکہ تاجر کی حیثیت سے جنوبی ہندوستان آئے۔

یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ مختلف عربی تاریخی اور جغرافیائی کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کام دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ کے اس وقت کے ناظم شعبہ علمی و ڈائرکٹر تاریخ ہند مولانا معین الدین احمد ندوی صاحب کے زیر نگرانی تکمیل کو پہونچا ہے۔

ترجمہ شدہ کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کتاب کی تالیف و ترجمہ کا کام خود مولانا معین الدین احمد صاحب نے اپنے ذمہ لیا تھا؛ لیکن تنگیءوقت کی وجہ سے کتاب کا نقشہ بتا کر اور اس کے متعلق ہدایات دے کر یہ کام مولانا ضیاءالدین صاحب اصلاحی (رفیق دارالمصنفین) کے سپرد کیا گیا، مولانا ضیاءالدین صاحب نے اپنی بساط بھر تالیف و ترجمہ میں پوری محنت کی لیکن مولانا معین الدین ندوی صاحب کی نظر میں ان کا ترجمہ نہ صرف ناقص تھا بلکہ جابجا غلطیاں بھی تھیں اس لیے اس ترجمہ کی نوک و پلک سنوارنے میں مولانا معین الدین ندوی کا بڑا رول ہے۔
یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں جاحظ کی دو کتابیں کتاب البیان والتبیین اور رسالہ فخر السودان علی البیضان، ابن خردادبہ کی کتاب المسالک والممالک، سلیمان تاجر کی کتاب سلسلۃ التاریخ، ابوزید حسن سیرافی کی کتاب سلسلۃ التاریخ، بلاذری کی کتاب فتوح البلدان، یعقوبی کی تاریخ یعقوبی جلد اول، ابن فقیہ ہمذانی کی کتاب البلدان، ابن رستہ کی کتاب الاعلاق النفسیہ، بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الہند، ابوالحسن مسعودی کی کتاب مروج الذہب و معادن الجوہر کی چاروں جلدوں اور کتاب التنبیہ والاشراف، مطہر بن طاہر مقدسی کی کتاب البدء والتاریخ، اصطخری کی

کتاب المسالک والممالک اور بشاری مقدسی کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃالا قالیم کے اقتباسات لے کر ان کے ترجمے کئے گئے ہیں خاص بات یہ ہے کہ عربی اقتباسات کے متون بھی ساتھ میں لکھے گئے ہیں اور اس کی ترتیب سنہ وار رکھی گئی ہے، علاوہ ازیں جس کتاب کی عبارت نقل کی گئی ہے اس کے آغاز میں اس کتاب کے مصنف کا مختصر مگر جامع تعارف بھی لکھا گیا ہے، حواشی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے جن میں ضروری باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے، یہ جلد معارف پریس اعظم گڈھ سے 1960ء میں شائع ہوئی ہے،اس ایڈیشن کے کل صفحات 400 ہیں۔اس ترجمہ کو سمجھنے کے لیے ایک اقتباس مع عربی عبارت پیش کیا جاتا ہے:

متن:

"وبناء اهل الهند حجارة و جص و آجر وطين ، وليس الصين ولا الهند اصحاب فرش و يتزوج الرجل من الصين و الهند ماشاء الله من النساء و طعام الهند الارز وطعام الصين الحنطة والارز و اهل الهند لاياكلون الحنطة ولا يختتن الهند ولا الصين والهند يطولون لحاهم ،ربما رايت لحية احدهم ثلثة اذرع ولا ياخذون شواربهم و اكثر اهل الصين لا لحاهم خلقة لاكثرهم ۔

و اهل الهند اذا مات لاحدهم ميت حلق راسه و لحيته والهند اذا حبسوا رجلا او لازموه منعوه الطعام والشراب سبعة ايام وهم يتلازمون ولاهل الصين قضاة يحكمون بينهم دون العمال و كذالک اهل الهند۔"

ترجمہ:

"اہل ہند کے مکانات اور عمارتیں پتھر، چونے، اینٹ اور مٹی کے ہوتے ہیں۔ چین اور ہند کے لوگوں میں فرش بچھانے کا رواج نہیں ہے اور جن عورتوں سے چاہتے ہیں شادی کر لیتے ہیں، ہندوستان کی غذا چاول ہے لیکن چین والے گیہوں اور چاول دونوں کھاتے ہیں مگر ہندوستانی گیہوں نہیں کھاتے (ممکن ہے سلیمان کے زمانے میں یہ بات رہی ہو اور دوسرے اس کا دورہ زیادہ تر جنوبی ساحلی علاقہ میں تھا۔حاشیہ) اور دونوں ملکوں کے لوگ ختنہ نہیں کراتے۔

ہندوستانی لمبی لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں میں نے بعض لوگوں کے تین تین ہاتھ لمبی داڑھی دیکھی ہے مونچھیں نہیں کٹواتے اور اکثر چینیوں کی پیدائشی داڑھی نہیں ہوتی۔

اہل ہند کا کوئی عزیز مر جاتا ہے تو وہ سر اور داڑھی کا بھدر کراتے ہیں اور جب کسی کو قید کرتے ہیں یا تاوان عاید کرتے ہیں تو سات دنوں تک اسے کھانا پانی نہیں دیتے اور برابر اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ چین والوں کی طرح ہندوستانیوں میں بھی عمال کے بجائے جج مقدمات فیصل کرتے ہیں"(80)

مولانا معین الدین صاحب جیسے اہل فن اور صاحب قلم کی نگرانی و نظر ثانی اور مولانا اصلاحی کی محنت نے اردو ترجمے میں سلاست، روانی اور عمدگی پیدا کر دی ہے، ترجمہ کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ترجمہ جس زبان میں کیا جا رہا ہے اس زبان کی رعایت کی جائے اس زبان کے محاورے اور استعمال کو پیش نظر رکھا جائے، مذکورہ ترجمہ میں اس ضروری امر کی رعایت خوب کی گئی ہے، مثلاً " ماشاءاللہ " عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ہوگا" جو یا جتنا اللہ چاہے "لیکن اردو زبان میں یہ جملہ عموماً اپنی مرضی پر عمل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، مولانا اصلاحی نے عبارت مین موجود" ماشاءاللہ من النساء" کا ترجمہ کیا ہے" جن عورتوں سے چاہئے" اس ترجمے میں اردو کی روح موجود ہے۔ چوں کہ ترجمہ عربی الفاظ سے قریب تر ہے اس لیے سلیس اور بامحاورہ ہے اور اسی لیے پڑھنے میں اچھا لگتا ہے۔ بعض مقامات پر غیر ضروری چیزوں کو ترجمہ میں قلم انداز کر دیا گیا ہے بلکہ جلد اول میں بشاری مقدسی کی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" سے جو تفصیلات ترجمے میں درج کی گئی ہیں ان میں مصنف نے جن مسافتوں کا ذکر کیا تھا اسے مترجم نے غیر ضروری سمجھ کر بالکل حذف کر دیا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی جلد دوم کی طباعت معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ سے 1962ء میں عمل میں آئی ہے اس قدیم ایڈیشن کے کل صفحات 401 ہیں۔ اس میں جن عربی کتابوں کے اقتباسات کے ترجمے کئے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ابن ندیم کی کتاب الفہرست، عبد القاہر بغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق، قاضی ساعد اندلسی کی کتاب طبقات الامم، عبد الکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل جلد اول و جلد ثالث، قاضی رشید بن زبیر کی کتاب کتاب الذخائر والتحف، شریف الادریسی کی کتاب نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق، ابن ابی اصیبعہ کی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد دوم، ابن بطوطہ کی کتاب رحلۃ ابن بطوطہ جلد دوم اور قلقشندی کی کتاب صبح الاعشیٰ جلد پنجم وغیرہ۔

اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مترجم نے جابجاضروری حواشی اور تشریحات بھی تحریر کردی ہیں جس سے متن کے اجمال اور بہت سے پرانے اسماء واعلام کی وضاحت و تشریح ہو جاتی ہے۔علاوہ ازیں مولانا معین الدین ندوی کی تصحیح و نگرانی نے اس ترجمہ کی قدر وقیمت میں اضافہ کر دیاہے۔

یاد رہے کہ قاضی رشید اور شریف ادریسی کے بیانات کا ترجمہ مشہور عالم دین، ادیب اور مؤرخ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب (متوفی:2006ء)نے کیاہے، ترجمہ کی اس دوسری جلد کے اخیر میں اشخاص، مقامات، کتب اور اقوام ومذہبی فرقوں پر مشتمل ایک " اشاریہ " بھی شامل ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مذکورہ کتاب کی دونوں جلدوں میں تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) سے لے کر نویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی) تک کے عرب مصنفین کے بیانات آگئے ہیں۔اس لئے یہ کتاب تاریخ کے طلبہ اور مؤرخین کے لئے اہم ماخذ ہے۔اس سے یہ بھی اندازہ ہو گا کہ عرب مصنفین نے ہندؤوں کی تاریخ کے ساتھ کتنا اعتنااور اس کی کتنی بڑی خدمت کی ہے۔الفہرست سے ترجمہ کا ایک اقتباس:

متن:

"هؤلاء القوم مختلفى اللغات مختلفى المذاهب ولهم اقلام عدة قال لى بعض من يجول بلادهم ان لهم نحو ماءتى قلم ـ"

ترجمہ:

"سندھ کے لوگوں کی زبانیں اور مذاہب باہم مختلف اور رسم الخط متعدد ہیں،ان علاقوں جانے والے ایک سیاح نے مجھ کو بتایا کہ ان کے تقریباً دو سو رسم الخط ہیں" (81)

چوں کہ شریف الادریسی (متوفی: 560ھ) اور قاضی رشید بن زبیر (متوفی: 462ھ) کے بیانات کا ترجمہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے کیاہے اس لیے اس کا بھی ایک نمونہ درج کرنا مناسب ہے۔

متن:

"ومن الجزائر المشهورة فى هذا البحر المسمى هركند جزيرة سرنديپ و هى جزيرة كبيرة مشهورة الذكر وهى ثمانون فرسخا فى ثمانين فرسخ ،ولها الجبال

الذی اھبط علیہ آدم علیہ السلام وھو جبل سامی الذروۃ عالی القمۃ ذاھب فی الجو یراہ البحریون فی مراکبھم علی مسیرۃ ایام واسم ھذا الجبل جبل الراھون۔

ترجمہ:

" اور بحر ہرکند کے مشہور جزائر میں جزیرہء سرندیپ یعنی لنکا بھی ہے یہ ایک بڑااور مشہور جزیرہ ہے اس کا رقبہ اسی فرسخ مربع میل ہے۔اسی سرندیپ میں وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت آدم اتارے گئے تھے،اس کی چوٹی بہت بلند اور اونچی ہے، فضامیں دور تک چلا گیاہے، کئی دن کی مسافت باقی رہتی ہے اس وقت سے سمندر کے مسافر جہازوں سے اسے دیکھ لیتے ہیں اس پہاڑ کانام راہون ہے"(82)

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب (متوفی: 2006ء) ایک مشہور عالم دین، فقیہ،ادیب، مصنف اور مؤرخ تھے،ایک عرصہ تک دارالمصنفین کے رفیق تھے،دارالمصنفین میں اپنے قیام کے دوران سید سلیمان ندوی صاحب کی رہنمائی میں تالیف وتصنیف اور تحقیق کی مشق کی تھی اور وہیں سے ان کی متعدد ضخیم کتابیں شائع ہوئیں،اردو کے ساتھ عربی کا خاص ذوق تھاان کا یہ ترجمہ بھی عمدہ اور معیاری ہے چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ عربی سے اردو میں ترجمانی کی گئی ہے، چوں کہ خود ایک مؤرخ بھی تھے اس لیے تاریخی چیزوں کا ترجمہ اچھا ہے اور ترجمے میں جہاں اضافہ کی ضرورت ہے وہاں اضافہ بھی کیاہے مثلا جزیرہ سرندیپ کے ترجمے میں " یعنی لنکا ہے "کا اضافہ ایسا ہے جس سے قاری کو بڑا سکون ملتاہے کیوں کہ سراندیپ اب غیر معروف ہے اور لنکا معروف ہے۔اور جہاں طویل وضاحت و تشریح ہے وہاں مترجم نے حواشی کااہتمام بھی کیاہے اس کی وجہ سے استفادہ آسان ہوگیاہے۔

18۔تاریخ افکار وعلوم اسلامی

اصل عربی کتاب کے مصنف "علامہ محمد راغب الطباخ (متوفی 1370ء)" ہیں، موصوف حلب کی کلیہ شرعیہ کے شعبہ حدیث اور تاریخ کے پروفیسر تھے،ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں محمد ناصر الدین الالبانی آپ کے مشہور شاگردوں میں ہیں، مصنف نے "الثقافہ الاسلامیہ" نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلام کی علمی و فکری تقاضوں کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے،اس حوالے سے ان کے بعض خیالات و آراء سے اہل علم کو اختلاف بھی ہے تاہم مجموعی طور پر کتاب قابل قدر ہے، مصنف کتاب کا ماننا ہے کہ اسلامی کلچر کی تاریخ کا مطالعہ دور عباسی سے کیا جانا غلط ہے؛ کیوں کہ اگر اسلامی ثقافت کی تاریخ دور عباسی سے شروع ہوتی ہے تو گویا اس سے پہلے کوئی کلچر موجود ہی نہ تھا،اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اسلامی فکر و فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ یونانی اثرات کے تحت رونما ہونے والے مباحث اور معتزلہ ءفلاسفہ اور متکلمین سے کیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہماری فکر اور ہمارے کلچر کا اصل تشکیلی دور عہد رسالت اور دور خلفائے راشدین ہی تھا اور اس زمانہ میں جو نئی تحریکات ابھریں انکے مطالعہ کے بغیر ملت اسلامیہ کے حقیقی مزاج کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا اسی پس منظر میں علامہ محمد راغب نے اسلامی ثقافت کی تاریخ اس کے اصل مآخذ سے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

" افتخار احمد بلخی" نے اس کتاب کا ترجمہ " تاریخ افکار وعلوم اسلامی" کے نام سے کیا ہے، یہ ترجمہ لفظی ترجمہ نہیں ہے اور نہ بالکل آزاد بلکہ کتاب کی غرض وغایت، مباحث کی روح اور تحریر کی اسپرٹ کو سامنے رکھتے ہوئے ان سب کی ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے، لیکن ترتیب ابواب، بعض مقامات میں تقدیم وتاخیر نیز بہت سے ذیلی عنوانات اور حواشی کے اہتمام نے اس ترجمہ میں "تالیف" کی جھلک پیدا کر دی ہے، مترجم نے اس ترجمہ کے شروع میں ایک قیمتی اور پر مغز "سخن ہائے گفتی" کے عنوان سے مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "اس کے علاوہ ترتیب سے متعلق یہ اہم ترمیمات بھی کی گئی ہیں کہ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان کے تحت ابواب بندی کی گئی ہے اور اس سلسلے میں بعض مباحث میں تقدیم وتاخیر کر دی گئی ہے، نیز بہت سے ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور اس طرح اس کتاب میں ترجمہ یا ترجمانی ہونے کے باوجود ایک مستقل تالیف کی جھلک

پیدا ہو گئی ہے۔ جہاں میں نے ضرورت سمجھی ہے، وہاں فٹ نوٹ میں توضیح و تشریح یا تفصیل کر دی ہے یا اپنی رائے کا اختلاف کا اظہار کیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ان جگہوں کے علاوہ بقیہ ہر جگہ مجھے (یا مولانا عبد العزیز صاحب کو) کتاب سے لفظ بلفظ اتفاق ہے۔ فٹ نوٹ میں میری لکھی ہوئی باتیں کلی یا جزوی طور پر غلط ہیں (یا ترجمہ میں کہیں غلطی ہوئی ہے) تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور دوسروں کو میری غلطی میں گرفتار ہونے سے محفوظ رکھے "(83)

اس کی پہلی اشاعت جنوری 1983ء میں اور دوسری اشاعت جولائی 1997ء میں مرکزی مکتبہ اسلامی ،1353 چتلی قبر، دہلی سے عمل میں آئی ہے، اس کے کل صفحات 512 ہیں۔

مقصد ترجمہ کے حوالے سے مترجم نے سخن ہائے گفتنی میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسلم قوم کے اندر جو فکری محکومیت اور ذہنی مرعوبیت سرایت کر چکی ہے اس کی اصلاح میں یہ مترجمہ کتاب بہترین معاون ثابت ہو سکتی ہے اور اپنے عظیم الشان علمی ورثہ سے بے خبری کی بناء پر اغیار کے ناقص اور سطحی علوم کو کارنامہ سمجھنے والوں اور ان کی ہفوات و خرافات کو علم کا رتبہ دینے والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر سکتی ہے، اگر وہ سوچنا چاہیں۔ ص:20۔ ترجمہ کا نمونہ درج ذیل ہے:

"تاریخی، علمی اور تمدنی پس منظر:

(1) عرب: محل وقوع اور قومی خصائل،

النخبۃ الازہریہ میں مذکور ہے کہ:

بلاد عرب جنوب مغربی ایشیا میں ایک بڑا جزیرہ نما ہے جس کے شمال میں شام، الجزیرہ اور عراق ہیں اور مغرب میں نہر سویز اور بحر احمر ہیں اور جنوب میں خلیج عدن اور بحر عمان ہیں اور مشرق میں بحر عمان، خلیج فارس اور عراق ہیں اور بلاد عرب کا رقبہ تقریباً تین ملین (30 لاکھ) کیلو میٹر ہے

اور علامہ آلوسی کی کتاب بلوغ الارب (علامہ آلوسی (محمود بن عبداللہ آلوسی) متوفی 1270ھ، حاشیہ)، بلوغ الارب جلد 1 صفحہ 184) میں بعنوان " دور جاہلیت میں عرب آبادیاں "مذکور ہے کہ عرب کی بیشتر آبادیاں جہاں سے عرب لوگ نکل کر تمام اطراف و اکناف میں پھیل گئے وہ اس جزیرۃ العرب میں واقع تھیں جو دنیا کے بالکل وسط میں

واقع ہے اور دنیا کا معتدل ترین علاقہ ہے اور سب سے زیادہ بابرکت خطہ وہ ہے جہاں مکہ معظمہ ہے اور مدینہ منورہ ہے ان کے ارد گرد کے مقامات ہیں"(84)

مترجم نے ترجمہ کے حوالے سے جن باتون کا التزام کیا ہے، تقابل کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ ان باتوں کے مطابق ہے یعنی اصل عبارتوں کے مفہوم و مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے لیے ترجمانی کا سہارا لیا گیا ہے، کتاب میں بے شمار مقامات پر سلف صالحین اور ارباب علم و فن کے جو اسمائے گرامی ہیں یا جہاں مصنف نے کسی تاریخی واقعہ کا حوالہ دیا ہے، مترجم نے ترجمہ میں بڑی حد تک ان ناموں پر مختصر نوٹ اور ان واقعات کی مختصر تشریح کر دی ہے جس کے لیے کہیں حاشیہ لگایا گیا ہے اور کہیں اثناء ترجمہ ہی میں بین القوسین لکھنے کا اہتمام کیا ہے؛ تاہم بقول مترجم کثرت مشاغل کے سبب اور کچھ کتب مراجع کے حاصل نہ ہو سکنے کے سبب یہ کام پوری طرح انجام نہیں دیا جا سکا ان شاءاللہ اس باب میں جو کسر رہ گئی ہے وہ دوسرے ایڈیشن میں پوری کر دی جائے گی (ص: 35) بہر حال متعلقہ موضوع پر یہ ترجمہ اردو داں طبقہ کے لیے ایک گراں قدر علمی تحفہ ہے اور اردو کتب خانوں کی الماریوں کے لیے باعث زینت بھی۔

19۔اسلامی مذاہب (تاریخ المذاہب الاسلامیہ)

مصر کے نامور عالم دین، ادیب لبیب، مشہور فقیہ اور جامعۃ القاہرہ کے لاء کالج کے سابق پروفیسر شیخ محمد ابو زھرہ مصری کی کتاب تاریخ المذاھب الاسلامیہ کا موضوع اسلامی فرق و مذاہب کا ذکر و بیان ہے، یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں گراں قدر اضافے کا موجب ہے، مصنف نے مذکورہ کتاب مصری حکومت کی وزارت تعلیم کے ادارہ ثقافت عامہ کے حسب فرمائش تصنیف کی تھی۔ مشہور مترجم سابق صدر شعبہ اسلامیات پروفیسر غلام احمد حریری صاحب سابق صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد نے 22مئی 1964ء میں اس کا اردو ترجمہ کیا جس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، پیش نظر ایڈیشن 400 صفحات پر مشتمل ہے جو ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

کتاب کے نام سے عیاں ہے کہ اس میں اسلامی فرق و مذاہب کا ذکر و بیان ہے۔اس لیے کتاب بھی ہمارے موضوع سے مناسبت رکھتی ہے کیونکہ اس میں اسلامی فرقوں کی تاریخ اوران کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے اس لیے اسے تاریخ کے زمرہ میں رکھا جانا قرین قیاس بات ہے۔ نیز اس میں سیاسی فرقوں کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اسلامی فرقوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔1۔اعتقادی فرقے،2۔سیاسی فرقے، 3۔ فقہی مذاہب و مسالک۔ لیکن مصنف نے اس کتاب میں صرف اول دونوں فرقوں کے حالات، تاریخ اور نشوونما کو بیان کیا ہے جبکہ موخر الذکر فرقے کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے دوسری کتاب لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ ترجمہ کی ہلکی جھلک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

متن:

"الخوارج : اقترن ظهور هذه الفرقة بظهور الشيعة ،فقد ظهر كلاهما كفرقة فى عهد على رضى الله عنه ، وقد كانوا من انصاره وان كانت الشيعة فكرتها اسبق من فكرة الخوارج،

ظهر الخوارج فى جيش على رضى الله عنه عندما اشتد القتال بين على و معاوية فى صفين وذاق معاوية حر القتال وهم بالفرار حتى اسعفته فكرة التحكيم فرفع جيشه المصاحف ، ليحتكموا الى القرآن ولكن عليا اصر على القتال حتى يفصل الله بينهما ۔ فخرجت عليه خارجة من جيشه تطلب اليه ان يقبل التحكيم فقبله

مضطرا لا مختارا ۔ولما اتفق مع خصومہ علی ان یحکما شخصین احدھما من قبل علی والآخر من قبل معاویة ۔ اختار معاویة عمروبن العاص واراد علی ان یختار عبد اللہ بن عباس ولکن الخارجة حملتہ علی ان یختار ابا موسی الاشعری "(85)

ترجمہ:

"خارجی تحریک کا پس منظر: شیعہ اور خوارج دونوں فرقے حضرت علی کے عہد خلافت میں منصۂ شہود پر آئے یہ دونوں حضرت علی کے اعوان وانصار میں شامل تھے۔اگرچہ فکری اعتبار سے شیعہ کو تقدم زمانی حاصل ہے۔

حضرت علی کے لشکر میں خوارج کا ظہور اس وقت ہوا جب صفین کے مقام پر ان میں اور حضرت معاویہ میں گھمسان کا رن پڑا۔جب معاویہ لڑائی سے تنگ آ گئے اور بھاگ جانا چاہا تو تحکیم کے نظریہ نے آپ کو گلو خلاصی کرائی۔حضرت معاویہ کے رفقاء نے قرآن نیزوں پر بلند کیے جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ قرآن کو حکم مان لیا جائے مگر حضرت علی لڑائی پر مصر رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرما دیں جب آپ کے لشکر کے چند آدمیوں نے آپ کو تحکیم کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا تو چاروناچار آپ نے اسے تسلیم کر لیا جب مصالحت سے یہ طے پایا کہ دو ثالث مقرر کیے جائیں ایک حضرت علی کی طرف سے اور دوسرا معاویہ کی جانب سے تو معاویہ نے عمرو بن العاص کو چنا اور حضرت علی نے عبد اللہ ابن عباس کو ثالث بنانا چاہا مگر مخالفت کرنے والے اس پر معترض ہوئے اور ابو موسی اشعری کو حکم بنانے کا مشورہ دیا۔"(86)

پیش نظر ترجمہ علمی اور فنی اعتبار سے معیاری ہے، لفظی ترجمے کے بجائے بامحاورہ اور سلیس ترجمے کو ترجیح دی گئی ہے اسی لیے ترجمے میں روانی اور سلاست ہے، اصل عبارت میں حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے جیسے درج بالا عربی متن کے آغاز میں جو عبارت ہے مترجم نے اس کا ترجمہ بالکل ترک کر دیا ہے کیوں کہ اس کا اختصار " خارجی تحریک کا پس منظر " کے عنوان سے پیش کر دیا ہے۔ناموں کے ساتھ عظمت پر دلالت کرنے والے القاب کا استعمال نہیں کیا گیا ہے، صحابہ کے ناموں کے ساتھ عموماً تصانیف اور کتابوں میں " رضی اللہ عنہ "کا اضافہ کیا جاتا ہے لیکن مترجم نے ترجمے میں بالکل چھوڑ دیا ہے، یہ فنی اعتبار سے نہ غلط ہے اور نہ اسے بے ادبی پر محمول کیا جا سکتا ہے کیوں کہ مترجم عموماً متن کے راستے پر چلتا ہے اور مذکورہ متن میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے۔

20۔اسلام اور عربی تمدن

اصل عربی کتاب کا نام " الاسلام والحضارۃ العربیہ " ہے۔اس کے مصنف ملک شام کے نامور و مشہور فاضل اور وسیع النظر محقق" محمد کرد علی" ہیں۔اس کتاب کے اردو مترجم مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب ہیں۔پیش نظر نسخہ کی اشاعت 2010ء میں عمل میں آئی ہے، مترجم موصوف نے اس ترجمہ کا کام 25 مئی 1952ء میں انجام دیا تھا چنانچہ دیباچہ مترجم میں اس کی صراحت موجود ہے۔اس کتاب کی اشاعت دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی سے ہوئی ہے۔

اس کتاب میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر علمائے مغرب کے اہم اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور یورپ پر اسلام اور مسلمانوں کے اخلاقی، علمی اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات و نتائج کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ بھی آگیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ موجودہ دور میں مغربی تہذیب اور اس کی مادی ترقیوں کا ایسا رعب لوگوں پر چھایا ہوا ہے کہ اس کے ناقد بھی اس کے مادی مظاہر کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں اور یورپ کی تہذیب ہی کو معیار سمجھتے ہیں، یہ کمزوری اس کتاب میں بھی جابجا نظر آتی ہے تاہم مجموعی طور پر یہ کتاب مفید ہے۔جہاں مصنف کا نقطہ نظر اور ان کی رائے مترجم کو صحیح نہیں معلوم ہوئی وہاں مترجم نے حاشیہ میں اختلاف رائے ظاہر کر کے اس کی تصحیح کر دی ہے اور بعض ٹکرے جو غیر ضروری تھے ترجمے میں انہیں حذف بھی کیا گیا ہے۔

یہ اردو ترجمہ کل 16 ابواب پر مشتمل ہے۔پہلا باب ناقدوں اور نکتہ چینیوں کے مقاصد، امریکی مؤرخ کی تنقید اور مذہبی خون ریزیوں پر گفتگو وغیرہ کے لیے خاص ہے، جب کہ سولہواں باب اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں پر یوروپین نوآبادکاروں کی یورش، نوآبادکاری اور پرتگالیوں کی نوآبادکاری کی تاریخ وغیرہ کے لیے مختص ہے، ترجمہ کے صفحات 405 ہیں، ترجمہ کے بارے میں مترجم نے لکھا ہے:

" ترجمہ حتی الامکان سلیس اردو میں کیا گیا ہے مگر اس کتاب میں یورپین مصنفین کی تصانیف کے بکثرت اور طویل اقتباسات ہیں جن کی عبارتیں کہیں کہیں پیچیدہ ہیں، حتی الامکان ان کے ترجمہ میں بھی سلاست قائم رکھنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ بیشتر حوالے فرنچ، جرمن، اطالوی اور اسپینی مصنفین اور ان کی کتابوں کے ہیں جن کے نام زیادہ تر اصل زبانوں میں رومن میں لکھے گئے ہیں مگر کہیں کہیں ان کا عربی ترجمہ لکھ دیا ہے، ان کو بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے مگر حتی الامکان ناموں کے تلفظ کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے"۔(87)

چوں کہ مولانا معین الدین ندوی متعدد علمی و تحقیقی کتابوں کے مشہور مصنف ہیں، ان کا عربی اور اردو زبان میں ادبی مذاق بڑا پختہ اور اسلوب نگارش شستہ و شگفتہ تھا، اسی وجہ سے سید سلیمان ندوی کے بعد دار المصنفین جیسے پر وقار اور تحقیقی ادارہ کی نظامت آپ کے ذمہ آئی۔ اگرچہ اہل علم ان کے ترجمے کی خوبی سے خوب واقف ہیں تاہم بغرض تکملہ ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

متن:

" ثروة العرب وعلومهم

لم يكن العرب كلهم بادية لايذوقون طعم الحياة، ولا يحسنون شيئا من مقوماتها بل كان بعضهم على شيئ من الثروة والثروة ام الرفاهية والنعيم ؛كان عمرو بن لحى ذا مال جزيل جدا يقال انه فقا اعين عشرين بعيرا اشارة الى انه ملك عشرين الف بعير ، وكان من عادة العرب ان من ملك الف بعير فقا عين واحد منها ؛لانه يد فع بذالك العين عنها وذكر السهيلى ان عمرو بن لحى ربماذبح ايام الحج عشرة آلاف بدنة ، وكسى عشرة آلاف حلة فى كل سنة يطعم العرب ويحيس لهم الحيس بالسمن والعسل ويلت لهم السويق

وكان المحضرمون من العرب ، اى الذين مضى نصف اعمارهم فى الجاهلية و نصفها فى الاسلام ولا سيما غطاريفهم واهل البيوت منهم ،على جانب من السعة فى الرزق ، ينعمون به ويفضلون من حرما لهم على الناس بهذا السخاء الذى لم يعهد لامة ان دانتهم ، و منهم من صرف ماله فى الاسلام طائعا مختارا كابى بكر الصديق ولما بعث النبى كان عنده اربعون الف درهم فكان ينفق منها ويقوى المسلمين وقد انفق فى تجهيز جيش العسرة سنة تسع من الهجرة مالا كثيرا قالوا: انه عشرة آلاف دينار ، و فى هذه الغزوة انفق عثمان بن عفان نفقة عظيمة --(88)

ترجمہ:

"**عربوں کی ثروت اور ان کے علوم:** جیسا کہ عام خیال ہے کل کے کل بدوی نہیں تھے، جو زندگی کی لذتوں سے ناواقف رہے ہوں، یا خوشگوار زندگی بسر کرنے کا سلیقہ نہ رکھتے ہوں، بلکہ بعضوں میں تھوڑی بہت ثروت بھی تھی جو خوشحالی اور دنیاوی لذتوں کی بنیاد ہے، چنانچہ زمانہء جاہلیت میں عمرو بن لحیؑ بڑا دولت مند تھا، عربوں مین دستور تھا کہ

جو شخص ایک ہزار اونٹوں کا مالک ہو جاتا وہ ان کو نظر بد سے بچانے کے لئے ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا تھا اور اور عمرو بن لحیٔ نے بیس اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں یعنی وہ بیس ہزار اونٹوں کا مالک تھا، سہیلی نے لکھا ہے کہ عمرو بن لحیٔ بعض مرتبہ حج کے موقع پر دس ہزار قربانیاں کرتا تھا اور اس نے اپنی زندگی میں دس ہزار حلے استعمال کیے، وہ ہر سال عربوں کی دعوت کرتا تھا اور اس دعوت میں چربی اور شہد پکواتا تھا اور ستو بنواتا تھا۔ مخضرمی عرب یعنی جن کی عمر کا نصف حصہ جاہلیت میں گزرا اور نصف اسلام میں، خصوصاً سرداران قبائل اور بڑے گھرانوں اشراف خاصے خوشحال تھے وہ خود بھی اپنی دولت سے فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسروں کے ساتھ فیاضی کرتے تھے جس کی مثال دوسری قوموں میں نہیں مل سکتی، اسلامی دور میں اسلام کی راہ میں بعضوں نے بطیب خاطر اپنی دولت صرف کی، بعثت نبوی کے وقت حضرت ابو بکر صدیق چالیس ہزار درہم کے مالک تھے جس کو وہ اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے، چنانچہ 9 ھجری میں جیش عسرت کی تیاری کے لئے دس ہزار دینار دیے، اسی غزوہ میں حضرت عثمان نے بھی بڑی مدد کی تھی۔"(89)

اردو ترجمے کو عربی متن کے آئینہ میں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تکلف و تصنع سے گریز کیا گیا ہے، طبع زاد کتاب بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، اردو ترجمے میں تقدیم و تاخیر اسی مقصد کے پیش نظر ہے دیکھئے: "اشارة الی انه ملک عشرین الف بعیر" متن میں پہلے ہے، لیکن ترجمے میں بالکل اخیر میں ہے لیکن برمحل اور برموقع معلوم ہوتا ہے ایسا جب ہوتا ہے جب مترجم نے ترجمہ سے قبل اصل متن کو نہ صرف یہ کہ پڑھا ہو بلکہ سمجھ کر دل و دماغ میں اتا رلیا ہو اور اسے عربی و اردو دونوں زبانوں پر یکساں عبور و قدرت ہو اور اسے انشاء پردازی، مضمون نویسی اور تصنیف و تالیف کا ذوق میسر آیا ہو، مولانا معین الدین ندوی صاحب اس حوالے سے محتاج تعارف نہیں ہیں، ان کے ترجمے کو پڑھنے والا ہر قاری ان کے ترجمے کی خوبی کا قائل ضرور ہو گا، مترجم موصوف نے بوقت ترجمہ صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ " حضرت " کا اضافہ بھی کیا ہے جس سے ان کے دل میں عظمت صحابہ کی عکاسی ہوتی ہے ورنہ عموماً ہم نے کئی ترجموں میں دیکھا ہے کہ مترجم صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ نیز جہاں کہیں " رسول اللہ " کا تذکرہ آیا ہے وہاں مترجم نے " صلی اللہ علیہ وسلم "کا اضافہ ضرور کیا ہے یہ ان کے دل میں عشق رسول کا غماز ہے، مترجم اصل مآخذ کے نام حاشیہ میں درج کیے ہیں اور حاشیہ میں کہیں کہیں ضروری تشریح بھی کی گئی ہے، ان سب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ اسلامی تاریخ کے اعتبار سے دنیائے اردو میں ایک خوش گوار اور خوبصورت اضافہ ہے۔

ہم نے عربی کا جو اقتباس نقل کیا ہے اس میں ایک جگہ "ویحیس لهم الحیس بالسمن و العسل" کا جملہ ہے، فاضل مترجم نے اس کا ترجمہ کیا ہے" اور اس دعوت میں چربی اور شہد پکوانا تھا" یہ فنی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ عربی میں حیس ایک حلوہ ہے جو مکھن، پنیر، کھجور، گھی اور شہد سے تیار کیا جاتا تھا، مترجم کے ترجمہ سے وہ مطلب بالکل بدل گیا ہے تاہم ترجمہ کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس لیے گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

21۔ تنبیہ واشراف

"التنبیہ و الاشراف " ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (متوفی: 346ھ) کی مشہور تالیف ہے ۔ علامہ مسعودی ایک مشہور مسلم مؤرخ، جغرافیہ داں اور سیاح تھے انہوں نے اپنے ہاتھ سے دنیا کا ایک نقشہ بھی تیار کیا تھا جسے آزاد دائرۃ المعارف میں دیکھا جاسکتا ہے اس عظیم مؤرخ و جغرافیہ داں نے کم و بیش 37 کتابیں تحریر کیں، التنبیہ والاشراف آپ کی یادگار کتابوں میں سے ہے جس کے مطالعہ سے چوتھی صدی ہجری کی زندگی آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے اور اس زمانے کی تہذیب و تمدن کا نقشہ کھنچ جاتا ہے چوں کہ یہ کتاب بہت اہم تھی اس لیے اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ مولانا عبداللہ عمادی صاحب اس کے مترجم ہیں جو شعبہء ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد کے رکن تھے۔اس ترجمہ کی اشاعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن سے ہوئی ہے اور اس کی سنہ اشاعت 1345 ھجری بمطابق 1926ء ہے۔ یہ کتاب ترجمۃالمصنف سے شروع ہوتی ہے اور عہد رسالت تا احوال بنی امیہ اور بنو عباس کے واقعات و حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ ترجمہ 293 صفحات پر مشتمل ہے۔ 1897ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

علامہ مسعودی نے یہ کتاب روئے زمین کی سیاحت کے بعد زندگی کے آخری برس میں لکھی ہے اس میں اسلام کی ابتدائی صدیوں کے اہم واقعات بھی لکھے ہیں ان کا منشاء یہ تھا کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے ہر قوم، ہر ملت اور ہر ملک کے حالات اور تاریخ کی چھان بین کر کے اقوام عالم کے عروج و زوال اور صعود و ہبوط کے کیا کیا اسباب ہیں انہیں قلمبند کر سکیں، وہ اس سلسلے میں ہندوستان (موجودہ پاکستان) بھی آئے ،زیر تعارف کتاب ان کی تمام سابقہ تاریخی کتابوں کا خلاصہ اور نوٹ ہے؛ لیکن فاضل مترجم نے اصل کتاب کا وہ حصہ جس میں جغرافیہ عالم اور لطائف حکمت طبیعی کی تفصیلات تھیں، ترجمہ میں چھوڑ دیا ہے جس کی وضاحت مترجم نے بقلم خود کردی ہے اس لیے مذکورہ ترجمہ کا آغاز بدرسالت سے ہوتا ہے جس میں ہجرت کے گیارہ سالوں کی تاریخ ہے بعدہ خلافت راشدہ، واقعات بنی امیہ اور واقعات بنی العباس وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، ناظرین و قارئیں کی سہولت کے لیے مترجم نے ہجری سنین کی عیسوی سنین

سے مطابقت بھی لکھ دی ہے، یقیناً یہ کام تاریخی اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اس موقع پر مترجم کا اقتباس بھی نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

" اس کتاب کا ایک بڑا حصہ تاریخ اقوام وامم، جغرافیہ عالم و لطائف حکمت طبیعی کے متعلق ہے جس کا ترجمہ بحکم ضرورت بالفعل مؤخر کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ہم نے کوشش کی ہے کہ اہل نظر اس کے لفظی ترجمہ سے بہرہ اندوز ہوں اور بیان مفہوم کے ہر موقع پر رابطہ عبارت باقی رہے، سخن آرائی سے عموماً اجتناب کیا گیا ہے۔ محض اصل مضمون کے ترجمہ پر کفایت کی ہے، البتہ جابجا، وضوح کے لئے عنوانات قائم کر دئے گئے ہیں"۔(90)

یہ ترجمہ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر سابق صدر شعبہ اسلامی تاریخ کراچی یونیورسٹی کراچی کی نظرثانی و تہذیب کے ساتھ ادارہ قرطاس کراچی سے بھی شائع ہوا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس پر معلومات افزا جامع مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور علامہ مسعودی کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔

متن:

"والعمل الموروث الذی یقطع علیہ ولا ینازع فیہ، اتصال نسبہ الی معد بن عدنان وقد استقصینا شرح ذالک ، وما قیل فیہ من الوجوہ فی کتاب (الاستذ کار لما جری فی سالف الاعصار)) و اتینا فیما سلف من هذا الکتاب علی ماشتہر و استقاض من اتصال معد باسماعیل بن ابراہیم ،وما بین ابراہیم و آدم من الآباء علیٰ ما ذکرہ اهل الکتاب و اهل النسب ،

ویکنی ابا القاسم ، وامہ آمنۃ بنت وهب بن عبد مناف بن زهرة بن کلاب عام الفیل لثمان خلون من شهرربیع الاول وقیل لعشر----"(91)

ترجمہ:

موزوں اور قطعی امر جو محل نزاع نہیں، یہ ہے کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ ءنسب معد بن عدنان تک مسلسل پہنچتا ہے، ہم اس کی انتہائی تشریح اور اس باب میں جتنے وجوہ بیان کیے گئے ہیں سب کا مفصل تذکرہ" کتاب الاستذکار لما جریٰ فی سالف الاعصار" میں کر چکے ہیں۔

جیسا کہ مشہور و معروف ہے معد کا سلسلہ نسب(حضرت) اسماعیل بن ابر ہیم (علیہما السلام) تک جس طریق پر پہنچتا ہے اور (حضرت) ابراہیم و(حضرت) آدم (علیہما السلام) کے درمیان جتنی پشتیں ہیں، بحسب تذکرہ اہل کتاب و علمائے انساب، اسی کتاب میں پہلے ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں۔

آنحضرت کی ولادت:

رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی، آپ کی والدہ آمنہ تھیں، بنت وہب بن عبد مناف بن زھرہ بن کلاب، عام الفیل میں ماہ ربیع الاول کی آٹھ راتیں گزر چکی تھیں کہ آپ پیدا ہوئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس راتیں گزر چکی تھیں۔

(عام الفیل: وہ سال جس میں ابرہہ نے ہاتھی لے کر کعبہ شریفہ پر چڑھائی کی تھی اور قدرت کاملہ نے "طیرا ابابیل "کے ذریعہ اس کو ہلاک کیا تھا، سنہ ہجرت سے پیشتر تقریباً نصف صدی تک عرب میں یہی واقعہ تاریخی سنہ شمار ہوتا تھا، عام: سنہ وسال)۔۔"(92)

عربی اور اردو ترجمہ دونوں کا تقابل کیجئے تو سمجھ میں آتا ہے کہ مترجم کا ترجمہ واضح، غیر مبہم اور معیاری ہے، مترجم نے ضروری وضاحت اور حواشی کے ذریعہ ترجمہ کی قدر وقیمت میں اضافہ کر دیا ہے، ضروری وضاحت کو بین القوسین کیا ہے تاکہ اصل اور اضافہ میں امتیاز کیا جاسکے، عام الفیل پر حاشیہ لگا کر مترجم نے ایک طرف ترجمہ نگاری کے اصول بتائے ہیں تو دوسری طرف قارئین کے تسکین کا سامان بھی فراہم کیا ہے۔ یقیناً یہ ترجمہ اردو دنیا کے لیے سرمہء چشم ہے۔

22۔تاریخ حرمین شریفین

اس تاریخی کتاب کے مصنف جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ ،جید عالم، علامہ الحاج عباس کرارہ مصری ہیں جبکہ اس کے اردو مترجم سیف الرحمن الفلاح، بی۔اے ہیں۔ پیش نظر ترجمہ کا ناشر مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ہے اس میں سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے لیکن دیگر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ترجمہ بیسویں صدی کا ہے چنانچہ تاج کمپنی ترکمان گیٹ نئی دہلی سے شائع ہونے والے نسخے پر 1985ء کی تاریخ درج ہے اور اسی نسخے کے آخری صفحہ پر مترجم نے اپنے نام کے ساتھ 25۔07۔77ء کی تاریخ لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم 1977ء میں اس ترجمے سے فارغ ہوئے ہیں، نیز مترجم نے آغاز سخن کے تحت جو تفصیل لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ 1958ء کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس کتاب اور ترجمہ کے دو حصے ہیں حصہ اول میں مسجد الحرام کے اوصاف، حدود حرم، دار الندوہ کی پیمائش، مسجد حرام کی تعمیر اس کی توسیعات، حضرت آدم کی تعمیر کعبہ، کیفیت تعمیر ابراہیم،، دور جاہلیت میں غلاف کعبہ کی رسم، کیفیت تعمیر زبیر، کیفیت تعمیر قریش، توسیعات سعودیہ، خانہ کعبہ کے ارد گرد عمارات اور بیت اللہ ظہور اسلام کے بعد وغیرہ تاریخی باتوں کے تذکرے ہیں۔

دوسرا حصہ تاریخ حرم مدنی سے متعلق ہے جس میں حرم مدنی، مسجد نبوی، روضہ اطہر، محراب نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور دیگر ملحقہ مقامات کی مکمل اور جامع تاریخ مذکور ہے۔ اردو ترجمہ 390 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور دونوں حصے یکجا ہیں۔

مترجم نے ترجمہ کے حوالے سے نہایت ہی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور حتی المقدور یہ کوشش کی ہے کہ اگر کہیں کاتب سے سہو ہو گیا ہے تو اس کی تصحیح بھی کر دی جائے، ترجمہ کے اخیر میں تین صفحہ کا" استدراک" بھی شامل ہے جس میں چھوٹے ہوئے ترجمے کو صفحہ نمبر کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ مترجم آغاز سخن میں لکھتے ہیں:

> "گو ترجمہ کا کام ایک مستقل تصنیف کی نسبت آسان اور سہل دکھائی دیتا ہے تاہم اس کی مشکلات سے وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو اس راستہ میں صحرا نوردی کرتے ہیں۔ ایک زبان کا مفہوم بعینہ دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک بہت بڑا فن ہے، اس کے لئے دونوں زبانوں کی لغات، محاورات اور گرائمر پر مہارت تامہ کا ہونا ضروری ہے، مزید برآں ہر

روایت کو نقد و نظر کی کسوٹی سے پرکھنا بھی ضروری ہوتا ہے پھر بسا اوقات کاتب کی سہو سے عبارت کا مفہوم بدل جاتا ہے اس کی اصلاح کے لئے دیگر کتب کی ورق گردانی اور حوالہ تلاش کرنے میں گھنٹے ضائع ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔اس لئے حتی المقدور کوشش یہی رہی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اگر کوئی عبارت مشکوک نظر آئی۔ یا ذہن اس سے مطمئن نہیں ہوا تو اس کے مرجع سے تلاش کر کے اپنے شک وشبہ کو دور کیا ہے"(93)

متن اور ترجمہ کی جھلک دیکھیے:

متن:

"العمارة الحديثة الكبری فی العهد السعودی

المملكة العربية السعودية

بقی المسجد علی ماكان عليہ ايام آل عثمان حتی جلالة الملک عبد العزيز آل سعود امير الحرمين الشريفين فوجہ عنايتہ اليها وكان اول ماقام بہ جلالتہ فی الحرم النبوی الشريف فرش ارضہ بالرخام المرمر ، ثم حد ث بعض تشققات فی بعض الجدر، وخيف علیٰ اساطين المسجد وعلیٰ بعض المآذن من تسرب الخلل اليها فكان ذالک حافز الجلالة الراحل عبد العزيز آل سعود علیٰ ان يهتم بالمسجد النبوی اهتماما عظيما

ولما صح عزم جلالة الملک المغفور لہ عبد العزيز علیٰ تعمير المسجد النبوی الشريف اصدر امره لتنفيذ هذا المشروع الجليل واستدعیٰ الخبراء المختصين فی العمارة الحديثة من خارج المملكة السعودية و داخلها ووكل عليهم امرتعمير المسجد النبوی الشريف تعميرا يتفق ومكانتہ الاسلامية العظمی فی قلوب المسلمين من غير تعطيل لاقامة الشعائر الدينية

وقد امر جلالة الملک علیٰ ان يضرب علیٰ المسجد كل مايلزم من مال من غير مراجعة وان تبذل المجهودات الممكنة لتنفيذ المشروع----" (94)

ترجمہ:

" آل عثمان کے حکمرانوں کی تعمیر کے بعد شاہ عبدالعزیز آل سعود کے زمانے تک اسی حالت میں رہی، جب شاہ عبد العزیز رح نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی تو اس نے مسجد نبوی معہ روضہ مطہرہ کی طرف عنان توجہ موڑی۔ سب سے پہلے انہوں نے مسجد نبوی کا فرش سنگ مرمر کے پتھروں سے سجایا پھر ایک دفعہ مسجد کی ایک دیوار میں شگاف پڑ گئے اور مسجد کے ستون اور اذان کہنے کے منبروں میں کچھ خلل ہوا جس کی وجہ سے ملک عبدالعزیز مرحوم ال سعود مسجد بنوی کی تعمیر میں پورے انہاک سے مشغول ہو گئے۔

جب شاہ عبدالعزیز مغفور نے مسجد نبوی کی تعمیر کا پختہ عزم کر لیا تو اس نے اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اندرون ملک سے فن تعمیر کے ماہرین کو بلایا اور مسجد نبوی کی تعمیر کا کام ان کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ ایسی تعمیر کی جائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کا مرتبہ کم نہ ہونے پائے اور دینی شعائر بھی قائم رہے۔

شاہ نے حکم جاری کیا کہ مسجد کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو وہ بلا جھجھک خرچ کی جائے اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔"(95)

ترجمہ شدہ کتاب کے حصہ اول سے صرف اردو ترجمہ کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں:

"حدود حرم شریف: اس کی حد مدینہ منورہ کی جانب سے مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام تنعیم ہے، بعض نے یہ فاصلہ چار میل بتایا ہے چنانچہ ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنی کتاب " النوادر" میں لکھا ہے کہ تنعیم کی انتہا تک چار میل کا فاصلہ ہے۔ یمن کے راستے پر مقام اضاۃ کے کنارے تک چھ میل کا فاصلہ ہے ابن ابی زید نے سات میل کا فاصلہ بتایا ہے(علامہ ازرقی نے بھی سات میل لکھا ہے، اخبار مکہ جلد2، ص:131، حاشیہ)طائف کے راستے عرفہ کے طریق سے بطن نمرہ سے گیارہ میل ہے اسی طرح ازرقی نے بیان کیا ہے ابن ابی زید نے نو میل بتایا ہے، عراق کے راستے سے خل گھاٹی تک جو مقطع پہاڑ پر واقع ہے سات میل ہے۔ جعرانہ کے راستے آل عبداللہ بن خالد بن اسید سے نو میل کے فاصلے پر ہے اور جدہ کے راستے اعشاش کی انتہاء تک دس میل کا فاصلہ ہے اور جدہ کے راستے حدیبیہ کی انتہاء تک دس میل ہے۔"(96)

مذکورہ ترجمہ بامحاورہ ہے اور پڑھنے کے قابل ہے، مترجم نے اصل کتاب میں آئے ہوئے کتابوں کے ناموں کا حاشیہ میں حوالہ لکھا ہے جو بڑا کام ہے کہیں کہیں اپنی طرف سے زائد حوالوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، رسول اللہ، اور صحابہ کے ناموں کے ساتھ " صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ عنہ " جیسے القاب عظمت کا استعمال ترجمے میں موجود ہے البتہ کتاب میں آنے والے اشخاص و امکنہ کے اسماء پر اعراب لگانے یا ان کا تلفظ بتانے یا ان کا تعارف کرانے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، شاید اہل علم کی معلومات پر بھروسہ کر لیا گیا ہے، اسی لیے عام قاری کو اس طرح کے الفاظ اور جملوں کے تلفظ میں دقت ہو گی۔

چوں کہ مترجم نے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اور توجہ زیادہ تر اس بات پر ہے کہ عربی متن کا مفہوم اردو ترجمہ میں آجائے، اس لیے اردو ترجمہ میں بہت سے عربی الفاظ چھوڑ دیئے گئے ہیں؛ لیکن اس کی وجہ سے بعض جگہ ضروری چیز ترجمہ میں آنے سے رہ گئی ہے مثلاً کتاب کے دوسرے حصہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں ایک جگہ " خارج المملکۃ السعودیۃ" کا جملہ ہے جس کا ترجمہ ہے" بیرون ملک "یعنی مصنف کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے اندرون اور بیرون ملک دونوں مقامات سے ماہرین فن تعمیر کو بلایا گیا، مترجم نے " خارج المملکۃ السعودیۃ "کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے اردو پڑھنے والا سمجھے گا کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں صرف اندرون ملک فن تعمیر کے ماہرین کو بلایا گیا تھا، مترجم نے جس وقت اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے غالباً اس وقت اردو زبان میں حرمین شریفین کی تاریخ کے موضوع پر کتابیں کم تھیں اس لیے بایں وجہ مترجم کا علمی دنیا پر احسان ہے کہ انہوں نے اردو داں طبقے کو عربی مصنفین سے متعارف کرایا۔

23۔الاحاطہ فی اخبار غرناطہ

لسان الدین ابن الخطیب (متوفی: 1374ء) تاریخی، ادبی، جغرافیائی مواد اور سیاست و طب کے مشہور و معروف شخصیت کا نام ہے ؛اسی لیے ابن الخطیب نے ادب، تاریخ، جغرافیہ، سفر نامہ، سیاست، طب، موسیقی اور علم نبات پر بہت اثار چھوڑے ہیں، ان کی معروف تصانیف میں الاحاطہ فی اخبار غرناطہ قابل ذکر کتاب ہے، مصنف کو یہ احساس تھا کہ شہر غرناطہ کا حق کسی مصنف نے ادا نہیں کیا ہے، مصنف کی تمنا تھی کہ وہ غرناطہ کی مکمل تاریخ دنیا کے سامنے پیش کریں، الاحاطہ فی اخبار غرناطہ نامی کتاب اسی تمنا کی تکمیل ہے، اس کتاب میں شہر غرناطہ کی قدیم حالت، مشہور و معروف مقامات، اہل شہر کے مختلف طبقوں کے حالات، سلاطین، امراء و اعیان، فضلاء، قضاۃ، علماء، قراء، محدثین اور فقہاء وغیرہ کا تذکرہ دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے۔

کتاب کے دو حصے ہیں۔پہلا حصہ غرناطہ، اس کی تعمیر، غرناطہ کی فتح، شامی عربوں کی آمد، اور سلاطین غرناطہ کی تاریخ پر مشتمل ہے اس کا دوسرا حصہ غرناطہ کے امراء و سلاطین کے تذکرے اور حالات زندگی کے ساتھ اس زمانہ کی جنگوں اور شاعری وغیرہ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

چوں کہ اس اہم تاریخی کتاب سے اردو داں طبقہ کماحقہ مستفید نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے دار الترجمہ عثمانیہ حیدر آباد کے زیر نگرانی اس کا اردو ترجمہ کرایا گیا، مولانا سید احمد اللہ صاحب ندوی نے اس کتاب کا خوبصورت اور عمدہ انداز میں ترجمہ کیا ہے، ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، 441 صفحات کی پہلی جلد 1932ء میں چھپ کر سامنے آئی جب کہ دوسری جلد 1936ء میں منظر عام پر آئی، اور اہل ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنی، یہ جلد 401 صفحات کا احاطہ کرتی ہے 2010ء میں مشتاق بک کارنر پاکستان نے دونوں جلدوں کو یکجا طور پر شائع کیا ہے اب یہ ترجمہ 976 صفحات پر مشتمل ہے، اس ترجمہ کی ترتیب جدید محمد بابر جاوید صاحب کے قلم سے وجود میں آئی ہے، دیباچہ کے ترجمہ سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

متن: لم یقم بحقها ممتعض حق الامتعاض،و لا فرق بین جواهرها وبین الاغراض هذا و سمر الاقلام مشرعة و مكان القول والحمد لله ذوسعة فهی الحسناء التی عدمت الذام وزینت اللیالی والایام والهوی ان قبل كلفت بمعانیها وقصرت الایام علی معانیها فعاشق الجمال عذره مقبول - (97)

ترجمہ:

"در حقیقت شہر غرناطہ کا حق کسی مصنف نے ادا نہیں کیا اور نہ اسکے جواہر واغراض میں تمیز کی حالاں کہ قلم کی روانی جاری ہے اور بیان کا میدان بھی بہت وسیع ہے، غرض وہ ایک خوبی ہے جس کی مذمت کرنے والا کوئی نہیں اور وہ زمانے کی زینت ہے اور اگر کہا جائے تو خواہش نفس اس کے معانی پر شیدا ہے مگر اس کے مداح پر زمانہ تنگ ہے عاشق جمال کا عذر مقبول ہے"(98)

اس ترجمہ کا ایک اور اقتباس نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

متن:

"شیخ الغزاۃ و رئیس الجند الغربی لاول امرہ

اقر علی الغزاۃ شیخھم علی عھد ابیہ ، ابازکریا یحی بن عمر رحو بن عبداللہ بن عبد الحق ، مطمح الطواف وموفی الاختیار ، ولباب القوم وبقیۃ السلف ، جزما ودھاء وتجربۃ وحنکۃ وجدا وادراکا ، ناھیک من رجل فذ المنازع ، غریبھا ، مستحق التقدیم شجاعۃ واصالۃ ، و رایا ومباحثۃ ، نسابۃ قبیلۃ ، واضحی قسھم وکسری ساستھم ، الی لطف السجیۃ ، و حسن التانی لغرض السلطان ،وطرق التنزل للحاجات ، ورقۃ غزل الشفاعات وامتاع المجلس وثقوب الذھن والفھم وحسن الھیئۃ وزادہ خصوصیۃ ملازمتہ مجلس الرقاع المعروضۃ والرسل الواردۃ ،و سیاتی ذکر ہ فی موضعہ بحول اللہ تعالیٰ"(99)

ترجمہ:

"شیخ مجاہدین اور سپہ سالار فوج:۔ سلطان نے اپنے ابتدائے عہد میں فوج کی سرداری پر شیخ ابوزکریا یحیٰ بن عمر بن رحو بن عبداللہ بن عبد الحق کو برقرار رکھا جو سلطان کے والد کے وقت میں بھی شیخ الغزاۃ تھے اور قوم میں ایک صائب الرائے ،آزمودہ کار اور دانشمند شخص سمجھے جاتے تھے ،اور حزم وتدبیر تجربہ وانتقال ذہن اور سنجیدگی وفہم رسا میں یادگار سلف تھے مختصر یہ ہے کہ وہ یکتائے روزگار اور بینظیر شخص تھے، شجاعت واصالت اور رائے اور مباحثہ کے لحاظ سے سرداری کا استحقاق رکھتے تھے وہ اپنے قبیلے کے بڑے نساب اور ان کی زبان کے ماہر اور سیاست کے کسریٰ تھے، اس کے ساتھ طبیعت میں نرمی بھی تھی۔ سلطان کے کام کو سکون واطمینان کے ساتھ انجام دیتے تھے اور ضرورت وحاجت کے وقت اپنے درجے سے نیچے بھی اتر آتے تھے اور سفارشیں ہمدردی ومہربانی کے لہجے میں کرتے تھے اہل

مجلس کو خوش اور محظوظ رکھتے تھے نہایت ذہین صاحب عقل اور جمیل و شکیل شخص تھے اور ان کا رسوخ واثر اس سبب سے بہت بڑھ گیا تھا کہ معروضات و مراسلات کی مجلس کے ساتھ بھی تعلق رکھتے تھے، جس کا بیان آئندہ کیا جائے گا (100)"

سید احمد اللہ صاحب ندوی کا یہ ترجمہ علمی و فنی اعتبار سے قابل اعتبار اور مستند ہے، مترجم نے اس کی پوری کوشش کی ہے کہ عربی متن کے دائرے سے ترجمہ کو باہر نہ کیا جائے اور نہ بالکل اس کی پیروی کی جائے؛ اسی لیے ترجمہ میں سلاست اور روانی بھی ہے اور اردو محاورے کی آمیزش بھی، ایسا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب مترجم دونوں زبان کا ماہر اور صاحب ذوق ہو۔ مترجم نے چوں کہ حواشی کا اہتمام نہیں کیا ہے اور نہ ہی اسماء کا تلفظ بتایا ہے اس لیے عربی زبان اور عربی تاریخ سے نابلد شخص ترجمے میں آئے ہوئے بہت سے الفاظ اور ان کی تاریخی حیثیت کو نہیں سمجھ سکتا، ترجمے میں " سیاست کے کسری تھے " کا جو جملہ ہے یہاں "کسری" پر اعراب اور اس کی مختصر تشریح ضروری تھی ورنہ مبتدی طالب علم یا قاری اسے سمجھنے اور سمجھکر محظوظ ہونے سے قاصر رہے گا۔ ممکن ہے مترجم کے پیش نظر یہ بات رہی ہو کہ اہل علم اس سے استفادہ کر لیں گے اس لیے محض ترجمہ پر اکتفا کیا گیا یا صفحات کی ضخامت اس سے مانع بن گئی ہو بہر حال ترجمہ میزان علم میں کھرا اترتا ہے اور اردو داں طبقہ کے لیے ایک اہم علمی تحفہ ہے۔

24۔نفح الطیب

اندلس کے حالات پر علامہ شہاب الدین ابو العباس التلسمانی المقریزی (متوفی:1592ء) کی مشہور کتاب نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب کا اردو ترجمہ مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سرادھوی نے کیا ہے (سرادہ ضلع میرٹھ کا ایک قصبہ ہے، تقسیم ہند کے موقع پر مترجم لاہور چلے گئے تھے)۔ مترجم دفتر ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائزرہ چکے ہیں،اس ترجمہ کی طباعت واشاعت مسلم یونیورسیٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے 1921ء میں ہوئی ہے۔ صفحات کی تعداد 604 ہے۔

اس کتاب میں اندلس اور اہل اندلس کی تاریخ وحالات سے بحث کی گئی ہے ترجمہ کو سات ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے باب اول میں جزیرہ ءاندلس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور باب ہفتم میں مسلمانان اندلس میں تفرقہ اور مسلمانوں پر کافروں کا استیلا کا ذکر ہے، مترجم نے کافی محنت اور عرق ریزی سے کتاب کا ترجمہ کیا ہے بقول مترجم: اس پر جس قدر محنت شاقہ مجھے اس طویل عرصے میں برداشت کرنی پڑی ہے اس کا اندازہ یا خود مجھے ہے یا ان بزرگان قوم کو ہوگا جو نفح الطیب کی ضخامت اوراس کے طرز بیان سے واقف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس ترجمہ کو "پارہائے جگر" قرار دیا ہے، کیوں کہ انہیں اس امر کا شدید احساس تھا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت وحکومت اندلس کا پورا مرقع اور اسکی تہذیب وتمدن کا مکمل نقشہ مسلمانوں بالخصوص نونہالان قوم کے سامنے پیش ہوسکے اور ہماری آیندہ انفرادی اور عصبی حیات کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے جس سے ہم پھر اس ترقی واقبال اور اسی جاہ جلال کو دوبارہ پاسکیں جس پر ہم ایک زمانہ میں فائزرہ چکے ہیں، 1914ء میں یہ ترجمہ شروع کیا گیا اور 1918ء میں اختتام کو پہنچا ہے، 1920ء میں مترجم نے دیباچہ تحریر کیا ہے اور 1921ء میں پہلی بار یہ ترجمہ منظر عام پر آیا، ترجمہ عمدہ اور عام فہم ہے خود مترجم کا احساس ہے کہ مترجم نے اس کو اردو زبان میں باحسن الوجوہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے تاہم ہر ہر لفظ کا ترجمہ کیے بغیر اصل عبارتوں کا اختصار پیش کیا ہے اور بہت سی بحثوں کو نظر انداز بھی کردیا ہے مترجم نے دیباچہ میں لکھا ہے:

> "میری خواہش تھی کہ اس کتاب عزیز کے ہر ہر لفظ کا ترجمہ کردوں مگر آغاز دیباچہ میں جو وجوہ عرض کیے گئے انہوں نے اختصار پر مجبور کیا، لہذا میں نے مختلف مقامات کو جن کو میں غیر ضروری اور باعث تطویل لاطائل خیال کیا قلم

انداز کر دیا ہے اکثر موقعوں پر میں نے ترجمہ کو سلاسل الفاظ سے مقید نہیں کیا ہے جس کے وجوہ تجربہ کاران فن ترجمہ سے پوشیدہ نہیں ہے تاہم یہ ترجمہ گیانگوس کے ترجمہ سے زیادہ بسیط و عریض ہے اور سوااس کے کہ بعض بعض جگہ سے مضامین کو قلم انداز کیا گیا ہے اس ترجمے کی ترتیب و تنظیم اصلی کتاب کے مطابق ہے"(101)

عربی متن اور ترجمہ کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

متن:

"(مساحتها و ابعادها) قال المسعودى:بلاد الاندلس تكون مسرة عمائدها و مدنها نحو شهرين ولهم من المدن الموصوفة نحو من اربعين مدينة انتهى باختصار - و نحو لابن اليسع اذا قال : طولها من اربونة الى اشبونة وهو قطع ستين يوما للفارس المجد و انتقد بامرين :احدهما انه يقتضى ان اربونة داخلة فى جزيرة الاندلس ، والصحيح انها خارجة عنها ، والثانى ان قوله : "ستين يوما للفارس المجد "اعياء وافراط وقد قال جماعة : انها شهر ونصف قال ابن سعيد : وهذا يقرب اذالم يكن للفارس المجد والصحيح مانص عليه الشريف من انها مسيرة شهر-" (102)

ترجمہ:

"بقول مسعودی اندلس کی آبادی کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی منزل بہ منزل سفر کرے تو وہ دو ماہ کی راہ ہے شہر وقصبات تعداد میں چالیس کے قریب ہیں ایسا ہی قول ابن الیسع کا ہے کہ اربونہ سے لے کر اشبونہ تک اندلس کا طول ایک تیز رو سوار کے لیے ساٹھ روز کی راہ ہے؛ لیکن اس قول میں دو امور قابل لحاظ ہیں :اول یہ ہے کہ ابن الیسع کے نزدیک اربونہ اندلس میں داخل ہے حالاں کہ صحیح یہ ہیکہ وہ خارج ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تیز رو سوار کے لیے ساٹھ روز کی راہ قرار دیتے ہیں مگر اس میں انہوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہت سے لوگوں نے صرف ڈیڑھ مہینہ کی راہ بتائی ہے چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ تیز رو سوار کہنا مبالغہ ہے صحیح قول، شریف کا ہے جن کے نزدیک اندلس کا طول ایک ماہ کی راہ ہے۔"(103)

ترجمہ کو عربی عبارت کے آئینہ میں دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے پوری عبارت کا نچوڑ اور مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن اصل عبارت کی روح اور اسپرٹ کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا ہے اس لیے مترجم کا یہ ترجمہ ایک معیاری ترجمہ کی فہرست میں رکھے جانے کے لائق ہے، مترجم نے ترجمے میں اردو کی حلاوت پیدا کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے یہ مترجم کی قابلیت کی دلیل ہے مثلاً "انتقد بامرین" کا ترجمہ مترجم نے " اس

قول میں دو امور قابل لحاظ ہیں" جیسے بہترین تعبیر میں کیا ہے، پیش نظر اردو ترجمے میں اسماء الرجال اور اسماء الاماکن پر کوئی تعلیق نہیں ہے، مترجم نے اگلے ایڈیشن میں تعلیقات واضحہ لکھنے کا وعدہ بشرط توفیق حسب ضرورت کیا ہے۔

بہر حال مترجم نے دیباچہ میں ذکر کردہ ترجمے کی شرطوں اور وضاحت کے مطابق ہی ترجمہ کیا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ یہ ترجمہ مسلمانوں کے لیے تاریخی اور سیاسی اعتبار سے مشعل راہ بن جائے اور وہ مسلمانان اندلس کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور خود مترجم کے لیے دعاء حسن عافیت کریں۔

مترجم نے دیباچہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اپنے اردو ترجمے کے وقت نفح الطیب کا انگریزی ترجمہ بھی پیش نظر رکھا ہے، اس کی وجہ سے اردو ترجمے میں اغلاط کم سے کم ہوئی ہیں وہ لکھتے ہیں:

> "مجھے ترجمہ کے دوران میں بارہا اس ترجمہ کا اصلی کتاب سے مقابلہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور مجھے اپنی کم مائگی کے اعتراف کے باوجود افسوس سے اظہار کرنا پڑتا ہے کہ میں اسے اکثر مواقع میں غلط یا متجر الی الغلط پایا اس کے علاوہ انہوں نے متعدد مقامات میں کچھ اس طرح خلاصہ کیا ہے کہ جس سے میری تسلی نہیں ہوتی اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے اس کتاب کو از سر نو ترتیب دینے میں بہت کچھ محنت و مشقت سے کام لیا ہے اور کتاب کو ایک بالکل جدید اور دلچسپ شکل میں پیش کیا ہے مگر باوجود اس کے اس خصوص میں اگر ان کا شکریہ نہ ادا کیا جائے تو اس سے بڑھ کر ناشکری نہیں ہو سکتی"(104)

نفح الطیب کے تاریخی اور معاشرتی حصے کا پاسکوئل دے گیانگوس (Pascual de Giangos) نے انتخاب کر کے اسے (The history of the Mohammadan Dynasties in Spain) کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا جس کا مترجم نے حوالہ دیا ہے۔

25۔ فتوح البلدان

اس کتاب کا اردو ترجمہ دراصل سلسلہ نصاب تعلیم جامعہ عثمانیہ کے تحت کیا گیا ہے۔اس کے مؤلف احمد بن یحیٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری (المتوفی 279ھ) ہیں۔اس کے مترجم سید ابوالخیر مودودی ہیں جو سر رشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد کے رکن تھے۔ ترجمہ دو جلدوں میں ہے پہلی جلد کی اشاعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن سے 1351ھ مطابق 1932ء میں ہوئی ہے۔اس کے صفحات 554 ہیں۔

اس ترجمہ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں جزیرۃ العرب، حصہ دوم میں شام، حصہ سوم میں الجزیرہ، حصہ چہارم میں ارمینیہ، حصہ پنجم میں مصر و مغرب، حصہ ششم میں افریقیہ، حصہ ہفتم میں السواد اور حصہ ہشتم میں الجبال کے بارے میں تفصیل ہے جس کے تحت مذکورہ شہروں اور دیگر بلاد و امصار کی فتوحات، جنگ و جدال اور سلاطین و امراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فتوح البلدان میں غزوات رسول سے لے کر شام، مصر، سندھ، آرمینیا،، عراق و فارس کی فتوحات کی تفصیل موجود ہے یہ کتاب البلدان الکبیر کو مختصر کر کے لکھی گئی بعد میں یہی اصل کتاب ہوئی کیوں کہ البلدان الکبیر مکمل نہ ہو سکی، یہ کتاب بڑی حد تک آئینہ کی طرح ہے جس میں دول اسلامیہ کے ابتدائی عہد کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور دولت اسلامیہ کے مؤسس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل و مناقب اور خصوصیات سے واقف ہوا جا سکتا ہے۔ نیز اس کتاب کے مطالعہ سے اردو داں طبقہ اس بات سے بھی واقفیت حاصل کر سکتا ہے کہ بہادران عرب نے روم و ایران کے ممالک پر کس طرح ترک تازیاں کیں۔اور یہ کہ انہوں نے اپنی شجاعت و حربیت سے اس امیت اور بدویت اور اصول تمدن سے ناواقفیت کے باوجود جس میں وہ ایک زمانہ سے مبتلاء تھے کس طرح مشکلات پر غالب آکر اپنے مقصد وحید یعنی نشر دین اسلام و اعلاء شان امۃ عربیہ میں کامیابی و کامرانی حاصل کیں اور فتوحات کے جھنڈے گاڑے اس کے ساتھ ساتھ اس وقت کے تمام جغرافیائی، تاریخی اور خلفاء کے حالات کی تفصیل بھی اس کتاب میں موجود ہے مصنف نے ہر جگہ خود سفر کے حالات کو تحریر کیا ہے جو اس کتاب کی بڑی خصوصیت ہے۔

اس کی دوسری جلد 1940ء میں منظر عام پر آئی،اس دوسری جلد کی ابتداء حصہ ہفتم سے ہوتی ہے جس میں فتح آذر بائیجان اور الاساورہ کے متعلق بیان ہے، حصہ ہشتم میں اضلاع اہواز وکرمان وغیرہ کے بارے میں، حصہ نہم سجستان، کابل، خراسان اور فتوح السند کے بارے میں اور حصہ دہم میں تعلیقات یعنی خراجی زمینوں کے احکام، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عطاء کی ابتداء اور اس کا نظام اور اسی طرح ختم، نقود اور خط وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ یہ ترجمہ 250 صفحات پر مشتمل ہے۔ سید ابوالخیر مودودی علمی دنیا کے معروف عالم اور مترجم ہیں اس لیے ترجمہ صاف ستھرا اور علمی انداز کا ہے البتہ ترجمہ، لفظی ترجمہ کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔ عربی کے مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں لکھنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، کہیں کہیں اصل عبارت کے حوالے بھی درج کیے گئے ہیں اور امکنہ اور رجال پر اعراب بھی لگایا گیا ہے، ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

متن:

"و يقال ان خالدا لم يسرمن البصرة حتى فتح الخريبة وكانت سلحة للاعاجم فقتل وسبى وخلف بها رجلا من بنى سعد بن بكربن هوازن يقال له شريح بن عامر يقال انه اتى نهر المرآة ففتح القصر صلحا صالحه عنه النوشجان بن جسنسما والمرآة صاحبة القصر كامن دار بنت نرسى وهى ابنة عم النوشجان وانما سميت المرآة لان ابامو سى الاشعرى كان نزل بها فزودته خبيصا فجعل يقول: اطعموا من دقيق المرآة وكان محمد بن عمر الواقدى ينكر ان يكون خالد بن الوليد اتى البصرة حين فرغ من امر اهل اليمامة والبحرين ويقول: قدم المدينة ثم سار منها الى العراق على طريق فيد و الثعلبية والله اعلم -"(105)

ترجمہ:

"ایک روایت ہے کہ خالد، البصرہ اس وقت تک نہیں گئے جب تک الخریبہ فتح نہیں کر لیا یہ عجمیوں کی سرحدی چوکی تھی خالد نے(قابل جنگ مردوں کو) قتل کیا(عورتوں اور بچوں کو) لونڈی غلام بنایا اور اس ناحیہ پر بنی سعد بن بکر بن ہوازن میں شریح بن عامر کو اپنا قائم مقام کیا بعض کہتے ہیں کہتے ہیں: خالد نے نہر المراۃ پہنچ کے، القصر صلحاً فتح کیا النوشجان بن جسنسما نے ان سے صلح کی کامندار بنت نرسی اس قصر کی مالک تھی، النوشجان اس کا بھائی تھا اور وہ اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ اسمقام کا نام المراۃ اس لیے ہوا کہ جب ابو موسیٰ اشعری یہاں ٹھہرے تو کامن دار نے انہیں حلوہ بنا کر کھلایا اس پر ابو موسیٰ نے کہا: ہمیں عورت کے آٹے میں سے کھلاؤ۔

محمد بن عمر الواقدی واقعات کے اس سلسلے سے انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے: یہ نہیں ہوا کہ خالد ابن الولید اہل الیمامہ والبحرین کے معاملہ سے فارغ ہو کے سیدھے البصرہ آئے ہوں بلکہ یہ ہوا کہ وہ الیمامہ والبحرین کے معاملے سے فارغ ہو کر کے مدینہ مبارکہ گئے اور وہاں سے فید والثعلبیہ کے راستے العراق پہنچے واللہ اعلم "(106)

عربی اور اردو دونوں عبارتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم موصوف نے لفظی ترجمہ کے دائرے میں رہتے ہوئے ترجمہ کی کوشش کی ہے لیکن ترجمہ بالکل لفظی بھی نہیں ہے بلکہ حسب ضرورت حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے، مترجم نے ترجمہ میں جگہوں کے نام "الف لام" کے ساتھ لکھے ہیں جیسا کہ متن میں ہے یہ ایک اچھی بات ہے تاکہ عام قاری کو معلوم ہو سکے کہ یہ عربی زبان میں نام ہیں، مترجم نے صحابہ کے ناموں کے ساتھ " حضرت " یا " رضی اللہ عنہ " جیسے تعظیمی کلمات کا اضافہ نہیں کیا ہے جیسا کہ دالترجمہ عثمانیہ سے شائع ہونے والے اکثر تراجم میں یہی طرز اختیار کیا گیا ہے۔ عربی متن میں " قتل وسبی " کے الفاظ ہیں، مترجم نے ترجمہ کے وقت " قابل جنگ مردوں " اور عورتوں اور بچوں "کا اضافہ کیا ہے اور بین القوسین میں لکھا ہے اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قتل کا تعلق نوجوان مردوں سے ہے جب کہ قید وبند اور غلام بنانے کا تعلق عورتوں اور بچوں سے ہے، اگر یہ اضافہ نہ کیا جاتا تو قتل میں مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی شامل سمجھا جا سکتا تھا اور یہ بات تاریخی غلطی اور اسلام کی شبیہ خراب کرنے کے مترادف ہوتی۔ اس بر محل اضافہ سے مترجم کی قابلیت اور تاریخ پر گہری نظر کا اندازہ لگانا پڑھے لکھے شخص کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ چوں کہ اس طرح کے موضوعات پر اردو تاریخ کا دامن خالی ہے اس لیے مذکورہ کتاب کا ترجمہ اردو کی تاریخی دنیا میں خوشگوار اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے اور نئی نسل کے لیے مشعل راہ ہے۔

26۔ سفر نامہ شیخ ابن بطوطہ

اس کتاب کا عربی نام "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار" ہے، اس کا مصنف آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسلمان سیاح ابو عبداللہ محمد بن عبد اللہ اللواتی الطنجی (متوفی: 779ھ) ہے جو ابن بطوطہ سے مشہور و معروف ہے اور مشرقی ممالک والے انکو شمس الدین کے نام سے جانتے ہیں، ابن بطوطہ پہلا شخص ہے جس نے آٹھویں صدیں میں سفر نامہ مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا اور ترقی علم کا ایک نیا گوشہ ایجاد کیا۔ کتاب کے دیباچہ میں ہے:

"تاریخ گو موٹی موٹی باتیں بتاتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو طالب علمان علم تاریخ کے واسطے بھی وہ اسی وقت اکتفاء کرتی ہیں۔ جب تاریخ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ مفصل حالات معلوم کرنے کا ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کا سفر نامہ خود اپنی جگہ ایک ایسی مستند تاریخ ہے کہ بلحاظ تاریخ وہ موجودہ تاریخی کتب میں بالکل بے نظیر و منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ بلحاظ ایک ایسی کتاب کے جو اس زمانہ کے لوگوں کی طرز معاشرت، طریق تمدن، سیاست، مذہب، خیالات، ترقی اور تہذیب پر بحث کرتی ہے۔ بے مثل و نایاب ہے۔ اور پھر اگر ہم یہ سوچیں کہ وقائع مندرجہ تاریخ کہاں تک قابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں اور کس طرح مؤرخ ایک دوسرے سے ان کی صحت اور صداقت پر بحث کرتے ہیں۔ اس وقت اس سفر نامے کی وقعت اور قدر اور بھی ہماری نگاہ میں بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ وہ حالات ہیں جو ایک مبصر، محقق، اور اہل الرائے نے اپنے چشم دید لکھے ہیں اور بر سر موقع ہر ایک نتیجہ اصل معاملہ کے ہر پہلو کو جانچ کر اخذ کیا ہے"۔(107)

اس سفر نامہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہندوستان کا سفر اور اس کی روداد بھی شامل ہے جس سے اس وقت کی تاریخی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر حبیب الحق ندوی لکھتے ہیں:

"ابن بطوطہ محمد تغلق (1326ء۔1351ء) کے عہد میں ہندوستان آیا، دہلی میں تین سال تک عہدہ قضاء پر فائز رہا، اس نے اپنی سیاحت، مشاہدہ اور تاریخی واقعات کو اپنی ڈائری "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار" میں تفصیل سے لکھا ہے اس نے اپنے سفر نامہ میں اپنی عینی مشاہدات اور ذاتی معلومات تحریر کی ہیں۔ وہ ہندوستان کے جغرافیہ، تمدن،

معاشرت اور مذہبی خیالات وغیرہ کے ساتھ ساتھ سندھ کا بھی ذکر کرتا ہے۔۔۔۔ڈاک کی قسمیں،ڈاک لے جانے کا طریقہ،اخبار نویس، سلطان محمد تغلق کے سیرت و کردار، سندھ کے شہر۔"(108)

دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی نہیں جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو اردو میں سفر نامہ ابن بطوطہ کے دو تین ترجمے شائع ہو چکے ہیں، جن میں بعض ترجمے بقول محققین: زبان وبیان کی خامیوں سے پر ہیں نیز ان میں قدیم شہروں اور شخصیات کے بارے میں حواشی اور اشاریہ کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، میرے پیش نظر اس سفر نامہ کا جو ترجمہ ہے وہ نہایت عمدہ، عام فہم اور علمی انداز کا ہے جو نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی سے، ڈسمبر 1986ء میں پانچویں بار طبع ہوا ہے، اس ترجمے کے بارے میں چودھری طارق اقبال لکھتے ہیں:

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے ملک کے مایہ ناز مؤرخ اور صاحب طرز ادیب علامہ رئیس احمد جعفری نے اس کوہ بے ستون میں کوہکنی کا عزم کیا۔۔۔اس ترجمہ کی عمدگی کا ثبوت رئیس احمد جعفری کا نام ہے، موصوف تاریخ وادب کی وادی کے تجربہ کار سیاح ہیں، ابن بطوطہ کی سیاحت کی روداد کا ترجمہ ان کی اسی تجربہ کاری کی وجہ سے ایک بلند پایہ حیثیت کا حامل ہے، انھوں نے متن کے بعض مجمل اور مبہم مقامات کی تفصیل اور توضیح حواشی میں اس انداز سے کی ہے کہ اس ترجمے کی اہمیت اور افادیت اصل سفر نامہ سے بڑھ گئی ہے، ابن بطوطہ نے اپنے عہد کو زندہ کیا اور رئیس احمد جعفری نے ابن بطوطہ کی تصنیف کو۔۔۔اور اس اعتبار سے یہ دونوں کارنامے ہماری تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔۔"(109)

اردو ترجمے کی دو حصے ہیں، پہلا حصہ 394 صفحات پر پھیلا ہوا ہے، پہلا حصہ تمام تر بلاد اسلامیہ اور ممالک عربیہ کی سیر وسیاحت پر مشتمل ہے یہ حصہ جبل بدخشاں اور دوسرے مقامات کی سیاحت پر ختم ہوتا ہے، دوسرا حصہ ہندوستان(بشمول پاکستان) پڑوسی ممالک، انڈونیشیا، سیام، کمبوڈیا اور چین وغیرہ کے سفر پر مشتمل ہے۔اس جلد کی ضخامت 287 صفحات ہے۔

اس کے علاوہ اور اس سے پہلے کے جو ترجمے ہیں ان میں سے ایک ترجمہ جو دوسری جلد کا ہے جناب پیرزادہ مولانا محمد حسین صاحب ایم۔اے۔سی۔آئی۔ای، نے 1898ء میں کیا ہے جس کا پہلا ایڈیشن مطبع رفاع عام لاہور سے طبع ہوا اس حصے میں ہندوستان ومالدیپ، چین وعرب کے سفر کا بیان ہے میرے پیش نظر ترجمہ کی ضخامت 520

صفحات ہے،اس میں کل اٹھارہ ابواب ہیں باب اول سندھ سے شروع ہوتا ہے اور اٹھارہواں باب سوڈان کے سفر پر ختم ہوتا ہے مترجم نے ترجمے کے شروع میں ایک مفصل تمہید بھی لکھی ہے۔

اس ترجمہ کا نقش اول اگرچہ 1898ء میں تیار ہوا اور اس اعتبار سے یہ انیسویں صدی کا ترجمہ کہلائے گا؛ لیکن اس کا نقش ثانی 1913ء میں تیار ہوا ہے چنانچہ مترجم نے دوسرے ایڈیشن کے وقت ترجمے میں ضروری ترمیم اور اضافہ کیا ہے اس اعتبار سے بیسویں کا ترجمہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں مترجم نے تمہید میں لکھا ہے:

"عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں حتی الوسع کوئی لفظ نہیں چھوڑا گیا اور فقط مطلب پر قناعت نہیں کی گئی ہے، بلکہ زیادہ تر یہ خیال بھی رکھا ہے کہ ترجمہ لفظ بہ لفظ بھی ہو اور اسی لیے اردو عبارت میں کہیں کہیں الفاظ آگے پیچھے نظر آئیں گے اس کا زیادہ تر باعث یہ بھی ہوا ہے کہ میں ترجمہ کرتا گیا اور کاتب لکھتا گیا اس کتاب پر مصنفوں کی طرح مینا کاری کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مصنف نے تاریخی واقعات اور بعض مقامات کے فاصلے اور جگہ بیان کرنے میں کہیں کہیں غلطی کی ہے ان کو ہر جگہ درست کر دیا گیا ہے اسی طرح تاریخی و دیگر واقعات میں بھی جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کو صحیح کر دیا گیا ہے اور اکثر واقعات کی تشریح اور تائید فارسی، عربی تاریخوں سے لی گئی ہے اور حوالہ میں ان ہی تاریخوں کی عبارت بلا ترجمہ درج کر دی گئی ہے۔"(110)

اس کی مزید وضاحت دوسری جگہ یوں کی ہے:

"کوئی شہر یا جگہ یا ملک خواہ وہ اب موجود ہو یا نہیں اس کا نام بدل دیا گیا ہو حتی الوسع بغیر پتہ لگائے باقی نہیں چھوڑا اور اس میں بھی فقط قیاس سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ہر ایک جگہ سند کا حوالہ دیا گیا ہے اس غرض کے پورا کرنے کے لیے زیادہ تر ہنٹر صاحب کے گزیٹر فارسی تاریخوں اور ابو الفضل کی آئین اکبری اور کننگم صاحب کی رپورٹوں سے جو انہوں نے آثار قدیمہ کی تحقیقات کے متعلق لکھی ہیں اور ہم عصر مؤرخوں اور سیاحوں کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔"(111)

1901 ء میں پہلی جلد کا ترجمہ اخبار وکیل امرتسر کے پریس سے شائع ہوا، اس پہلی جلد کے مترجم کا نام مولوی حیات الحسن ہے۔ پہلی جلد کا ایک اور ترجمہ مولانا عطاء الرحمن صاحب شاہ جہاں آبادی کے قلم سے بھی منظر

عام پر آیا ہے جو عجائب الاسفار کے نام سے رحمانی پریس دہلی سے 1348ھ (1929ء) میں شائع ہوا ہے شیخ نذیر حسین مالک رحمانی پریس دہلی نے اس کی جو تفصیل لکھی ہے اس کا اختصار درج ذیل ہے:

"سب سے پہلے سفر نامہ ابن بطوطہ کی دوسری جلد کا مفصل ترجمہ 1898ء میں جناب پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب نے کیا اور 1901ء میں پہلی جلد کا ترجمہ اخبار وکیل امرتسر کے پریس سے شائع ہوا عرصہ دراز سے یہ دونوں جلدیں کمیاب ہوگئی تھیں، لہذا میں نے پیرزادہ صاحب کی اجازت سے 1927ء میں دوسری جلد کا دوسرا ایڈیشن تیار کر لیا، پہلی جلد کے مترجم کوئی دوسرے بزرگ ہیں اور مجھ کو اس کے طبع کرنے کا حق حاصل نہیں اس لئے پہلی جلد کا ترجمہ مولانا عطاء الرحمن صاحب شاہ جہاں آبادی سے لکھوایا۔"(112)

مولانا عطاء الرحمن صاحب کا یہ ترجمہ 556 صفحات پر مشتمل ہے جسے 42 ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، جس میں مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس، قسطنطنیہ، حلب، مشہد مقدس، کوفہ، بغداد، مشرقی افریقہ، افغانستان وغیرہ ممالک کے حالات درج ہیں، مترجم نے حسب ضرورت حواشی کا اہتمام بھی کیا ہے۔

یہ ترجمے بھی روانی اور سلاست کی بناء پر قابل اعتبار اور مستند ہیں بلکہ انہیں الفضل للمتقدم کی سند حاصل ہے لیکن اب پرانی لائبریریوں کی زینت ہیں یا ناپید ہیں۔ تقابل کے لیے ایک ہی عبارت کے دو ترجمے نقل کیے جاتے ہیں:

متن:

"قال الشیخ ابو عبد اللہ : کان خروجی من طنجۃ مسقط راسی فی یوم الخمیس الثانی من شهر اللہ رجب الفرد عام خمسۃ و عشرین وسبعماۃ معتمدا حج بیت اللہ الحرام و زیارۃ قبر الرسول علیہ افضل الصلاۃ والسلام منفردا عن رفیق آنس بصحبتہ وراکب اکون فی جملتہ لباعث علی النفس شدید العزائم وشوق الی تلک المعاهد الشریفۃ کامن فی الحیازم فحزمت امری علی هجر الاحباب من الاناث و الذکور وفارقت وطنی مفارقۃ الطیور للوکور وکان والدی بقید الحیاۃ فتحملت لبعدهما وصب ولقیت کما لقیا من الفراق نصیبا وسنی یومئذ ثنتان وعشرون سنۃ ، قال ابن جزی اخبرنی ابوعبداللہ بمدینۃ غرناطۃ ان مولدہ بطنجۃ فی یوم الاثنین السابع عشر من رجب الفرد سنۃ ثلاث وسبعماۃ "(113)

ترجمہ: 1

"شیخ ابو عبداللہ ابن بطوطہ کہتے ہیں: طنجہ سے کہ میرا زاد بوم اور وطن ہے، جمعرات کے روز دو ماہ رجب 725ھ میں حج بیت اللہ الحرام اور زیارت قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصلاۃ والسلام کے ارادہ سے نکلا نہ کوئی رفیق سفر تھا

نہ مونس اور دم ساز یہ کٹھن گھڑی تھی لیکن میں نے زن و مرد اور احباب کی جدائی اس شوق سفر کے باعث گوارا کرلی، میں اپنے وطن سے نکلا تو میرے والدین بقید حیات تھے لیکن میں نے ان کی جدائی بھی گوارا کرلی، آمادہء سفر ہوتے وقت میری عمر 22 سال تھی، ابن جزی کا قول ہے کہ مجھے ابو عبداللہ ابن بطوطہ نے غرناطہ میں بتایا کہ ان کا مولد طنجہ تھا وہیں 17 رجب المرجب 703ھ میں دوشنبہ کے دن ان کی ولادت ہوئی۔۔۔"(114)

ترجمہ:2

"فرماتے ہیں: جمعرات کا دن دوسری رجب 525ھ مطابق 5،1324ء میں نے اپنے وطن مالوف اور مولد شہر طنجہ سے برائے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ نبی اطہر صلعم کے تن تنہا اور بلا ہمدم سفر کے روانہ ہوا۔ زن و مرد اور احباب کی جدائی گوارہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فریضہ دینی اور زیارت امکنہ متبرکہ کی بیحد آرزو دماغ میں موجزن تھی جس طرح پرندہ اپنے مالوف آشیانہ کو چھوڑتا ہے آخر میں بھی خدا حافظ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔ والدین اس وقت بقید حیات تھے ان کو بھی میری جدائی کا بیحد صدمہ اور قلق ہوا اس وقت میری عمر 22 سال تھی ابن جزی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن بطوطہ نے شہر غزنا میں فرمایا تھا، میری ولادت سترہویں رجب دوشنبہ کے دن 703ھ میں ہوئی تھی۔(115)

دو مختلف مترجم کے ترجمے آپ کے سامنے ہیں، زمانہ کے اعتبار سے مولانا عطاء الرحمن صاحب کا ترجمہ مقدم ہے اس لیے اس میں پرانی اردو کا استعمال بھی ہے، یہ ترجمہ عربی متن کے بہت قریب ہے، اور طبع زاد کتاب بنانے کی کوشش بھی ہے اور رئیس احمد جعفری کا ترجمہ بہت بعد کا ہے اس لیے اس میں جدید اردو تعبیرات دکھائی دیتی ہیں اس ترجمے میں اختصار کے ساتھ جامعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن بطوطہ کے سفر نامے کی دونوں جلدوں کا ترجمہ تقریبا 684 صفحات کا احاطہ کرتا ہے جب کہ رحمانی پریس دہلی سے شائع ہونے والا ترجمہ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، مولانا عطاء الرحمن صاحب نے مذکورہ ترجمے میں ہجری سن کے ساتھ عیسوی سن اپنی طرف سے بڑھایا ہے یہ چیز رئیس احمد جعفری صاحب کے ترجمے میں مفقود ہے بہر حال دونوں ترجمے مختلف حیثیتوں اور نوعیتوں کے اعتبار سے معیاری اور عمدہ ہیں اور علمی دنیا میں بحیثیت تاریخ ایک خوشگوار اضافہ ہے یقینا اردو داں طبقہ ان ترجموں سے اپنی علمی پیاس بجھائے گا اور ان ترجموں کو بنیاد بنا کر اہل علم اردو میں مزید عربی سفر ناموں کو منتقل کریں گے۔

پیرزادہ کے ترجمے کا اقتباس اور تبصرہ: پیرزادہ مولانا محمد حسین صاحب نے چوں کہ صرف دوسری جلد کا ترجمہ کیا ہے اس لیے اس ترجمے کا اقتباس مع متن درج کیا جاتا ہے تا کہ رئیس احمد جعفری کے ترجمے سے تقابل کیا جا سکے:

متن:

"و بينها وبين ملتان مسيره عشره ايام وبين بلاد السند وحضرة السلطان مدينة دهلى مسيرة خمسين يوما و اذا كتب المخبرون الى السلطان من بلاد السند يصل الكتاب اليه فى خمسة ايام بسبب البريد والبريد ببلاد الهند صنفان فاما بريد الخيل فيسمونه "الولاق "بضم الواو وآخره قاف "وهو خيل تكون للسلطان فى كل مسافة اربعة اميال و اما بريد الرجالة فيكون فى مسافة الميل الواحد منه ثلاث رتب و يسمونها الداوة "بالدال المهمل والواو "والداوة هى ثلث ميل ، والميل عندهم يسمى الكروة " بضم الكاف والراء "وترتيب ذالك ان يكون فى كل ثلث ميل قرية معمورة ويكون بخارجها ثلاث قباب يقعد فيها الرجال مستعدين للحركة قد شدوا اوساطهم و عند كل واحد منهم مقرعة مقدار ذراعين باعلاها جلاجل نحاس فاذا خرج البريد من المدينة اخذ الكتاب باعلىٰ يده والمقرعة ذات الجلاجل باليد الاخرى وخرج يشتد بمنتهى جهده"(116)

ترجمہ:

"فصل(2) ڈاک انتظام:

سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دار الخلافہ دہلی تک پچاس دن کا جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے ہیں وہ اس کے پاس ڈاک کے ذریعہ سے پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے ڈاک کو اس ملک میں برید(برید، عربی میں قاصد اور 12 میل کے فاصلہ کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں ڈاک چوکی کو۔ ترکی میں الاغ اور فارسی میں چپار کہتے ہیں۔حاشیہ) ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک گھوڑے کی دوسری پیادوں کی۔گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں۔ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا ہے۔یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے رہتے ہیں۔پیدلوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ کہتے ہیں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں اس چوکی کو وہ داوہ کہتے ہیں(داوہ،بداؤنی نے اس لفظ دہاوہ لکھا ہے اب بھی محاورے میں دہاوے پر چڑھنا اور دہاو کرنا بولتے ہیں۔حاشیہ) ہر ایک تہائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے گاؤں کے باہر ہرکاروں کے لیے برجیاں بنی ہوتی ہیں ہر ایک برجی میں ہرکارے کمر کسے بیٹھے رہتے ہیں۔ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں

جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ لفافہ رکھ لیتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی اور تمام طاقت خرچ کر کے دوڑتا ہے"(117)

دوسرا ترجمہ:

"منزل بہ منزل سبک سیر پیام رسانوں کا انتظام: سیوستان سے ملتان تک دس دن کا راستہ ہے اور ملتان سے دار الخلافہ دہلی تک پچاس دن کا پرچہ نویس بادشاہ کو خبر بھیجتے ہیں وہ ڈاک کے ذریعہ صرف پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے ڈاک کو اس ملک میں برید کہتے ہیں(جدید عربی میں ڈاک کے لیے "برید" ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔حاشیہ)ڈاک دو قسم کی ہوتی ہے ایک گھوڑے کی دوسرے پیادوں کی گھوڑے کی ڈاک کو اولاق کہتے ہیں۔ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلتا ہے، یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے موجود رہتے ہیں۔پیادوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ کہتے ہیں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتی ہیں اس چوکی کو وہ داوہ کہتے ہیں(دھاوہ محاورہ ہے، دھاوا کرنا۔دھاوا بولنا۔حاشیہ) تہائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں آباد ہوتا ہے گاوں کے باہر ہرکاروں کے لیے برجیاں بنی ہوئی ہیں ہر برجی میں ہرکارے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو وہ ایک ہاتھ پر ڈاک رکھ لیتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی اور پوری قوت سے دوڑتا ہے۔"(118)

اول الذکر ترجمہ انیسویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے اوائل کا ہے؛ لیکن اردو بہت صاف ستھری اور اچھی ہے، اردو ترجمے کو عربی متن سے بہت قرب اور مناسبت حاصل ہے بقول مترجم: عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں حتی الوسع کوئی لفظ نہیں چھوڑا گیا ہے تاہم تقدیم وتاخیر کی گئی ہے جو کامیاب ترجمے کے لیے ضروری امر ہے اور رئیس احمد جعفری کا ترجمہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جعفری صاحب نے ادنی تبدیلی کے ساتھ اول الذکر ترجمہ کی تقلید کی ہے نیز جعفری صاحب نے اپنے دور کی اردو پر خصوصی توجہ دی ہے، مولانا حسین صاحب نے اپنے ترجمے میں ابواب اور فصل کے تحت ترجمہ کو تقسیم کیا ہے جبکہ رئیس احمد جعفری نے ابواب اور فصول قائم نہیں کیے ہیں اسی طرح دونوں نے حواشی کا اہتمام کیا ہے مولانا حسین صاحب نے تفصیل کو پیش نظر رکھا ہے جب کہ رئیس احمد جعفری صاحب نے اختصار مد نظر رکھا ہے دونوں کے ترجمے میں دو حواشی درج کیے گئے ہیں ان سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، اسی طرح دونوں کے عناوین میں تعبیرات کا فرق پورے ترجمے میں نمایاں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جعفری

صاحب نے اول الذکر ترجمے کی تقلید محض بھی نہیں کی ہے مثلاً ترجمے کے شروع میں جو عنوان ہے اس سے اس دعوے کی تائید ہو جاتی ہے۔ بہر حال دونوں ترجموں سے ابن بطوطہ کے سفر نامے سے بہ آسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے، تاہم اول الذکر ترجمے کو تقدم زمانی ہونے کی وجہ سے ایک گونہ فوقیت وفضیلت حاصل ہے۔ سارے ترجموں کے شروع میں مترجمین نے تفصیلی فہرست اردو میں شامل کی ہے جس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔

بعض لوگوں نے اس سفر نامے کا خلاصہ اردو زبان میں پیش کیا ہے، اردو میں ایسا ایک ترجمہ " خلاصہ تحفۃ النظار" کے نام سے جامعہ عثمانیہ کے سابق پرنسپل مولوی عبد الرحمن خان نے 1948ء میں کیا تھا، یہ ترجمہ مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی سے شائع ہوا تھا اس خلاصے میں مترجم نے بعض نقشے بھی شامل کیے ہیں، مترجم وملخص نے حواشی نہیں لکھے ہیں اور ابن بطوطہ کے بعض بیانات کو غلط بھی ثابت کیا ہے۔

27۔آزادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ

یہ اردو ترجمہ "کفاح المسلمن فی تحریر الہند" نامی عربی کتاب کا ہے۔اس کے مصنف پروفیسر عبدالمنعم النمر ہیں جو مصر کے سابق وزیر اوقاف تھے،اللہ نے انہیں تاریخ دانی اور تاریخ نویسی کا اچھا ذوق اور ملکہ عطا فرمایا تھا،جب ان کے دل میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ اور آزادی کے متعلق مسلمانوں کے رول اور کنٹریبوشن کو جاننے کا داعیہ پیدا ہوا تو موصوف اس غرض سے 1956ء میں ہندوستان تشریف لائے اور دو سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرما کر مہمان استاد کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ پورے ملک کا سفر کرکے یہاں کے حالات وواقعات کو جاننے اور جائزہ لینے کی بھرپور کوشش کی،ان حالات وواقعات کو"کفاح المسلمین فی تحریر الہند" کے نام سے قلمبند فرمایا۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہندوستان کے بارے میں فاضل مصنف کی یہ دوسری کتاب ہے،ان کی پہلی کتاب کا نام " تاریخ الاسلام فی الہند (ہندوستان میں اسلام کی تاریخ)"ہے جس میں انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساڑھے آٹھ سو سالہ دور حکومت یعنی محمد بن قاسم کی فتح سے لے کر 1857ء میں بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی تک کا جائزہ لیا ہے۔اس کے بعد مصنف نے مذکورہ بالا کتاب میں 1857ء سے 1958ء تک کے تاریخی واقعات کو بے لاگ تجزیہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان دونوں کتابوں کو عرب وعجم میں کافی سراہا گیا۔

ہندوستان کی آزادی پر غیر ملکی مصنف کے ذریعہ لکھی گئی عربی زبان کی اس کتاب کو اردو قالب میں ڈھالنے والے کا نام "مولانا محمد علاء الدین ندوی فاضل دیوبند"ہے،اور اس کی تصحیح وتہذیب کے فرائض محمد شفاء الدین ندوی اور محمد وقار الدین لطیفی نے انجام دیا ہے۔

اگرچہ یہ ترجمہ پہلی بار 2012ء میں منظر عام پر آیا لیکن مترجم نے یہ ترجمہ اگست 1969ء میں ہی مکمل کردیا تھا۔اس بارے میں مترجم کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

"کچھ ہی دنوں پہلے استاذ محترم جناب ڈاکٹر عبدالمنعم النمر (رحمہ اللہ) کی نئی تصنیف " کفاح المسلمین فی تحریر الہند "کتب خانہ رحمانیہ میں آئی تھی۔اس بزم یاراں میں یہی کتاب موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔آخر میں قاضی صاحب نے مجھ سے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی فرمائش کی۔پہلے تو میں نے اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرتے ہوئے

معذرت کی۔ مگر وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور ہر روز وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ تقاضا و اصرار کرتے رہے۔ ان کی سنجیدگی، خلوص اور مسلسل اصرار نے مجھے ترجمہ کی ابتداء کرنے پر مجبور کر ہی دیا اور اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ اور وہ بھی اپنی مشغولیتوں کے باوجود روزانہ ترجمہ پر نظر ڈالتے اور اس کا جائزہ لیتے رہے۔ اس سے پہلے مجھے اس طرح کے کام کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اور نہ اس راہ میں پیش آنے والی دشواریوں کا علم۔ لیکن جب کام شروع ہو کر آگے بڑھا تو کتاب کی خوبیوں نے مزید دلچسپی پیدا کر دی۔ دشواریوں پر بھی قابو پانے میں اللہ کا فضل اور احباب کا تعاون حاصل رہا اور توقع کے بالکل برعکس چند مہینوں یعنی اگست 1969ء میں ترجمہ مکمل ہو گیا۔"(119)

مترجم کی بڑی تمنا تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں زیور طبع سے آراستہ ہو جاتی مگر یہ ان کی زندگی میں مقدر نہ تھا بالآخر محمد صباح الدین قاسمی، سرپرست "مجلس گیارہ ستارے انڈیا" نے اس کتاب کو شائع کر کے تاریخ ادب میں ایک عظیم الشان شاہکار کا اضافہ کیا۔ عرض مترجم میں موصوف نے اس کی اشاعت کے سلسلہ میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

"اس ترجمہ کی اشاعت کے لئے جس حد تک ممکن ہو سکا میں نے کوششیں کیں، متعدد دروازے کھٹکھٹائے لیکن کامیابی مقدر میں نہ تھی اس لئے ہر جگہ اور ہر در سے خائب و خاسر ہی لوٹنا پڑا۔ ملک کے صاحب طرز ادیب اور ممتاز و معروف انشائیہ نگار جناب احمد جمال پاشا مرحوم نے مسودہ دیکھ کر پسند کیا اور اس کی طباعت و اشاعت کے لئے انہوں نے کوششیں بھی کیں لیکن کامیابی نہ ہو سکی، یہ بات 1979ء کی ہے۔"(120)

یہ ترجمہ 368 صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی شروعات عرض ناشر سے ہوتی ہے اس کے بعد متعدد قیمتی مضامین جیسے انگریز اور مسلمان۔ انقلاب کے بعد، روشنی اور مخالفت کے مرکز، تشکیل کانگریس، پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو، پہلا قدم۔ تقسیم بنگال، دوسرا قدم قیام مسلم لیگ، عدم تعاون یا سول نافرمانی۔ گاندھی جی اور مسلمانوں کا طرز عمل، تحریک کا نشانہ، نظریہ سول نافرمانی اور مسلمان، گاندھی جی اور مسلمانوں کے نزدیک تحریک کا مقصد، ہندوستان میں اتحاد کا سنہری دور، ہندو مسلم اختلافات، پاکستان کی پہلی آواز، دوسری جنگ عظیم کی ابتداء، کیا تقسیم ناگزیر تھی، دہلی کے فسادات اور گاندھی جی کا قتل، مختصر تاریخ کشمیر، اور خاتمہ۔ دو حکومتیں ہندوستان اور پاکستان وغیرہ شامل ہیں۔

ترجمہ نہایت ہی عمدہ ہے جس میں زبان و بیان اور سلاست و روانی کو برقرار رکھنے کے لئے مکمل طور پر کوشش کی گئی ہے، ترجمہ شروع کرتے وقت جو روانی پیدا کی گئی تھی، مترجم نے اسے آخر تک برقرار رکھا ہے نیز عربی عبارت کو پوری دیانت داری کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا ہے ان وجوہات کی وجہ سے اس ترجمہ پر طبع زاد کتاب کا رنگ غالب ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"ہندو مسلم اختلافات: ہندوستان میں تحریک عدم تعاون کا زمانہ در حقیقت جدوجہد آزادی کا سنہرا دور تھا، جس میں تمام لوگ متحد ہو گئے تھے اور ملک نے الفت، محبت اور تعاون کا ایسا دور دیکھا جیسا کہ اس کی تاریخ میں نہ کبھی آیا ہے اور نہ ہی شاید کبھی آئے، اس عہد میں ہر پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچتا نظر آتا۔اور انگریز ہر مقام پر پسپائی اختیار کرتے نظر آتے، لیکن اچانک سول نافرنی کی تحریک کو بند کرنے کا جو اقدام گاندھی جی نے کیا اس سے انگریزوں کو ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا، وہ اپنی غفلت سے چونک پڑے اور اپنے مشہور طریقہ کار "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کو برروئے کار لانا شروع کر دیا۔انہوں نے تیزی سے عوام میں اس حربہ کو استعمال کیا، تاکہ ملک میں پھر کوئی ایسا اتحاد پیدا نہ ہو سکے جو ہندوستان پر ان کے تسلط واقتدار کو خطرے میں ڈال دے۔"(121)

28۔ تاریخ الخلفاء

پیش نظر کتاب مشہور محدث، مفسر اور مؤرخ علامہ جلال الدین السیوطی کی تصنیف ہے جس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر دولت طبرستان تک کی ایک تاریخ مصنف نے بیان کر دی ہے، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات وواقعات کے ساتھ عباسی واموی خلفاء کے زمانے میں پیش آنے والے واقعات بھی اس کتاب میں موجود ہیں، مجموعی طور پر 892 قمری سالوں (11ھ سے 903ھ تک) خلفاء کے عہد خلافت پر ایک نایاب تصنیف ہے، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے 1881ء میں یہ کتاب انگریزی میں ''History of the caliphs'' کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئی، اردو میں اس کے متعدد ترجمے دستیاب ہیں، اس کا ایک ترجمہ مولانا حکیم محمد شبیر احمد انصاری حنفی نے کیا ہے، اس کی طباعت مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور سے پہلی بار اگرچہ 2008ء میں ہوئی ہے لیکن اس ترجمہ کی اشاعت 1987ء میں اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی سے ہو چکی تھی اسی وجہ سے اس ترجمہ کا تذکرہ جامعہ نظامیہ کی لائبریری کی فہرست میں بھی ملتا ہے اسی ترجمہ کو بہتر اور دیدہ زیب بنا کر اس کی دوبارہ اشاعت پاکستان سے عمل میں آئی ہے، یہ ترجمہ 552 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس ترجمہ کی ابتداء میں بارہ صفحات پر عنوانات کی فہرست ہے اس کے بعد " حرف اولین " ہے جو مترجم کی جانب سے ہے پھر مصنف کا "دیباچہ کتاب" ہے

ترجمہ بہت عمدہ ہے اس میں کوئی کمی نظر نہیں آتی ہے سلاست وروانی بھی قابل تعریف ہے اس ترجمہ میں بطور خاص ایک نئی بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ دیگر اردو داں اہل قلم کی روش، اسلوب اور طرز سے ہٹ کر اللہ تبارک و تعالی کے اسم گرامی کو نہایت عزت واحترام سے لیا گیا ہے۔ عام طور پر اردو داں مصنفین، مؤلفین اور مترجمین اللہ تعالی کے اسم گرامی کو لکھنے کا یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ " اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے " ، " اللہ قرآن میں کہتا ہے "، اللہ کرتا ہے " وغیرہ وغیرہ لیکن اس کتاب کے مترجم نے اس روش کو چھوڑ کر یہ طریقہ اپنایا ہے کہ اللہ کے نام کو اس کے حق کے مطابق مکمل عزت سے لیا جائے چنانچہ مترجم مذکورہ کوٹ کئے گئے جملے اس طرح لکھتے ہیں کہ " اللہ تعالی ارشاد فرماتے

ہیں"، "اللہ تعالی کہتے ہیں" اللہ تعالی کرتے ہیں" وغیرہ۔ان باتوں کی طرف مترجم نے " حرف اولین " میں اشارہ کیا ہے۔بطور شہادت میں مترجم کے اقتباس کو پیش کرنا چاہتا ہوں:

"میں نے اس ترجمہ میں علاوہ اور باتوں کے ایک نئی بات کی ہے جو میرے ذوق کے بہت زیادہ مناسب ہے اور مجھ پر ہی کیا منحصر ہے ہر صاحب ذوق اور اہل دل اس کو پسند کرے گا تمام امت کا مسلک ہے کہ جس جگہ سردار دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آتا ہے تو نہایت شان و شوکت کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے، تعظیم کے ساتھ نام لیا جاتا ہے، مگر جس جگہ مالک حقیقی، معبود بر حق، قادر مطلق جل جلالہ و عم نوالہ کا نام نامی و اسم گرامی آتا ہے تو نہ وہ شان و شوکت نہ وہ القاب و آداب نہ تعظیم و تکریم بلکہ سب کچھ مفقود ہو جاتا ہے اور محض یہ الفاظ رہ جاتے ہیں " اللہ کہتا ہے"۔ "اللہ کرتا ہے"۔آہ یہ کتنی گستاخی، کتنی بے ادبی، کتنی بے حیائی ہے جسے ایک مؤمن کا دل کبھی گوارہ نہیں کر سکتا۔میں نے متقدمین کا یہ مسلک اور عوام کا یہ طریقہ بالکل ترک کر دیا ہے اور خداوند جل جلالہ کی شان والا میں اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کے موافق الفاظ استعمال کئے ہیں"(122)

جہاں بھی مترجم نے ترجمہ میں اپنی جانب سے کچھ اضافہ کیا ہے اسے بین القوسین میں لکھ دیا ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ عربی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ مترجم کی جانب سے وضاحت ہے۔جن جگہوں میں مترجم نے اپنی طرف سے وضاحت کی ہے وہ عام طور پر ضمیر کے مراجع کی تعیین ہے یا کسی لفظ کی تشریح ہے ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

متن:

"و اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ابن عمر: ان جهجاه الغفاری قام الی عثمان وهو علی المنبر یخطب ، فاخذ العصا من یده فکسرها علی رکبته فما حال الحول علی جهجاه حتی ارسل الله فی رجله الآکلة فمات عنها "(123)

ترجمہ:

"ابو نعیم دلائل میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ فرما رہے تھے کہ جہجاہ غفاری نے آپ کے دست مبارک سے آپ کی لاٹھی چھین کر اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ ڈالا۔ایک

> سال بھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مرض آکلہ بھیج دی۔(گوشت پوشت کو یہ مرض کھا جاتا ہے اور اس کو اردو میں گوشت خورہ(کینسر) کہتے ہیں۔۔مترجم)"(124)

ترجمہ عربی متن کے بہت قریب ہے، بامحاورہ اور سلیس ہے، اردو زبان کی رعایت کی گئی ہے، صحابہ کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، بین القوسین میں ضروری وضاحت بھی موجود ہے مثلاً لفظ "آکلہ" سے اردو جاننے والے ناواقف ہیں، مترجم نے اس کی تشریح کردی ہے جس کی وجہ سے ہر قاری اسے سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا ترجمہ:

تاریخ الخلفاء کا دوسرا ترجمہ 1976ء میں ادیب شہیر علامہ شمس بریلوی کے قلم سے وجود میں آیا ہے، لیکن پیش نظر ترجمہ اکتوبر 1997ء میں زاہد بشیر پرنٹر لاہور سے شائع ہوا ہے، یہ 849 صفحات پر مشتمل ہے، اس ترجمے کے بارے میں کتاب کے ناشر نے لکھا ہے:

> "عربی، فارسی کتب کا اردو میں ترجمہ کرنے والوں کی اگر فہرست مرتب کی جائے تو علامہ شمس الحسن شمس صدیقی بریلوی کا نام نمایاں ہی نظر آتا ہے موصوف کے تراجم کا اگر مطالعہ کیا جائے تو نہ تو کہیں محاوراتی غلطی نظر آتی ہے اور نہ ہی لغوی، گرامر کی غلطی کا تو ترجمہ میں ہونا محال ہے۔"(125)

ڈاکٹر مجید اللہ قادری ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ ارضیات جامعہ کراچی لکھتے ہیں:

> "اس عربی کتاب کا حضرت علامہ شمس بریلوی نے نہ صرف ترجمہ کیا ہے بلکہ ایک مدلل تاریخی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، اس ترجمہ اور مقدمہ کو حضرت شمس کے کمال ترجمہ اور فنی عروج کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی سنی رائٹر گلڈ نے حضرت کو انعام واکرام سے نوازا۔

تاریخ الخلفاء در حقیقت طبقات کے انداز میں لکھی گئی ہے اور ایسی کتاب کا ترجمہ عام قاری کی دلچسپی کا باعث نہیں ہوتا ہے کیوں کہ طبقات یا تاریخ کے موضوعات پر کتب خشک ادب میں شمار کی جاتی ہیں مگر حضرت شمس کے سلیس، شگفتہ ترجمہ نے عام قاری کے لیے دلچسپ بنا دیا ہے۔اس کتاب کے ترجمے میں زبان کی سلاست، طرز ادا کی لطافت کے ساتھ ہی ساتھ عربی متن کی روح اور ادبی حسن کو بھی حضرت نے قائم رکھا ہے، اس ترجمہ میں حضرت نے

ایک خوبی یہ بھی رکھی ہے کہ ترجمہ کو اپنے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کی بھرپور سعی کی ہے، آپ نے زبان، انداز بیان اور ترتیب ایسی دلچسپ رکھی ہے کہ پڑھنے والا یہ نہیں سمجھتا ہے کہ وہ کوئی صدیوں پرانا ادب پڑھ رہا ہے بلکہ وہ حضرت کی عبارت آرائی پڑھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ وہ دور حاضر کے ادب سے لطف اندوز ہو رہا ہے"(126)

اس ترجمہ کے شروع میں شمس بریلوی صاحب نے" سخن ہائے گفتنی" کے نام سے ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے جو بصیرت افروز اور محققانہ طرز کا ہے جس کے تحت عہد بنی امیہ اور بنی عباس کی علمی و فکری تاریخ کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے اور تاریخ عالم بلکہ تاریخ اسلام اور طبقات پر جو گراں بہا اور عظیم سرمایہ ہمارے اسلاف نے چھوڑا ہے اس کی مختصر تاریخ بھی لکھی گئی ہے اور اس ترجمہ کے ذریعہ موجودہ نسل کو اپنی تاریخ سے ذوق اور لگاؤ پیدا کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے، اس کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطی کے حالات زندگی اور علمی کارنامے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، مترجم ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پس ضروری ہے کہ ترجمہ ایسا ہونا چاہیے کہ ترجمہ محسوس نہ ہو لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مترجم، مصنف کے الفاظ کے معنی پیش کرنے سے اپنا دامن چھڑا لے، جی نہیں بلکہ مصنف کے الفاظ کو قاری کی زبان میں اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کو یہ محسوس ہو کہ مصنف نے جو کچھ کہا ہے وہ میری ہی زبان میں کہا ہے "(127)

علامہ سیوطی نے اپنی اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ سند کے ساتھ لکھا ہے اس لیے رواۃ کے نام مع ولدیت مذکور ہیں جو اصول حدیث کے نقطہ نظر سے ضروری ہے لیکن مترجم نے اول اور آخر راوی کے علاوہ سارے نام حذف کر دیئے ہیں، مترجم اس بارے میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ لیکن اگر ترجمہ میں ان تمام راویوں کو نام بنام بیان کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اردو کا زور بیان اور روانی ختم ہو جائے گی اور بندش میں ضعف کا پیدا ہو جانا یقینی ہے چوں کہ میں ترجمہ میں ان کمزوریوں کا روادار نہیں اس لیے میں نے ایسے مواقع پر تمام راویوں کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان طریق روایت کے اول اور آخر راوی کا ذکر کیا ہے تاکہ ترجمہ میں جھول اور ضعف تالیف پیدا نہ ہو۔۔۔۔"(128)

مقصد ترجمہ اور اپنی کوشش کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" مختصر یہ ہے کہ میں نے اس امر کی بھرپور کوشش کی ہے کہ اس سلسلے میں تمام مقتضیات کو پورا کروں اور " تاریخ الخلفاء" کا ترجمہ آپ کے لیے صرف ایک ہفت صد سالہ سالنامہ کی سیر نہ ہو بلکہ وہ آپ کی بصیرت افروزی، دلکشی اور دلچسپی کا ذریعہ بھی بن سکے کہ اس ترجمہ کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہی ہے۔"۔(129)

ترجمہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

متن:

"و فی المائة الثانية : فتنة المامون و حروبهمع اخيه حتى درست محاسن بغداد و باد اهلها ثم قتله اياه شر قتلة ثم امتحانه الناس بخلق القرآن،وهی اعظم الفتن فی هذه الامة و اولها بالنسبة الى الدعوة الى البدعة ولم يدع خليفة قبله الى شیء من البدع۔

وفی المائة الثالثة : خروج القرمطی ، وناهیک به ،ثم فتنة المقتدر لما خلع و بويع ابن المعتز و اعيد المقتدر ثانی يوم و ذبح القاضی و خلقا من العلماء ولم يقتل قاض قبله فی ملة الاسلام ثم فتنة تفرق الكلمة و تغلب المتغلبين على البلاد ، و استمر ذلک الى الآن ومن جملة ذالک ابتداء الدولة العبيدية و ناهیک بهم افسادا و كفرا وقتلا للعلماء والصلحاء۔"(130)

ترجمہ:

"دوسری صدی ہجری میں امیر المسلمین مامون الرشید کا فتنہ اٹھا وہ اپنے بھائی ابن الرشید سے لڑا، بغداد کا حسن تباہ ہو گیا، لاکھوں اہل بغداد تباہ ہوئے ابن الرشید قتل ہوا پھر اس نے لوگوں کو خلق قرآن میں آزمایا یہ اس امت میں سب سے بڑا فتنہ اور بدعت کے اعتبار سے پہلی بدعت تھی اس سے قبل کسی امیر المسلمین نے مسلمانوں کو بدعت کی طرف نہیں بلایا تھا۔

تیسری صدی ہجری میں قرامطہ کا ظہور ہوا اس کے بعد مقتدر کا فتنہ پیدا ہوا جب کہ اس کو تخت سے معزول کیا گیا اور جب ابن معتز سے بیعت لی گئی اس کے بعد مقتدر ثانی تخت نشین ہوا قاضی کو ذبح کیا گیا، اکثر علماء قتل کیے گئے اس سے قبل اسلام میں کسی قاضی کا قتل نہیں ہوا تھا اس کے بعد تفریق کلمہ کا فتنہ اور متغلبین کا غلبہ جو شہروں پر میرے زمانہ تک جاری وساری رہا اس کے ساتھ ہی دولت عبیدیہ علویہ کا قائم ہونا میں صرف اتنے ہی اشارے پر اکتفا کرتا ہوں کہ لوگوں نے فساد برپا کیا، کفر پھیلایا، علماء اور صالحین کو قتل کیا"۔(131)

شمس بریلوی صاحب کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے، اس ترجمہ کے تعلق سے پیچھے جو تفصیل آئی ہے میرے خیال میں یہ ترجمہ اس پر سو فیصد فٹ نہیں بیٹھتا ہاں ساٹھ سے ستر فیصد اس کے مطابق ہے، ترجمہ میں جملے ایک دوسرے سے بہت مربوط نہیں ہیں، جملوں میں ربط کے لیے جن الفاظ ربط کی ضرورت پڑتی ہے ترجمہ میں اس کا فقدان ہے ہاں عربی متن کا خوبصورتی کے ساتھ احاطہ کر لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر اغلاط اور ابہام بھی ہے جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

تیسرا ترجمہ:

تاریخ الخلفاء کا تیسرا ترجمہ شبیر برادرز لاہور پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ پیش نظر ترجمہ مولانا مبشر چشتی سیالوی کی شب و روز کی محنت کا ثمرہ ہے، جو جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان کے قابل علماء میں شمار ہوتے ہیں، موصوف کا یہ ترجمہ اکیسویں صدی کے اوائل میں شائع ہوا ہے، میں نے ضمنا اور بغرض تقابل اسے بیسویں صدی کے تراجم میں جگہ دی ہے۔ اس لیے اس ترجمہ کا ایک اقتباس درج کر کے تبصرہ مناسب معلوم ہوتا ہے 696 صفحہ کا یہ ترجمہ 2002ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس سے پہلے شمس بریلوی کے ترجمہ کا جو اقتباس لکھا گیا ہے وہاں اس کا متن لکھا گیا ہے، یہاں اسی متن کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

"دوسری صدی کے شروع میں مامون اور اس کے بھائی مابین جنگ ہوئی جس سے بغداد کی تمام خوبیاں خاک میں مل گئیں وہاں کے لوگوں پر مصیبتیں نازل ہوئی اور خلق قرآن کے بارے میں لوگوں کا امتحان ہوا، اس امت کے فتنوں سے یہ سب سے بڑا فتنہ تھا اس سے پہلے کسی خلیفہ نے لوگوں کو بدعت کی طرف نہیں بلایا۔

تیسری صدی کے شروع میں فرقہ قرمطیہ کا ظہور ہوا اور بعد ازاں مقتدر کا فتنہ جبکہ اسے معزول کر کے ابن معتز سے بیعت کر لی گئی اور دوسرے روز پھر مقتدر کو تخت پر بٹھایا گی، بہت سے قاضی اور علماء ذبح کیے گئے، اس سے پہلے اسلام میں کوئی قاضی نہیں قتل کیا گیا پھر فتنہ تفرق حکمیہ (یعنی نا اتفاقی) کے باعث ہوا۔ غیر قومیں ملک پر آ قابض ہوئیں جو ہمارے اس زمانہ تک رہا۔ اسی زمانے میں دولت عبیدیہ کا فتنہ برپا ہوا جنہوں نے ہزار ہا علماء و صلحاء کو تہہ تیغ کیا۔"(132)

مذکورہ ترجمہ سہل، عمدہ اور شگفتہ ہے سلاست و روانی بھی ہے اور عربی عبارت میں موجود مضمون کا احاطہ بھی ہے، شمس بریلوی صاحب مرحوم نے ایک جگہ " اس کے بعد مقتدر ثانی تختہ نشین ہوا" یہ " واعید المقتدر ثانی یوم" کا ترجمہ کیا ہے۔ مولانا چشتی صاحب نے اسی عبارت کا ترجمہ کیا ہے "اور دوسرے روز پھر مقتدر کو تخت پر بٹھایا گیا" میرے خیال میں شمس بریلوی صاحب کا ترجمہ غلط ہے اور چشتی صاحب نے درست ترجمہ کیا ہے جیسا کہ علم عربیت کا ذوق رکھنے والے اس کی شہادت دیں گے، اسی طرح" وتغلب المتغلبین" کا ترجمہ شمس بریلوی صاحب نے " اور متغلبین کا غلبہ " کیا ہے جبکہ چشتی صاحب نے" غیر قومیں ملک پر آ قابض ہوئیں" کیا ہے تقابل سے ظاہر ہوتا ہے اول الذکر ترجمہ مبہم ہے جبکہ ثانی الذکر بالکل واضح اور فہم سے قریب تر ہے یہ چند مثالیں ہیں ورنہ دونوں ترجموں میں کافی فرق ہے، صحیح اور غلط کا فرق بھی ہے، ابہام و وضاحت کا فرق بھی ہے، اس لیے چشتی صاحب کا ترجمہ میرے نزدیک شمس بریلوی صاحب کے ترجمے سے بہتر اور قابل اعتبار ہے، نیز اردو کی حلاوت اور چاشنی کے اعتبار سے بھی چشتی صاحب کا ترجمہ قابل ترجیح ہے، رہ گئی یہ بات کہ کہ شمس بریلوی کے ترجمے کے سلسلے میں لوگوں نے تحسینی کلمات ارشاد فرمائے ہیں، میرے خیال میں ایسا عقیدت کی بنیاد پر ہے یا پھر نامکمل ترجمہ پڑھنے کے بعد تاثر قائم کیا گیا ہے۔

چوتھا ترجمہ:

تاریخ الخلفاء کیمقبولیت اور جامعیت کی ایک دلیل اس کے اردو ترجمہ کی کثرت بھی ہے، نفیس اکیڈمی پاکستان نے جس اہتمام کے ساتھ علمی اور اہم ترین تاریخی کتابیں شائع کی ہیں اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس نے اس کی فہرست مطبوعات پر ایک نظر ڈالی ہو، اسی سلسلہ کی ایک کڑی امام سیوطی کی شہرہ آفاق اور معروف و متداول کتاب کا ترجمہ بھی ہے، نفیس اکیڈمی لاہور پاکستان کے تقاضے پر اقبال الدین احمد صاحب نے اس کتاب کو اردو کے زیور سے آراستہ کیا ہے، بقول محمد اقبال سلیم گاہندری:

> "اس سلسلے میں ضرورت محسوس کی گئی کہ امام سیوطی کی اسشہرہ آفاق اور معروف و متداول عربی کتاب کا سلیس اور عمدہ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا جائے تا کہ اہل علم حضرات اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں فاضل مترجم جناب اقبال

الدین احمد صاحب نے نہایت جانفشانی سے سلیس و نفیس ترجمہ کیااور اب ہماری دوسری کتابوں کی طرح اعلیٰ درجہ کتابت ، طباعت ، جلد سازی اور گردو پوش سے مزین ہو کر یہ بیش بہا کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔"(133)

477صفحات پر مشتمل یہ اردو ترجمہ پانچویں بار مئی 1983ء میں شائع ہوا ہے اور اردو زبان میں کیا جانے والا یہ پہلا ترجمہ ہے مترجم نے اپنے ترجمہ کے سلسلے میں کچھ وضاحت نہیں کی ہے تاہم ترجمہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان وبیان عمدہ ہے ، ترجمہ کو طبع زاد کتاب بنانے کے لیے اردو محاوروں کا استعمال کیا گیا ہے ، مترجم نے شروع ترجمہ میں مصنف کی بیان کردہ پوری سند لکھنے کا التزام کیا ہے لیکن کچھ صفحات کے بعد صرف اصل راوی اور اصل کتاب ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے ، صحابہ اور بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کہیں رضی اللہ عنہ کی علامت لکھی گئی ہے اور کہیں بالکل ترک کر دیا گیا ہے ، کہیں کہیں حواشی میں ضروری تشریح کا اہتمام بھی ہے میرے پیش نظر ترجمہ کی اردو کتابت باریک ہونے کے ساتھ دو سطروں کے درمیان اسپیس بہت کم ہے اگر اس کتاب کی جدید کمپیوٹر کتابت کی جائے اور رموز واشارات کا لحاظ کیا جائے تو ترجمہ کی ضخامت کافی بڑھ جائے گی۔ پیچھے تاریخ الخلفاء کی جو عربی عبارت ذکر کی گئی ہے اسی کا ترجمہ بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

ترجمہ:

"دوسری صدی ہجری میں مامون رشید نے فتنہ انگیزی ڈالی، اس نے اپنے بھائیوں سے جنگ کی اور بغداد کی خوبصورت عمارتوں کو ختم کر دیا وہاں کے باشندوں کو تباہ کیا پھر اپنے بھائی مامون کو بڑی بری طرح تہ تیغ کیا، پھر لوگوں کو اپنے عقیدہ کے موافق قرآن کریم کے مخلوق ہونے پر مجبور کیا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو نہیں مانا انہیں سخت سزائیں دیں اور امت اسلامیہ میں یہ سب سے بڑا فتنہ پیدا کیا گیا تھا اور اسی نے سب سے پہلے بدعتوں کو قائم کر کے رواج دیا، حالاں کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کوئی بدعت کا کام نہیں کیا تھا۔

تیسری صدی ہجری میں قرمطیوں نے حملے کیے اور اس پر طرہ یہ کہ پھر مقتدر نے فتنہ وفساد کا بازار گرم کیا جس کے نتیجے میں اسے معزول کر کے ابن معتز کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی، اس کے بعد مقتدر ثانی کو پھر خلیفہ بنایا گیا، اس

کے زمانہ حکومت میں قاضی وعلماء کا ایک دن خون بہایا گیا حالاں کہ اس سے پہلے اسلام میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا اس کے بعد الگ الگ کلمہ پڑھنے کا فتنہ رونما ہوا اور غاصبوں نے قبضہ شروع کیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔"(134)

ترجمہ میں یقیناً سلاست اور روانی ہے، ترجمہ سے زیادہ ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے تاہم مترجم موصوف نے " واعید المقتدر ثانی یوم" کے ترجمے میں غلطی کی ہے کیوں کہ اس کا ترجمہ " دوسرے روز پھر مقتدر کو تخت پر بٹھایا گیا" ہے؛ لیکن مترجم موصوف نے " مقتدر ثانی کو پھر خلیفہ بنایا" سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اقبال الدین صاحب نے " ثانی یوم" میں " یوم" کو اگلے ٹکڑے سے جوڑ کر ترجمہ کیا ہے یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ تاہم مجموعی طور پر اچھی اردو اور اچھے محاوروں کا استعمال ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس ترجمہ کو اولیت کا مقام حاصل ہے اور الفضل للمتقدم کی سند بھی۔

29۔ اخبار مجموعہ

اسلامی اندلس کے ابتدائی دور کی تاریخ پر ایک مختصر عربی دستاویز ہے جو فتح اندلس کے ابتدائی دور کے حال سے ہمیں باخبر کرتی ہے، اس کتاب کا پورا نام " اخبار المجموعہ فی فتح الاندلس و ذکر امرائھا رحمھم اللہ والحروب الواقعۃ بھا بینھم "ہے اس کتاب میں ہمیں اندلس کی طرف پیش قدمی کے اسباب کے بارے میں تفصیلی آگاہی ملتی ہے یہ چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی ایک اہم کتاب ہے، لیکن مخطوطہ کا صفحہ اول غائب تھا اس لیے اس کے حقیقی مصنف کا ہمیں علم نہیں ہے، مشہور عربی داں مؤرخ ابراہیم الابیاری نے بیسویں صدی کے اوائل میں اسپینی نسخے کو عربی میں ترجمہ کیا جو دستیاب ہے، یہ عربی ترجمہ 1867ء میں شہر مجریط میں طبع ہوا، جس مطبع میں چھپا اس کا نام ربدنیر ہے، عربی ترجمہ کے ساتھ اسپینیش ترجمہ بھی شائع ہوا ہے جو دو سو پینسٹھ صفحات میں ہے اس ترجمہ میں دیباچہ، مقدمہ، حواشی اور انڈکس وغیرہ بھی ہے، مولانا محمد زکریا مائل بھوپالی نے 1927ء میں اسے عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ماہوار رسالہ جامعہ میں 1931ء میں قسط وار شائع ہوا، 1942ء میں اسے کتابی صورت میں بعنوان" اخبار مجموعہ " انجمن ترقی ہند نے شائع کیا۔ ترجمہ شدہ کتاب کی افادیت بڑھانے کے لیے تاریخی جغرافیہ اندلس مؤلفہ مولانا عنایت اللہ صاحب سے والیان اندلس کی ایک فہرست اور اندلس کے دو نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں نیز اموی امراء و خلفائے اندلس کی ایک فہرست اور شجرہ نسب طبقات سلاطین اسلام سے اخذ کر کے ترجمہ میں درج کیا گیا ہے جس سے تاریخ اندلس کا مختصر مگر جامع تعارف ہو جاتا ہے ترجمے کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ مترجم بھی شامل ہے جو پر از معلومات ہے، ترجمہ کے بارے میں مترجم نے ایک جگہ لکھا ہے:

> "چوں کہ اس کتاب میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن میں بڑی حد تک اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس لیے تعلیقات میں ان کی ضروری توضیح کر دی گئی ہے۔"(135)

مقدمہ یعنی اصل ترجمہ کے ساتھ مترجم نے تعلیقات کا اضافہ بھی کیا ہے، ترجمہ کل 216 صفحات کا ہے اور تعلیقات 72 صفحات میں ہے، تعلیقات میں رجال، امکنہ و مقامات کا جامع تعارف پیش کیا گیا ہے، ترجمہ اچھا اور عمدہ ہے، ترجمہ میں روانی اور روزمرہ استعمال ہونے والے اردو کے الفاظ اور محاورے موجود ہیں ایک اقتباس پڑھئے:

متن:

"روی انہ لما اشتغل الناس بالفتن و اشتغل عبد الملک بن مروان بعبد اللہ بن الزبیر وبالازارقۃ وابن الاشعث وغیرھم ۔اشتد امر الروم والاکراد وبقایا فارس فارتجعوا بلدانا کثیرۃ نفوا اھل الشام عنھا فجاھد عبد الملک لما خلا ذرعہ فاخرجھم عن بعضھا وبقی الاکثر فبعث الولید رحمہ اللہ البعوث فارتجع مداین الروم واقحم علیھم فی غیرھا ثم ارتجع مداین خراسان واقحم علیھم حتی استقصی البلاد ولم یبق من سلطان الفرس الاالاکراد لامتناع حالھم وکان اھم ثغورہ الیہ ثغر افریقیۃ و قد کان عقبۃ بن نافع الحارثی حارث فھراختط قیروان افریقیۃ وبنی حصنھا وھو عامل لعبد اللہ بن سعد بن ابی سرح العامری عامر لوی فی زمان عثمان رحمہ اللہ ثم مضی فافتتح ماخلفھا حتی بلغ تونس وبلغ سیرۃ--(136)

ترجمہ:

"مروی ہے کہ جب لوگ مصائب و فتن میں مبتلا تھے اور عبدالملک بن مروان کی توجہ عبداللہ ابن زبیر، ابن الاشعث اور ازارقہ وغیرہ کی مدافعت پر مبذول تھی تو رومیوں، کردوں اور بچے کھچے ایرانیوں نے قوت پکڑلی اور بہت سے شہر جوان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے دوبارہ فتح کر لیے اور ایرانیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ مگر بیش تر شہروں پر قبضہ نہیں ملا، عبدالملک کے بعد ولید نے اپنے عہد میں اس مہم پر فوجیں روانہ کیں اور روم کے مفتوحہ شہر جو دشمنوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے دوبارہ فتح کر لیے بلکہ ان شہروں کے علاوہ دوسرے نئے مقامات پر بھی فوج کشی کی۔ پھر خراسان کے شہر بھی جو ہاتھ سے نکل گئے تھے دوبارہ تسخیر کیے بلکہ فتوحات کو اتنی وسعت دی کہ تمام ملک اس کے قبضے میں آگیا۔ کردوں کے علاقہ کے سوا جو نہایت دشوار گزار تھا ایران کا کوئی حصہ فتح ہونے سے باقی نہ رہا۔

افریقیہ کی سرحد دوسری سرحدوں کے مقابلے میں زیادہ اہم تھی اس علاقہ میں عقبہ بن نافع حارثی الفہری نے قیروان کی بناڈالی تھی اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ کے عہد میں عبداللہ ابن سعد ابی السرح عامری لوی کی طرف سے افریقہ کے عامل تھے۔ اس انتظام کے بعد عقبہ نے فتوحات کے لیے قدم بڑھائے جس طرف سے گذرے فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے یہاں تک کہ ٹیونس اور سیرہ تک پہنچ گئے۔"(137)

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہے تقابل سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، مترجم نے دقت نظری اور بڑی محنت کے ساتھ ترجمہ میں عربی کے تمام جملوں کو سمیٹ لیا ہے، پیش نظر ترجمہ ہاتھ کی کتابت سے آراستہ ہے، اگر اسے جدید تقاضوں اور کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شائع کیا جائے تو صفحات کی ضخامت کافی حد تک کم ہو جائے گی، چوں کہ عربی ترجمہ بہت پرانا اور قدیم ہے اس لیے اس کا یہ اردو ترجمہ صرف ایک ترجمہ نہیں ہے بلکہ اندلس کی قدیم اور معتبر تاریخ بھی ہے، یقینا یہ اردو داں طبقہ کے لیے ایک مفید ترجمہ ہے، چوں کہ ترجمہ میں استعمال ہونے والے اردو کے الفاظ روز مرہ اور دیگر اردو کتابوں میں استعمال ہونے والے عام فہم الفاظ ہیں اس لیے ترجمہ سے استفادہ بہت آسان ہے۔

ابھی حال ہی میں معظم جاوید بخاری کی تحقیق و تہذیب نو کے ساتھ یہ ترجمہ دیدہ زیب ٹائٹل و طباعت کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔

30۔ معجم البلدان

یہ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی (متوفی: 626ھ) کی تالیف ہے، اس کتاب کا موضوع شہروں، پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں، بستیوں، محلوں، علاقوں، دریاؤں، بتوں، مورتیوں، اور سمندروں تک کے نام اور ان کا تعارف بیان کرنا ہے گویا یہ اپنے دور کا عربی میں ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، عربی ایڈیشن دار صادر بیروت سے پانچ جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

معروف عالم دین، مصنف و مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی برق (متوفی: 1985ء)جنہوں نے مختلف موضوعات پر چالیس سے زائد کتابیں تحریر کی ہیں انہوں نے معجم البلدان کا اردو ترجمہ اور تلخیص کا کام انجام دیا ہے، مترجم نے لفظ بہ لفظ ترجمہ کے بجائے اس کی تلخیص کی ہے اور اسی تلخیص کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، دس ہزار دو سو شہروں اور بستیوں کا تعارف کرایا گیا ہے اور ایسے تمام مقامات چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کے متعلق یاقوت نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ یہ ایک موضع ہے اور یہ نہ بتایا کہ وہ کہاں تھا اسی طرح مترجم نے وہ مقامات بھی ترک کر دیے ہیں جن کی تشریح مبہم تھی، مترجم نے اپنی تلخیص کے آخر میں بلاد اندلس کا اایک ضمیمہ بھی لگایا ہے اس میں 265 شہروں کا ذکر ہے اور ہر شہر کے سامنے اس کا تبدیل شدہ موجودہ نام بھی درج ہے علاوہ ازیں اس ترجمے میں عرب، عرب قبائل، افغانستان، ایران، عراق، ترکی، شام، اردن و فلسطین، افریقہ اور اندلس جیسے ممالک کے نقشے بھی شامل ہیں، مترجم نے " حرف آخر" کے تحت لکھا ہے:

> "اردو ادب میں بلاد اسلامی پر یہ پہلی کتاب ہے اگر اسلامی تاریخ، عربی ادب اور جغرافیہ کے طلبہ اس اختصار کو مفید پائیں تو اس فقیر (مترجم) کو دعا سے یاد فرمائیں۔"(138)

یہ ترجمہ مترجم نے دو سال میں مکمل کیا ہے 1972ء میں اس کی تکمیل ہوئی، اس کے بعد علمی دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے، یہ ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سے شائع ہوا ہے، ترجمہ، نقشے اور ضمیمہ سمیت پوری کتاب 379 صفحات کی ہے، عربی ناموں پر اعراب لگانے سے کافی سہولت ہوگئی ہے، مترجم نے آغاز میں " حرف تعارف" کے نام سے ایک مفصل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو مفید معلومات سے پر ہے، ترجمہ تعارف و ترجمہ کا انداز یوں ہے:

"احمدی: سامرہ(نواح بغداد) میں شاہی محل نیز سنجار(موصل سے تین دن کی مسافت) کی ایک بستی

احمر: مکہ کے قریب ایک پہاڑ، شام میں ایک قلعہ اور اندلس میں ایک علاقہ

احواز: نواح بغداد میں نہروں کی طرف ایک موضع

احواض: بنو عبد شمس بن سعد بن زید بن تمیم کی منازل

احور: یمن میں ایک قبائلی بستی"(139)

31۔کتاب الخراج وصنعۃالکتابت

اس کتاب کا مؤلف ابوالفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ (متوفی: 948ھ) ہے جو نصارائے عرب میں سے تھا المکتفی باللہ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور دار السلام کے دیوان خراج میں ایک زمانہ تک اوسط درجہ کی خدمتوں پر رہنے کے بعد ابوالحسن علی بن محمد بن الفرات کی وزارت میں دیوان الزمام کا رئیس ہوا، مذکورہ کتاب قدامہ ابن جعفر کی تالیفات میں غالبا سب سے بڑی اور نہایت جامع و جزیل الفائدہ کتاب ہے اس میں سلطنت کے تمام دواوین کے اعمال و احوال، ان کے رسوم و آداب اور وہ تمام امور جن کی ایک کاتب کو ضرورت پیش آتی ہے اس میں تفصیل سے لکھے گئے ہیں، لیکن افسوس اس کتاب کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا اور اب اس کی آٹھ منزلوں اور ہر منزل کے متعدد ابواب میں سے ہم تک جو پہنچ سکا ہے وہ پانچویں منزل کا آخری حصہ اور چھٹی منزل کے سات ابواب میں سے دو کامل اور چار ناقص ابواب ہیں۔اصل عربی کتاب "الخراج وصناعۃالکتابۃ" کے نام بھی شائع ہو رہا ہے۔

اردو زبان میں اس عربی کتاب کا سب سے پہلا اور شاید آخری ترجمہ دارالترجمہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے 1930ء میں شائع ہوا، مشہور عالم دین اور معروف مترجم مولانا ابوالخیر مودودی (متوفی: 1979ء) نے اس کتاب کا صاف ستھرا ترجمہ کیا ہے، کتاب میں عربی ناموں پر اعراب لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے، مزید برآں حواشی میں مشکل اور غیر معروف اور نامانوس الفاظ کی تشریح اور ضروری وضاحت بھی موجود ہے، ترجمہ تحت اللفظ کیا گیا ہے، ترجمے کے جملے چھوٹے اور ہلکے ہیں، 138 صفحات کے اس ترجمے میں اسماء رجال و قبائل اور اسماء اماکن وامم کے دو اشاریے بھی شامل ہیں اور شروع ترجمہ میں مترجم نے فہرست مضامین کے ساتھ ایک معلوماتی اور مفید دیباچہ بھی لکھا ہے، ترجمہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

متن:

"فینبغی ان تکون الآن ناخذ فی ذکر ذالک و تعدیدہ باسماء المواضع و ذکر المنازل، وعدد الامیال، والفراسخ وغیرہ من وصف حال المنزل فی مائہ،وخشونتہ،وسھولتہ او عمارتہ او ماسوی ذالک من حالہ۔

ونبدا بالطريق المآخوذ فيہ من مدينۃ السلام ، الی مکۃ وھو المنسک الاعظم،وبیت اللہ الاقدم ، و ناخذ بعد البلوغ الیہ بذکر مابعدہ من الطریق الیٰ الیمن۔ ثم فی سائرالجھات المقاربۃ لہ و تسمیتہ ان شاء اللہ۔" (140)

ترجمہ:

"اب ہم مواضع اسماء برید، منازل،ان کے درمیان میلوں اور فرسخوں کی تعداد،ہر منزل کی کیفیت،اس کے پانی،اس کی خشونت وسہولت،اس کی آبادی اور ایسے ہی دوسرے امور کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی ابتداء اس شاہراہ سے کرتے ہیں جو مدینہ اسلام (بغداد) سے مکہ کو، جو منسک الاعظم وبیت اللہ الاقدم ہے، جاتی ہے،اس کے بعد ہم اس طریق (رستہ) کو ذکر کریں گے جو مکہ سے آگے الیمن جاتا ہے پھر دوسری سمتوں میں جانے والے رستوں کا ذکر کریں گے۔"(141)

32۔ فتوح الشام

یہ کتاب مشہور مؤرخ ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی المدینی (متوفی: 823ء) کی طرف منسوب ہے علامہ واقدی دوسری صدی ہجری کے معروف مؤرخین میں سے ہیں، آپ کی تصانیف کا ایک بڑا حصہ تاریخی نوعیت کا ہے، آپ کا تاریخی ذوق مکہ اور مدینہ منورہ کی ابتدائی اور اسلام کی ابتدائی تاریخ و زمانہ تابعین کی تاریخ پر حاوی ہے، ہر چند کہ آپ احادیث میں ضعیف ہیں لیکن تاریخ و سیر میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ آپ امام ہیں، فتوح الشام بھی آپ کی یادگار کتابوں میں سے ہے۔ تاریخ اسلام اور صحابہ کرام کے روشن اور شاندار تذکروں سے مزین ہے، علامہ واقدی نے اپنی اس کتاب میں ملک شام کے لیے صحابہ کی روانگی اور ان کے حالات و واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، یہ کتاب عہد صحابہ میں شام اور فارس کی فتوحات کی مکمل داستان اور تاریخ ہے۔

اس اہم کتاب کو اردو داں طبقہ کی خدمت میں متعدد اہل علم نے پیش کیا ہے 1282ھ میں غالبا سب سے پہلے مولانا سید عنایت حسین بن مولانا نوازش احمد سید نپوری مضافات لکھنوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو مطبع منشی نول کشور سے 1868ء مطابق 1285ھ میں شائع ہوا تھا جس کے متعدد نسخے پرانی لائبریریوں میں موجود ہیں، مولانا سید عنایت صاحب کا یہ ترجمہ نقش اول ہے اور لفظی ترجمہ کا مصداق ہے، آیات واحادیث کا ترجمہ حاشیہ میں لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے، انہوں نے بغرض اختصار ترجمہ میں صرف علامہ واقدی کا نام لکھا ہے دیگر رواۃ کے نام حذف کر دیے ہیں ۔ فتوح الشام کا یہ ترجمہ تین جلدوں میں ہے اور تینوں جلدیں یکجا شائع ہوئی ہیں اور 403 صفحات پر مشتمل ہیں، اس ترجمے میں عناوین نہیں ہیں اور نہ ہی فہرست موجود ہے جس کی وجہ سے دور حاضر میں استفادہ ذرا دشوار کن ہے۔

اس کتاب کا دوسرا ترجمہ مولانا شبیر احمد انصاری بھوکر ہیری ضلع مظفر نگر یوپی ہند کے قلم سے ہے، یہ ترجمہ 1346ھ مطابق 1927ء میں مکمل ہو گیا تھا یعنی یہ بیسویں صدی کا اردو ترجمہ ہے، یہ ترجمہ 545 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور مترجم نے ترجمہ کا نام " فیوض الاسلام " رکھا ہے لیکن سرورق " صحابہ کرام کے جنگی معرکے " چھپا ہوا ہے۔ مذکورہ ترجمہ بامحاورہ ہے، نئے زمانے کے علمی اور تصنیفی تقاضوں کے مطابق ہے۔ حواشی میں اسماء وامکنہ کی مختصر

تشریح بھی موجود ہے، فہرست اور عناوین مفصل کی وجہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے پیش نظر ترجمہ 2004ء میں المیزان ناشران وتاجران کتب لاہور سے شائع ہوا ہے۔

اس کتاب کا ایک تیسرا ترجمہ بھی میرے سامنے ہے جو 1429ھ مطابق 2008ء میں مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار لاہور سے شائع ہوا ہے، ہر چند کہ یہ ترجمہ اکیسویں صدی میں شائع ہوا ہے لیکن تکملہ و تتمہ کے طور پر اسے بھی شامل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، مولانا غلام نصیر الدین چشتی صاحب اس کے مترجم ہیں، مولانا کی تقریباً 14 کتابیں منظر عام پر آئی ہیں جن میں سے اکثر عربی کتب کے تراجم ہیں، مترجم کا یہ ترجمہ ضخیم دو جلدوں پر مشتمل ہے، جلد اول کے صفحات کی تعداد 448 ہے جبکہ جلد ثانی 432 صفحات پر مشتمل ہے، جلد اول کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے، ترجمہ اچھا ہے اور نئے تقاضوں پر کھرا اترتا ہے، اس ترجمہ کے ساتھ تخریج احادیث اور حوالوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے اور جہاں مترجم نے اپنی طرف سے ضروری وضاحت کی ہے اسے مترجم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فہرست اور عناوین مفصل ہیں جس کی وجہ سے عجلت پسند طبقہ بھی بہ سہولت استفادہ کر سکتا ہے۔ ترجمہ میں تفصیلی سند لکھنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

تبصرہ کے لیے تقابل کے طور پر ہر ترجمے سے کچھ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) "جب جناب رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم ناپائدار سے انتقال فرمایا اور امر خلافت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قرار پایا اور ابتدائے زمانہ خلافت صدیق میں مسیلمہ کذاب اور سجاح وغیرہ مدعیان نبوت مقتول اور مطرود ہوئے اور فتح یمامہ کی حاصل ہوئی اور بنو حنیفہ مار ڈالے گئے اور اہل عرب نے اطاعت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی قبول کی تب حضرت صدیق نے میل اور ارادہ اس امر کا کیا کہ لشکر مومنین کو بجانب ملک شام کے اور واسطے لڑائی اہل روم کے بھیجیں۔"(142)

(2) "جس وقت حضور؟ کی وفات شریف ہو چکی اور آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر مسند خلافت پر فائز ہو گئے نیز آپ کے زمانہ خلافت میں جبکہ مسیلمہ بن قیس کذاب مدعی نبوت اور سجاح والود بھی قتل ہو چکے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا، فتح یمامہ بھی ہو چکی بنو حنیفہ بھی مار ڈالے گئے، اہل عرب نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تو حضرت ابو بکر صدیق؟ خلیفہ اول نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ اور اہل شام سے قتال کا عزم کیا۔"(143)

(3)"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعوی کر رکھا تھا، کو کیفر کردار تک پہونچایا گیا، قبیلہ بنو حنیفہ سے جنگ ہوئی اور اس طرح اہل ارتداد کے ساتھ معرکہ ہوا جب ان فتنوں کا سد باب ہو چکا اور اہل عرب نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک طرف تو شام پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اور ساتھ ہی روم سے جنگ کرنے کا بھی عزم کر لیا۔"(144)

تراجم پر تبصرہ سے پہلے ہم اس کی اصل عبارت اور متن لکھنا ضروری سمجھتے ہیں:

متن:

لما توفی رسول اللہ صلی' علیہ وسلم وکان خلیفۃ بعدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ قتل فی خلافۃ مسیلمہ الکذاب الذی ادعی النبوۃ وقاتل بنی حنیفۃ و اھل الردۃ ۔ واطاعتہ العرب فعزم ان یبعث جیشہ الی الشام وصرف وجھہ لقتال الروم ۔"(145)

مذکورہ بالا تینوں ترجموں کو جب ہم اصل عبارت کی کسوٹی پر کستے ہیں تو اول الذکر ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی رعایت کے ساتھ ضروری حذف واضافے سے کام لیا گیا ہے اور اس دور کی اردو زبان کو پیش نظر رکھا گیا ہے، دوسرا ترجمہ جو بیسویں صدی کا ہے اس میں بھی ترجمہ کے ساتھ کچھ ضروری اضافے بھی ہیں اور اردو زبان میں اول الذکر ترجمے کے مقابلے میں تسہیل کی کوشش کی گئی ہے، جہاں تک تیسرے ترجمے کی بات ہے تو اس میں اردو زبان بھی اچھی ہے، بوقت ترجمہ اصل عبارت کی قید سے آزاد ہونے کی کوشش نہیں کی گئی ہے، پہلے ترجمے کو چھوڑ کر دونوں ترجموں میں بامحاورہ ترجمے کی رعایت موجود ہے جس کی وجہ سے طبع زاد کتاب کا رنگ غالب اور ترجمہ کا رنگ مغلوب ہے، علاوہ ازیں اول الذکر دونوں ترجموں میں ایک جگہ " حجاج" اور " سجاع والود" جیسے ناموں کا ذکر ہے اور تیسرے ترجمہ میں یہ نام مذکور نہیں ہیں۔ جب ہم اصل کتاب کی عبارت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل عبارت میں یہ نام مذکور نہیں ہیں اس معنی کر اول الذکر دونوں ترجموں میں یہ نام زائد ہیں اور تیسرا ترجمہ اصل عبارت کی ترجمانی کرتا ہے جو بالکل درست ہے۔

33۔ مغازی رسول اللہ علیہ وسلم

مغازی کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور تگ وتاز جہاد پر ہوتا ہے جس کا تعلق مدنی زندگی سے ہے، یہ مغازی بھی تاریخ کا حصہ ہیں؛ چنانچہ علامہ واقدی کی مشہور کتاب " کتاب المغازی" کے اردو ترجمے بنام " مغازی الصادقہ " کے اندر اس کے مترجم مولانا بشارت علی خان نے لکھا ہے کہ مغازی تاریخ کی کتاب ہے وہ لکھتے ہیں:

"امابعد پس بندہ ہیچمدان بشارت علی خان ابن علی مروان خان۔۔۔عرض کرتا ہے کہ مغازی سلطان حجازی صلی اللہ علیہ وآلہ مرویہ شیخ الاجل امام العدل محمد بن عمر والواقدی علیہ الرحمہ جو بہترین کتب تواریخ ہے۔"(146)

اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس کی ترتیب وتہذیب اور تالیف وتصنیف کا سلسلہ پہلی صدی ہجری یعنی عہد صحابہ ہی میں شروع ہو گیا تھا اور ان کے بعض شاگردوں یعنی تابعین نے اسے باضابطہ کتابی شکل دی، اس ضمن میں جو اولین کتاب معرض تصنیف میں آئی وہ زیر تبصرہ کتاب " مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ہے، یہ کتاب حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: 94ھ) کی طرف منسوب ہے جو مشہور صحابی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ہیں۔ یہ اہم تاریخی کتاب قلمی صورت میں محفوظ تھی، اسے ڈاکٹر مصطفی اعظمی (سابق استاذ حدیث جامعہ ریاض سعودی عرب) نے نہایت محنت سے مرتب کیا اور 1981ء کو اسے ریاض سے شائع کیا۔ فاضل مرتب نے اس کتاب پر ایک مبسوط علمی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو اردو ترجمہ کی مطبوعہ شکل میں اسی (80) صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں مستشرقین اور استشراق زدہ لوگ سیرت ومغازی کے جن جن مقامات کو ہدف اعتراض اور مورد تنقید ٹھہراتے ہیں لائق مرتب نے نہایت عمدہ تعبیر میں ان کا جواب دیا ہے۔

مغازی کے موضوع کی اس کتاب کا اردو ترجمہ پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا محمد سعید الرحمن علوی نے کیا ہے اس لیے اب اردو داں طبقہ بھی اس کے مندرجات سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ ترجمہ 285 صفحات پر محیط ہے، پیش نظر ترجمہ کی اشاعت سوم جون 2000ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے ہوئی ہے اس لیے قوی امکان ہے کہ یہ بیسویں صدی کا ترجمہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس ترجمے کے ساتھ چھ صفحات پر مشتمل ایک " تعارف " بھی ملحق ہے جو مشہور عالم دین اور مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی کے قلم سے ہے، اس تعارف کے اخیر میں 2

اگست 1987ء کی تاریخ درج ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ یہ ترجمہ 1987ء سے پہلے ہی وجود میں آچکا تھا۔ یہ ترجمہ علمی اور تحقیقی انداز کا ہے اردو زبان اور اردو تعبیر اچھی ہے، اردو محاورے بکثرت مستعمل ہیں جن سے کتاب پڑھنے میں مزہ آتا ہے، شروع ترجمہ میں مولانا اسحاق بھٹی نے ترجمہ کے تعلق سے لکھا ہے: ترجمہ رواں دواں اور عام فہم ہے۔(ص:10)

ترجمہ کا نمونہ بطور نمونہ درج ذیل ہے:

"غزواة ذات السويق :

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ مشرک شکست خوردہ واپس پہنچے، ان کے زعماء قتل ہو چکے تھے تو ابو سفیان نے نذر مانی کہ سر میں تیل نہ ڈالوں گا اور اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا جب تک بدلہ نہ چکالوں۔ جس طرح کی تیاری وہ چاہتا تھا وہ اس کے لیے ممکن نہ ہو سکی تو 30 سوار لے کر نکلا تا کہ اپنی قسم سے عہدہ برآ ہو سکے "بنت" نامی مقام پر پڑاؤ کیا وہاں سے " العریض " کی طرف نکلے تو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ آور ہو گئے حتی کہ آپ نے انہیں عاجز کر دیا اور وہ اپنا زادراہ تک چھوڑ کر بھاگ گئے اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام " غزوہ ابی سفیان ذات السویق " پڑ گیا(سویق ستو کو کہتے ہیں) یعنی ستو والا ابو سفیان، جو وہ زادراہ کے طور پر لے کر آئے تھے۔"(147)

34۔انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

یہ عالم اسلام کے نامور عالم دین ، قلم کار اور مؤرخ و مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی (متوفی: 1999ء) کی کتاب ہے جو انہوں نے اصلا " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " کے نام سے عربی زبان میں تحریر کیا تھا،اس کتاب میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح امت مسلمہ میں زوال وانحطاط کا آغاز ہوا اس کو دنیا کی قیادت وامامت سے ہاتھ دھونا پڑا اور کس طرح یہ قیادت مادہ پرست یورپ کی طرف منتقل ہوئی اس کے لیے انہوں نے عام انسانی تاریخ نیز اسلامی تاریخ کا جائزہ لیا ہے،اس کے ساتھ عیسائیت کا عروج وزوال،احیاء اسلام عالم عرب کی قیادت، مغرب کی ترقی اور اس کے اثرات، یونان اور روم کی جڑیں، مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات جیسے اہم عناوین پر سیر حاصل اور پر مغز گفتگو کی گئی ہے۔اردو ترجمہ سات ابواب پر منقسم ہے اور تقریبا چار سو صفحات پر محیط ہے، لکھنؤ سے اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، لطف کی بات ہے یہ ہے کہ اس اہم تاریخی عربی کتاب کا اردو ترجمہ اصلا مصنف کتاب کے قلم ہی سے ہے،اردو ترجمے کی ضرورت کے سلسلے میں وہ خود لکھتے ہیں:

> "45ء میں یہ خیال کرکے کہ اصل عربی کتاب کی اشاعت میں معلوم نہیں کتنی تاخیر ہو خود مصنف نے اس کو اردو میں منتقل کر دیا تھا یہ ترجمہ " مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" کے نام سے شائع بھی ہو گیا۔

آگے لکھتے ہیں:

> اس میں(پہلا ایڈیشن) ابتدائی دونوں باب " بعثت محمدی سے پہلے" اور" بعثت محمدی کے بعد" (جو 47ء کے بعد اضافہ کیے گئے اور متعدد اہم اضافے جو عربی اصل کی اشاعت کے وقت تک ہوتے رہے موجود نہیں تھے ،اب جبکہ کتاب کے مصر میں دو ایڈیشن نکل چکے ہیں اور تیسرے کی تیاری ہے اور کتاب اپنے مضامین اور اضافات کی بنا پر دو چند ہو چکی ہے ،اردو میں اس کی از سر نو اشاعت کا خیال پیدا ہوا،ان نئے ابواب اور اضافوں کے ترجمے کی فرصت مصنف کتاب کو ملنی بہت مشکل تھی اس لیے یہ خدمت اس نے اپنے عزیز رفیقوں کے سپرد کی، خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے بڑی خوبی سے یہ خدمت انجام دی،اس خدمت میں سب سے بڑا حصہ مولوی عبداللہ پھلواروی ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء اور ان کے بعد مولوی محمد رابع ندوی استاذ ادب دار لعلوم کا ہے کچھ مضامین اور حصے برادر

زادہ عزیز محمد حسنی سلمہ کے قلم سے ہیں۔۔۔۔اور اب اردو میں " انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر"
کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔"(148)

بیسویں صدی میں اس طرح کے تاریخی موضوع پر لکھی گئی کتاب کا یہ اردو ترجمہ ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے، کیوں کہ مترجم ہی مصنف ہے وہ اپنی کتاب کے نشیب و فراز، اور اس میں موجود مواد سے خوب واقف ہے، اسی لیے ترجمے میں مصنف کا احساس اور قوم و ملت کے حوالے سے درد بھی موجود ہے، ذیل میں مختصر عربی عبارت مع ترجمہ پیش ہے:

متن:

"كان القرن السادس والسابع (لميلاد المسيح) من احط ادوار التاريخ بلاخلاف ، فكانت الانسانية متدلية منحدرة منذقرون ، وماعلى وجه الارض قوة تمسک بيدها و تمنعها من التردى فقد زادتها الايام سرعة فى هبوطها وشدة فى اسفامها "(149)

ترجمہ:

"چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے، نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی۔"(150)

عربی و اردو سے واقفیت رکھنے والے بتائیں گے کہ عربی کتاب کے اس ترجمے میں ترجمہ نہ بالکل لفظی ہے اور نہ بالکل آزاد بلکہ عربی الفاظ کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسی ترجمانی کی گئی ہے کہ قاری کو پڑھنے میں اکتاہٹ نہیں ہوتی، اردو ادب کی چاشنی بھی موجود ہے اور جہاں عربی الفاظ پر ترجمہ میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے وہ بہت مناسب اور اردو محاورہ کی رعایت کے ساتھ ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو مصنف عربی کے ساتھ اردو کے ماہر نثر نگاروں میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور ان کے معاونین: ڈاکٹر عبداللہ عباس مرحوم اور مولانا سید رابع حسنی ندوی جیسے علم و فن کے ماہر شخصیات بھی کچھ کم نہیں ہیں ان کی معاونت نے ترجمے کی قدر و قیمت میں اضافہ ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان سے تعلق رکھنے والے تمام ہی اہل ذوق نے اس ترجمہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور اس موضوع پر کام کرنے والے اہل علم اس ترجمہ کے حوالے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

35۔انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی کتاب " قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ انقلاب الامم کے نام سے ہمارے سامنے ہے، جس میں ان نفسی اصول اور اخلاقی قوانین کی تشریح کی گئی ہے جن کے ساتھ اقوام عالم کی ترقی و تنزلی وابستہ ہے، سر تطور الامم، فرنچ زبان میں لکھی گئی کتاب کا عربی ترجمہ ہے، مشہور عالم دین، محقق و مؤرخ مولانا عبدالسلام نے انقلاب الامم کے نام سے اسے اردو میں منتقل کیا ہے، معارف پریس اعظم گڑھ نے اسے بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا ہے، یہ ترجمہ پانچ ابواب پر منقسم ہے اور ہر باب میں کچھ فصلیں بھی ہیں، قوموں کے افراد کے درمیان فرق مراتب، تاریخی قوموں کی پیدائش، موجودہ زمانے میں مذہب مساوات اور تاریخ کی روح، قوموں کی زندگی پر اصول تمدن کا اثر، نظام اخلاق کا انحطاط اور قوموں کا زوال: اس کتاب کے اہم مباحث ہیں، مولانا عبدالسلام ندوی نے اصل کتاب کے مصنف ڈاکٹر لیبان کا "سوانح مصنف" کے عنوان سے ایک جامع تعارف بھی لکھا ہے اس کے علاوہ مترجم نے " فلسفہ عروج وزوال اقوام اور اسلام و علمائے اسلام" کے نام سے ایک مبسوط اور مفید مقدمہ بھی اس کتاب میں شامل کیا ہے جس میں اس موضوع پر اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے خاصی عمدہ بحث کی ہے نیز لیبان کو جس فلسفہ تاریخ کی ایجاد کا شرف حاصل ہے اس کا ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ سے مقابلہ بھی کیا ہے چنانچہ اس مقدمہ کے اخیر میں مترجم نے لکھا ہے:

> "بہر حال لیبان کو جس فلسفہ تاریخ کی ایجاد کا شرف حاصل ہے وہ اگرچہ ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ سے مختلف ہے تاہم چوں کہ دونوں کا موضوع ایک ہے اس لیے جابجا دونوں کے مضامین میں اشتراک پایا جاتا ہے اور اس بنا پر ہم دبی زبان سے کہہ سکتے ہیں کہ لیبان کے نظریات سے اسلامی لٹریچر بالکل آشنا نہیں ہے۔"(151)

186 صفحات پر محیط اس اردو ترجمہ کی تیسری طباعت واشاعت 1945ء میں معارف پریس اعظم گڈھ یعنی دار المصنفین سے ہوئی ہے، مولانا عبدالسلام ندوی کی شخصیت علم و فن اور عربی و اردو زبان پر یکساں قدرت کے حوالہ سے معروف ہے، دار المصنفین کے اسٹیج سے آپ کی خدمات کا معترف ایک پورا جہاں ہے، اس لیے ان کے ترجمے پر زیادہ خامہ فرسائی مناسب نہیں ہے تاہم تقابل کے لیے عربی عبارت کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

متن:

"مذهب المساواة فی العصر الحاضر و روح التاریخ :

تبنی مدنیۃ کل امۃ علی بعض مبادیء اساسیۃ والی هذه المبادی ترجع نظامات تلک الامۃ و آدابها و فنونها ۔ وتحتاج المبادی فی تکونها الی زمن طویل کما انها لا تنتشر الا بعد زمن طویل "(152)

ترجمہ:

"ہر قوم کے تمدن کا واحد مدار چند اساسی اصول پر ہوتا ہے جو اس کے نظام حکومت، نظام اخلاق اور فنون لطیفہ کا سنگ بنیاد ہوتے ہیں اور جن کے عدم اور وجود دونوں کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے"۔(153)

عربی عبارت سامنے رکھ کر اردو ترجمہ دیکھا اور پڑھا جائے تو ترجمہ میں ایک چاشنی محسوس ہوتی ہے، ترجمہ بامحاورہ ہے، اردو کی روزمرہ استعمال ہونے والی تعبیر اور اردو محاورے کی رعایت بھی دکھائی دیتی ہے، کتاب کے موضوع کے اعتبار سے الفاظ بہت سادہ اور سہل بھی نہیں ہیں تاکہ موضوع کی حساسیت برقرار رہے اور پڑھے لکھے لوگوں کو سمجھ میں بھی آجائے، یہ رنگ پوری کتاب یعنی پورے ترجمے میں برقرار ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس موضوع کی کوئی مستقل کتاب ہے۔

36۔ سفر نامہ ابن جبیر

ابن جبیر (متوفی: 1217ء) اندلس سے تعلق رکھنے والے قرون وسطی کے مشہور جغرافیہ نگار اور سیاح تھے، محمد بن جبیر دنیا کے ان چند سیاحوں کی صف اول میں نظر اتے ہیں جنہوں نے اپنی سیاحت میں ایک دنیا کو شامل کر لیا ہے، یہ سفر نامہ کم و بیش آٹھ سو سال پہلے کا ہے، یہ سفر نامہ دراصل ان کا سفر نامہ حج ہے جو انہوں نے 578ھ میں شروع کیا اور صقلیہ، شام، مصر، فلسطین، عراق، لبنان اور حجاز مقدس کے مکمل احوال و آثار اور مشاہدات کو سمیٹتے ہوئے محرم 581ھ کو غرناطہ واپس پہنچنے پر مکمل کیا، اس سفر نامے میں دوسری صلیبی جنگوں کے زمانے کی مستند تاریخی دستاویز موجود ہے، ابن جبیر جہاں جہاں سے گذرے انہوں نے وہاں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے ساتھ لوگوں کے مذہبی عقائد و نظریات اور رسوم رواج تک تفصیل سے بیان کر دیے ہیں، ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اس سفر نامے کے حوالے متعدد مقامات پر دیئے ہیں۔

یہ سفر نامہ فصیح عربی زبان میں ہے، تقریباً تمام ترقی یافتہ زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، حافظ احمد علی خان شوق رامپوری نے حافظ حکیم محمد اجمل خان صاحب بہادر دہلوی کی فرمائش پر اس سفر نامے کا اردو ترجمہ کیا، تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ مؤرخین عرب آج سے سات سو برس پہلے واقعات کو اسی طرح لکھتے تھے جس طرح کہ اس انیسویں صدی میں تربیت یافتہ قومیں لکھتی ہیں، مذکورہ ترجمے سے پہلے ابن جبیر کے سفر نامے کا کوئی اردو ترجمہ موجود نہیں تھا، مترجم نے ایک جگہ لکھا ہے:

> "غرضیکہ یہ وہ سفر نامہ ہے جس کی نسبت ہندوستان اور دیگر ممالک اسلامیہ میں ایک عرصہ سے کوئی واقفیت نہ تھی البتہ یورپ کے ذی علم مدت سے واقف تھے اب وہ سفر نامہ پبلک کے سامنے اردو لباس میں موجود ہے۔"(154)

337 صفحات پر محیط یہ ترجمہ سعید مطبع احمدی ریاست رامپور کوچہ لنگر خانہ سے شائع ہوا تھا، ترجمے کے شروع میں " مترجم کی التماس" اور " سوانح عمری محمد ابن جبیر" کے عنوان سے مفید بحث کی گئی ہے۔ حافظ احمد علی خان بہترین عالم، فاضل اور ادیب تھے ان کا یہ ترجمہ عمدہ اور معیاری ہے اور بہت محنت اور متعدد اہل علم سے رجوع ہو

کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے اسلیے اپنے دور کی زبان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، ترجمہ کے شروع میں محمد ابن جبیر صاحب سفر نامہ کی سوانح عمری بھی درج ہے، تفصیلی فہرست بھی ترجمہ کے ساتھ شامل ہے اس لیے استفادہ اور تلاش میں آسانی ہو جاتی ہے، جگہ جگہ حواشی اور ضروری وضاحت کا اہتمام کیا گیا ہے جن میں ضروری تفصیل لکھی گئی ہے یہ حواشی اور اضافہ نہایت قیمتی اور اہمیت کے حامل ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ ترجمہ انیسویں صدی کا ہے یعنی اس ترجمے کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس دوران اردو زبان ارتقاء کے کئی مراحل طے کر چکی ہے، اس ترجمے کے بہت سے الفاظ متروک ہو چکے ہیں اور کتنے ہی نئے الفاظ و محاورات وجود میں آ چکے ہیں۔

اس پس منظر میں بیسویں صدی میں اسی ترجمہ پر نظر ثانی کی گئی اور تسہیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی؛ چنانچہ ممتاز محقق، ادیب اور مترجم پروفیسر سید امیر کھوکھر نے عربی متن اور حافظ شوق صاحب کے ترجمے کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں نظر ثانی اور تسہیل کا کام انجام دیا۔ اب یہ ترجمہ کافی حد تک سلیس رواں اور دور جدید کی زبان و بیان کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ یہ تسہیل شدہ ترجمہ ادارہ بک کارنر جہلم پاکستان سے شائع ہوا ہے جس کی مختصر تفصیل آن لائن بک کارنر شوروم پر موجود ہے۔ چوں کہ بیسویں صدی کا یہ نسخہ دستیاب نہ ہو سکا، اس لیے پرانے نسخہ سے ترجمہ کا ایک اقتباس مع عربی متن درج کیا جاتا ہے:

متن:

"ومن اعظم ماشاهد ناه من عجائبها المنار الذى قد وضعه الله عزوجل على يدى من سخر لذالک آية للمتوسمين وهداية للمسافرين ، لولاه مااهتدوا فى البحر الى بر الاسكندرية ، يظهر على ازيد من سبعين ميلا و مبناه فى غاية العتاقة والوثاقة طولا و عرضا يزاحم الجو سموا و ارتفاعا يقصر عنه الوصف و يخسر دونه الطرف ، الخبر عنه يضيق والمشاهدة له تتسع ذرعنا احد جوانبه الاربعة فالفينا فيه نيفا و خمسين باعا ويذكر ان فى طوله ازيد من مئة و خنسين قامة "(155)

ترجمہ:

"اسکندریہ کا مینار بھی عجیب عمارت ہے، اہل فہم کے لیے نمونہ قدرت اور مسافروں کے واسطے دلیل راہ ہے، اگر یہ مینار نہ ہوتا تو مسافروں کو اسکندریہ کی راہ ملنی مشکل تھی، یہ ستر میل کے فاصلے سے نظر آتا ہے، اس کی عمارت نہایت قدیمی اور مستحکم ہے، عرض و طول میں بے مثل اور بلندی بیان سے باہر ہے نگاہ اس کی چوٹی تک پہنچنے سے معذور ہے، نظر جس قدر بلند ہوتی ہے اسی قدر گنجائش پائی جاتی ہے ہم نے چاروں ستون میں سے ایک سمت کی پیائش کی تو پچاس باع (دونوں ہاتھوں کی درازی) سے کچھ زیادہ ہے اور بلندی ڈیڑھ سو قامت (قد آدم)معلوم ہوئی۔۔۔"(156)

37۔ کتاب الہند

یہ کتاب ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (متوفی: 1048ء) کی طرف منسوب ہے، البیرونی نے ریاضی، علم ہیئت، جغرافیہ اور تاریخ میں بہت عمدہ کتابیں لکھی ہیں، کتاب الہند بھی انہی کتابوں میں سے ہے جس میں مصنف نے ہندوؤں کے مذہبی عقائد، ان کی تاریخ اور برصغیر ہند وپاک کے جغرافیائی حالات بڑی تحقیق سے لکھے ہیں، اس کتاب سے ہندوؤں کی تاریخ سے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جو اور کسی کتاب سے حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ کتاب صدیوں سے مؤرخین کا ماخذ رہی ہے، اس کتاب میں ہندو عقائد، رسم ورواج کا غیر جانبدارانہ اور تعصب سے پاک انداز میں جائزہ لیا گیا ہے، یہ پہلی کتاب ہے جس کے ذریعہ عربی داں طبقہ تک ہندومت کے عقائد و دیگر تاریخی چیزیں اپنے اصل مآخذ کے حوالے سے پہنچیں۔ کتاب الہند کا مواد حاصل کرنے کے لیے البیرونی نے سال ہا سال پنجاب میں مشہور ہندو مراکز کی سیاحت کی، سنسکرت جیسی مشکل زبان سیکھ کر قدیم سنسکرت ادب کا براہ راست خود مطالعہ کیا، اس کتاب کا پورا نام " تحقیق ماللھند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل اومرذولۃ" ہے اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔

ایڈورڈ سخاؤ نے سب سے پہلے اس کا جرمن ترجمہ شائع کیا بعد ازاں Albiruni's India کے نام سے انگریزی میں پیش کیا، ایک عرصہ تک یہ اہم کتاب اردو کا قالب حاصل نہ کر سکی تھی 1941ء میں اس کا پہلا ترجمہ سید علی اصغر حسین نے کیا جو انجمن ترقی اردو دہلی سے شائع ہوا، اس ترجمے کے ساتھ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا ایک علمی "دیباچہ" ملحق ہے، اس میں البیرونی کے احوال و کوائف کا بیان ہے نیز اصل کتاب کی اہم ترین باتیں بھی مذکور ہیں، ترجمے کی ضرورت اور مترجم کے انتخاب کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے لکھا ہے:

> "مجھے اس کتاب کے ترجمے کی ایک مدت سے فکر تھی مگر کوئی اہل اور مناسب شخص نہیں ملتا تھا، کئی صاحبوں نے کوشش کی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی کیوں کہ اس کا ترجمہ آسان کام نہ تھا۔۔۔۔۔۔اور اس کے ترجمے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نہ صرف عربی اور انگریزی زبان پر اچھی قدرت رکھتا ہو بلکہ قدیم و جدید علوم سے بھی واقف ہو۔۔۔۔۔یہ دشواری ایسی تھی کہ جس نے پچیس سال تک مجھے پریشان رکھا۔ حسن اتفاق سے میری ملاقات مولوی سید علی اصغر صاحب سے ہوئی جن سے میں نے انجمن کے ایک علمی کام میں مدد لی تھی، مولوی صاحب نے

کتاب الہند کے ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔۔۔۔انہوں نے بڑی توجہ اور احتیاط سے اس کا ترجمہ کیا اور اصل عربی کتاب کے ساتھ پروفیسر سخاؤ کے ترجمے کو بھی پیش نظر رکھا، تکمیل کے بعد میں نے ترجمہ نظر ثانی کے لیے اپنے عزیز دوست مولوی سید عطا حسین ایم اے کو دیا، سید صاحب عربی اور انگریزی کے فاضل اور ریاضی اور ہیئت کے ماہر ہیں انہوں نے اس ترجمے کو بڑی دقیق نظر سے دیکھا اور حسب ضرورت مناسب ترمیم اور اصلاح کی جس کے لیے میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں۔۔۔اس ترجمے سے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔"(157)

ذیل میں بطور نمونہ اصل عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ لکھا جاتا ہے:

متن:

"انما اختلف اعتقاد الخاص والعام فی کل امة بسبب ان طباع الخاصة ینازع المعقول و یقصد التحقیق فی الاصول وطباع العامة یقف عند المحسوس و یقتنع بالفروع ولا یروم التدقیق وخاصة فیما افتنت فیه الآراء ولم یتفق علیه الاهواء ، و اعتقاد الهند فی الله سبحانه انه الواحد الازلی من غیر ابتداء ولا انتهاء"(158)

اردو ترجمہ:

"خواص اور عوام کا اعتقاد ہر قوم میں مختلف ہوا کرتا ہے خصوصا(ان مسائل میں) جن کے متعلق رایوں میں اختلاف ہے اور اغراض میں اتفاق نہیں ہے اس سبب سے کہ خواص کی طبیعت معقول کی طرف میلان رکھتی اور اصول کی تحقیق چاہتی ہے اور عوام کی طبیعت محسوس پر ٹھہر جاتی اور فروع پر قناعت کر لیتی ہے اور تدقیق کی طالب نہیں ہوتی۔ اللہ پاک کی شان میں ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ واحد ہے ازلی ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔" (159)

اہل ذوق جانتے ہیں کہ مذکورہ عربی عبارت کا مذکورہ اردو ترجمے میں اردو کی چاشنی اور زبان کا ادب موجود ہے ، ترجمہ ایسا ہے جس نے بڑی خوبی کے ساتھ اصل الفاظ کو اپنے اندر سمو لیا ہے، مصنف نے جس عبارت کو جہاں رکھا ہے یہ ان کا ذوق تھا لیکن مترجم نے ترجمہ میں روانی اور سہولت کے لیے تقدیم وتاخیر بھی کی ہے اور جہاں اضافہ کی ضرورت تھی وہاں بین القوسین اضافہ بھی کیا ہے، اور اس ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر مولانا عبدالحق صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ترجمہ اس کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔

ترجمہ کے متعدد نسخے: مولانا علی اصغر صاحب نے بابائے اردو مولانا عبدالحق صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو ہند کے زیر نگرانی جو ترجمہ کیا ہے، اس کی دو جلدیں ہیں: جلد اول 417 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں مجموعی طور پر تیس ابواب ہیں، تیسواں باب لنکا کا بیان جو" قبہ زمین" مشہور ہے پر مشتمل ہے، پہلے ایڈیشن کی دوسری جلد مجھے دستیاب نہ ہوسکی۔

میرے سامنے کتاب الہند کا ایک مکمل ترجمہ ایسا ہے جو نومبر 2005ء میں ابوالفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور سے شائع ہوا ہے جس کے کل صفحات 544 ہیں، یہ ترجمہ بھی سید علی اصغر کی جانب منسوب ہے، لیکن پرانے نسخے اور اس نسخے میں فرق یہ ہے کہ پہلے نسخے میں مولانا عبدالحق صاحب کا دیباچہ موجود ہے لیکن لاہوری نسخے میں وہ دیباچہ غائب ہے نیز ابواب کی ترتیب بھی الگ ہے، اس ترجمے کی پہلی جلد میں 33 ابواب ہیں علاوہ ازیں اس نسخے میں افضل حق قرشی کا پیش لفظ ہے، دونوں نسخوں کے سرورق مترجم کا نام سید اصغر علی چھپا ہوا ہے جب کہ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنے دیباچہ میں ان کا نام" علی اصغر" لکھا ہے، علی اصغر ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

کتاب الہند کا ایک تیسرا ترجمہ بک ٹاک، میاں چیمبرز لاہور سے 2011ء مین شائع ہوا ہے، 328 صفحات کا یہ ترجمہ پوری کتاب کا احاطہ کرتا ہے اس کے لیے غالبا تلخیص سے کام لیا گیا ہے، اس ترجمہ پر نہ مترجم کا نام ہے اور نہ آغاز ترجمہ میں کوئی دیباچہ یا پیش لفظ ہے، یہ ترجمہ مولانا علی اصغر کا نہیں ہے، کیوں کہ متعدد جگہوں پر دونوں ترجموں میں کافی فرق ہے جیسا کہ اقتباس سے ظاہر ہوگا تاہم یہ ترجمہ بھی رواں اور عمدہ ہے، بات سمجھ میں اجاتی ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم اسی عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جو ما قبل میں درج ہوا تا کہ تقابل اسان ہو:

"ہر قوم میں خواص اور عوام کے معتقدات مختلف ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے: خواص کا رجحان معقول کی طرف ہوتا ہے اور وہ اصول کی تحقیق کے خواہشمند ہوتے ہیں اس کے بر خلاف عوام محسوسات سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ کسی مسئلے کی تحقیق کے طالب ہوتے ہیں، مذہب کے معاملے اور خاص طور پر ان مذہبی امور میں جن کے بارے میں اختلاف ہے وہ تحقیق و جستجو کو مطلق روا نہیں رکھتے۔۔۔۔ خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہیکہ وہ واحد ہے ابدی ہے یعنی اس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔"(160)

دیکھیے: " اعتقاد" کی جگہ " معتقدات " ،خواص کی طبیعت "کے بجائے" خواص کا رجحان "،" محسوس" کے بدلے" محسوسات" اور" ازلی" کی جگہ" ابدی" جیسا فرق دونوں ترجموں کے مترجمین کو الگ اور نمایاں کرتا ہے؛لیکن دونوں ترجمے قابل فہم اور الفاظ عربیہ کو محیط ہیں۔

38۔تاریخ الحکماء

اس کتاب کا مصنف جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی (متوفی: 646ھ) ہے، القفطی اپنے زمانے کا مشہور محقق وناقد اور مؤرخ تھا، ہر چند کہ مختلف علوم وفنون پر اس کی کتابیں ملتی ہیں لیکن تاریخ کی طرف اس کا رجحان زیادہ تھا؛ اسی لیے اس کی تاریخی مولفات کی تعداد دیگر تصانیف سے زیادہ ہے القفطی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخی مواد کو نہایت دیانت داری سے بیان کرتا ہے ماخذ کا حوالہ دیتا ہے، اپنی کوتاہیوں کا جابجا اعتراف کرتا ہے وہ مؤرخانہ تنگ نظری اور تعصب سے بہت بلند تھا، تاریخ الحکماء اس کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے، اس کتاب میں 411 فلسفیوں، طبیبوں، ریاضی دانوں اور منجموں وغیرہ کی سوانح حیات ملتی ہیں ان حکماء کا زمانہ حضرت ادریس علیہ السلام سے لے کر مصنف کے اپنے عہد تک پھیلا ہوا ہے، یہ حکمت اور حکماء کی ایک بہترین تاریخ ہے، اس تاریخی کتاب سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے یونانی علوم وفنون سے کہاں تک فائدہ اٹھایا تھا۔

معروف عالم دین، ماہر تعلیم، مصنف اور مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی برق (متوفی: 1985ء) نے اس اہم کتاب کو اردو میں منتقل کیا ہے، مولانا برق معجم البلدان کے بھی مترجم ہیں، تاریخ الحکما کا اردو ترجمہ "حکماء عالم" سے بھی مشہور ہے، یہ ترجمہ پہلی بار 1945ء مین انجمن ترقی اردو ہند دہلی سے شائع ہوا تھا، ترجمہ کے ساتھ سترہ صفحے کا ایک قیمتی مقدمہ مترجم نے لکھا ہے جس میں حکمت اور حکماء اور ضرورت ترجمہ پر مورخانہ گفتگو کی گئی ہے، یہ ترجمہ پانچ سو بہتر (572) صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور حکماء کی تفصیل حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کی گئی ہے، اردو ترجمے کے بارے میں خود مترجم نے لکھا ہے:

> "اس کتاب کا یہ ترجمہ پہلی مرتبہ اردو داں حضرات کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے، یہاں یہ عرض کر دینا مناسب نہ ہوگا کہ یہ ہر فقرے کا لفظی ترجمہ نہیں ہے، بلکہ سلیس اردو میں مطلب خیز ترجمہ ہے بعض غیر ضروری مکررات کو ترجمے میں حذف کر دیا گیا ہے ایک دو مقامات پر بعض فقرات کو جو میری ناقص سمجھ سے بالاتر تھے بلا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اور جگہ خالی رہنے دی ہے اپنی وسعت کے مطابق ترجمے میں روانی و سلاست پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔"(161)

اس ترجمے میں رجال واماکن کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے تاہم قلت وسائل کی وجہ سے اسماء کی ایک کافی تعداد بلاحواشی رہ گئی ہے، جس کا اعتراف مقدمہ میں خود مترجم نے کیا ہے۔

نوٹ: تاریخ الحکماء مختلف ناموں سے مشہور ہے مثلاً (1) طبقات الحکماء واصحاب النجوم والاطباء، (2) کتاب تراجم الحکماء، (3) اخبار العلماء باخبار الحکماء، (3) کتاب تذکرۃ الحکماء، عرب دنیا میں یہ کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء کے نام سے مشہور ہے۔

ذیل میں عربی عبارت کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

متن:

"ادریس النبی ﷺ،قد ذکر اهل التاریخ والقصص واهل التفسیر من اخباره ما انا فی غنی من اعادته و انا ذاکر ماقاله الحکماء خاصة اختلف الحکماء فی مولده و منشئه وهمن اخذ العلم قبل النبوة فقالت فرقة ولد بمصر و سموه هرمة الهرامس و مولده بمنف وقالوا هو بالیونانیة ارمیس وعرب بهرمس ومعنی ارمیس عطارد --"(162)

ترجمہ:

"ادریس کے متعلق جو کچھ مفسرین، مورخین، اور افسانہ سراؤں نے کہا ہے، اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، یہاں صرف وہ تفاصیل پیش کی جائیں گی جو حکما کے قلم سے نکلی ہیں۔ ادریس کی جائے ولادت اور (نبوت سے پہلے) تحصیل علم کے متعلق حکما میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ مصر کے ایک موضع منفمیں پیدا ہوئے تھے آپ کا نام ہرمس الھرامسہ تھا، ہرمس ایک یونانی کلمہ ارمیس کا (جس کے معنی عطارد ہیں) کا معرب ہے۔"(163)

تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب صراحت مترجم نے مطلب خیز ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے، عبارت اور ترجمہ میں "منف" کا جو ذکر آیا ہے، مترجم نے اس کی پوری تفصیل، جائے وقوع اور اس کی مکمل تاریخ بڑے اختصار کے ساتھ حاشیہ میں درج کی ہے۔

39۔تاریخ الحکماء

اس نام سے ایک اور ترجمہ دستیاب ہے، یہ اردو ترجمہ درۃ الاخبار (فارسی) اور تتمہ صوان الحکمت (عربی) نامی کتابوں کا ہے، اس عربی کتاب کے مصنف ظہیر الدین ابو الحسن علی بیہقی (متوفی:565ھ) ہیں، درۃ الاخبار، اسی تتمہ صوان الحکمت کا فارسی ترجمہ ہے، فارسی مترجم نامعلوم ہے۔امام بیہقی نے سید اسماعیل جرجانی تک کل ایک سو گیارہ (111) حکماء کے حالات واقوال بیان کیے ہیں، اردو مترجم مولانا محمد ادریس صاحب نے ترجمہ درۃ اور تتمہ دونوں کو سامنے رکھ کر کیا ہے، مترجم "عرض مترجم" میں لکھتے ہیں:

"مصنف درۃ بسا اوقات اختصار کرتے ہیں اور اقوال وحالات کا کچھ حصہ چھوڑ دیتے ہیں ہم نے دونوں کتابوں کا ترجمہ کیا ہے، بعض مقام پر دونوں کتابوں کی عبارت مختلف ہوگئی ہے وہاں جس کی عبارت صاف اور بہتر ہے اس کا ترجمہ متن میں کیا ہے اور حاشیہ پر دوسری کتاب کی عبارت کا، اکثر مقام پر جو حصہ درۃ میں نہیں وہاں (ت) کی علامت قائم کر دی ہے۔۔۔۔۔اور حتی الامکان ترجمہ کو سلیس اور الفاظ سے قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"(164)

درحقیقت منشی فاضل و مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ امتحان کے لیے یہ ترجمہ کیا گیا تھا، اسی لیے حکماء کے حالات بیان کرنے کے بعد خلاصہ کے عنوان سے بہت مختصر ضروری حالات بیان کیے گئے ہیں، یہ ترجمہ کل 87 صفحات پر مشتمل ہے۔دونوں کتابوں کے اقتباس دیکھیے:

متن:

"حنين بن اسحاق المترجم ، كان اول من فسر اللغة اليونانية و نقلها الى السريانية والعربية ولم توجد هذه الازمنة بعد الاسكندر اعلم منه باللغة العربية واليونانية وكان حنين فى عهد المامون والمعتصم وكان بغدادى المولد وقد نشاء بالشام وتعلم بها"(165)

ترجمہ:

"حنین بن اسحاق حکماء اسلام کی صف میں سب سے پہلا حکیم ہے جس نے حکمت و فلسفہ کو قدیم یونانی زبان سے متاخرین کی مستعمل عربی اور سریانی زبان میں منتقل کیا ہے، سکندر بن فیلقوس کے بعد عربی اور یونانی زبان کا ماہر اس

سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہوا۔ بغداد میں پیدا ہوا، اطراف شام میں تعلیم و تربیت پائی، خلیفہ مامون اور معتصم باللہ کے عہد میں بڑے اعزاز واحترام کی نظروں سے دیکھا گیا"(166)

اہل علم محسوس کریں گے کہ ترجمے میں الفاظ عربیہ کے ساتھ اردو کی چاشنی پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے، لفظ" مامون" سے پہلے خلیفہ کا اضافہ اور "معتصم کے ساتھ "باللہ" کی زیادتی سے ترجمہ میں حسن کے ساتھ مختصر تعارف بھی آگیا ہے، ترجمہ کو طبع زاد بنانے کے لیے تقدیم وتاخیر سے بھی کام لیا گیا ہے، نصابی کتابوں میں اس طرح کی چیزوں کی رعایت بہت مناسب بات ہے۔

40۔ مسلمانوں کا نظام مملکت

مسلمانوں کا نظم مملکت تاریخ کا ایک نہایت اہم موضوع ہے، اس لیے اس موضوع پر متقدمین سے لے کر متاخرین تک بہت سے لوگوں نے قلم اٹھایا ہے۔ نظم مملکت سے مراد سیاسی، ملکی، مالی اور عدالتی نظام ہے، چونکہ مسلمان خلفاء اور امراء و سلاطین کا نظم حکومت و مملکت تاریخ کا نہایت ہی معرکہ خیز باب ہے اس لیے اس موضوع پر ہر زمانے میں بالخصوص عہد جدید میں ایسی کتاب کی ترتیب کی سخت ضرورت رہی ہے جو وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

مصر کے مشہور فاضل اور علوم قدیم و جدید کے بالغ نظر عالم ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن (ایم۔اے، پی۔ایچ۔ ڈی)اور علی ابراہیم حسن نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور " النظم الاسلامیۃ" نامی کتاب لکھی،اس کتاب کے مختلف ابواب ہیں: سب سے پہلے خلافت کا ابتداء سے لے کر عثمانیوں کے زمانے تک جائزہ لیا گیا ہے،اس کے بعد وزارت، کتابت اور حجابت کی نشو و نما کے ذیل میں عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ سے لے کر امویوں،عباسیوں،فاطمیوں، اور مملوکوں کے زمانے تک ان عہدوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے،اسی طرح نظام حکومت، نظام مالیات، نظام عدالت، نظام غلامی جیسے تاریخ اسلام کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس اہم تاریخی کتاب کے مترجم مولانا علیم اللہ صدیقی فاضل دیوبند ہیں، بقول عتیق الرحمن عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین): قابلیت و محنت سے اصل کی تمام خوبیوں اور خصوصیتوں کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

" مسلمانوں کا نظم مملکت" پہلی دفعہ اگست 1947ء کے آخر میں ایسے وقت طبع ہوئی تھی کہ دہلی اور اس کی تہذیب 47ء کے انقلاب خونیں کی لپیٹ میں آچکی تھی، 1958ء میں اس ترجمے کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، اس کے بعد پاک و ہند کے متعدد کتب خانوں اور مطابع سے یہ ترجمہ شائع ہوتا رہا، پیش نظر ترجمہ طبع اول 1975ء دارالاشاعت لاہور کا ہے جو 328 صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمہ کے سلسلے میں خود مترجم نے "ترجمہ کے متعلق چند ضروری باتیں" کے عنوان سے وضاحت لکھ دی ہے، ذیل میں اختصار درج کیا جاتا ہے۔

"1۔ ترجمہ کی جگہ اسے تالیف کہنا زیادہ صحیح ہوگا، میں نے ترجمہ میں ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔

2۔ مکرر اور غیر ضروری عبارتوں کو حذف کر دیا گیا ہے اور جہاں ایسا کیا گیا ہے وہاں ایسا کرنا ضروری تھا۔

3۔ اردو داں طبقہ کو جن واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی انہیں حذف کر دیا ہے۔

4۔ اصل کتاب میں جو تاریخی خامیاں تھیں انہیں نہایت تحقیق کے بعد درست کر دیا گیا ہے۔

5۔ اردو داں طبقہ کے ذوق اور ماحول کے اختلاف کی بنا پر اصل عبارت میں تصرف کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔"(167)

ذیل میں اصل عبارت کے ساتھ ترجمہ کا ایک اقتباس لکھا جاتا ہے:

متن:

"كانت حكومة الرسول ﷺ حكومة دينية ، تعتمد الى خد كبير على وحى الله و امره و كانت هذه الحكومة تقوم على اساس احلال الوحدة الدينية والقومية الاسلامية محل العصبية والشعور القبلى ، مما سهل على القبائل المختلفة طاعة الرسول والانضواء تحت لوائه "(168)

ترجمہ:" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (610ء۔632ء) کی حکومت دینی حکومت تھی، صحابہ کا اعتقاد تھا کہ آپ ؟کی حکومت کا محور وحی خداوندی ہے خدا حضرت جبریل ؟کے واسطہ سے احکام بھیجتا ہے آپ انہی کو عمل میں لاتے ہیں، اس حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم تھی، عربوں کی شیرازہ بندی میں اس کا بہت بڑا دخل تھا۔"(169)

غور سے دونوں عبارتوں کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ مترجم نے اپنے ترجمے کے لیے جو اصول و ضوابط طے کیے تھے ترجمہ اسی کے مطابق ہے، حذف و اضافہ بھی ہے، تقدیم و تاخیر بھی ہے اور اصل عبارت کی روح اور اسپرٹ بھی موجود ہے، چوں کہ مترجم نے ترجمہ کی نظرثانی کے وقت مصنف کی دوسری کتاب " تاریخ الاسلامی السیاسی "، احمد امین کی "فجر الاسلام "اور" ضحی الاسلام "اور سید امیر علی کی" اسپرٹ آف اسلام " جیسی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اس لیے پورے ترجمہ میں متعدد جگہ عبارتیں اصل سے مختلف دکھائی دیتی ہیں۔

عربی کتب تواریخ کے وہ اردو تراجم جن کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے اور جزوی تفصیلات کے ساتھ صرف فہرست پیش درج ذیل ہے۔

عربی کتب تواریخ کے وہ اردو تراجم جن کا جائزہ نہیں لیا گیا

سلسلہ نمبر	نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	مطبع یاناشر	تاریخ طباعت	لائبریری میں موجود
1	انساب الخلافہ ترجمہ مسالک الذہب	علامہ شہاب الدین ابی العباس وعلامہ ابوالفوز محمد امین الدین السویدی	سید محمد ابراہیم شاہ	در مطبع آزاد ،لاہور	1922ء (علم الانساب کے فضائل و فوائد خالص عربوں اور ان کے انواع ،اقسام اور ان سے منسلک لوگوں کا بیان ،انساب کے طبقات، قدیم عربوں کے مساکن اور ان کی بڑھتی ہوئی	جامعہ نظامیہ ،حیدر آباد صفحات:154 بغیر جلد فن کا سلسلہ نمبر:409

					آبادی اور حدیں، ان امور کا بیان جن کی ضرورت علم النسب میں پڑتی ہے، عربوں اور ترکوں اور سوڈانیوں کے انساب)	
2	مقدمہ ابن خلدون (جلد دوم)	علامہ عبد الرحمن ابن خلدون	سید عرفان علی	مطبوعہ کلاسیکل پرنٹرس جاوڑی بلغار	1987	جامعہ نظامیہ ،حیدر آباد صفحات:528 فن کا سلسلہ نمبر:406
3	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	سید محمد محی الدین	صدیقی، لاہور	1994	جامعہ نظامیہ، حیدر آباد صفحات:268 فن کا سلسلہ نمبر:574
4	تلخیص مقدمہ	ابن خلدون	نادم	فیروز، کراچی	1992	جامعہ نظامیہ،

	ابن خلدون		سیتاپوری			حیدر آباد صفحات: 512 فن کا سلسلہ نمبر:634
5	باب الخوارج من کتاب الکامل للمبرد	المبرد	عبد الصمد صارم	آزاد بک ڈپو ،لاہور	1965	جامعہ نظامیہ صفحات:120 فن کا سلسلہ نمبر:724
6	علوم عرب ،ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی	جرجی زیدان	محمد اسلم جیراجپوری	علی گڑھ ،انسٹیوٹ پریس	1907ء (تاریخ عرب قبل از اسلام، اسلامی دور کی ابتداء اور اس کے بعد تمام امور دینی ،تعلیمی، ثقافتی ،معاشی و معاشرتی ،سیاسی اور دوسرے تمام علوم کی مستند تاریخ، کتب	وضاحتی اردو کتابیات (عمرانی علوم) جلد اول ترتیب و تہذیب: انور معظم، اشہر فرحان ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ صفحات:237

					خانے ،درسگاہیں اور دوسرے اہم واقعات اور حالات)	
7	تاریخ اسلام (حصہ اول)	مورخ علامہ محی الدین خیاط مصر	حامد محمد خان	لکھنؤ، اشاعت اسلام پریس ،صدیق بک ڈپو (پہلا ایڈیشن)	ب۔ت (پیغمبر اسلام کے مختصر لیکن معتبر اور مستند حالات)	خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ صفحات:56
8	تاریخ اسلام (جلد اول)	"	"	"	" (تاریخ کسے کہتے ہیں ،تاریخ کن چیزوں سے حاصل ہوتی ہے، کن علوم سے تاریخ میں مدد ملتی ہے، بڑے واقعات	رام پور رضا لائبریری ،رامپور صفحات:232

	،پیدائش عالم ،زمین اور مخلوق،انسان ،انسانوں کی تاریخ اور اس کے اقسام ،تاریخی زمانے،قرون اور عصر، انسانی تاریخ یا حالات سے معلومات ،عرب کی حالت قبل اسلام،ملک عرب،عرب کی اجتماعی حالت،عرب کی مذہبی حالت، مذہب انسان کے لئے					

					ضروری ہے، ظہور اسلام سے قبل قومیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور)	
9	" (حصہ دوم)	"	"	"	" (خلافت راشدہ کی مختصر جامع تاریخ،اس عہد کے اہم واقعات)	خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ صفحات:72
10	"(حصہ سوم)	"	"	"	" (خلافت بنی امیہ کے عہد کے واقعات ،سیاسی حالات ،تعلیمی وفنی اندراجات)	" صفحات:80

11	"(حصہ چہارم)	"	"	"	" (خلافت عباسیہ کے عہد کے سیاسی حالات ،دولت سلجوقیہ، دولت غوریہ کا آغاز، دولت ایوبیہ کی ابتداء ،حکومت فاطمیہ کا خاتمہ)	" صفحات:216
12	" (حصہ پنجم)	"	"	"	" تاریخ اندلس اور دیگر چھوٹی اسلامی حکومتوں کے حالات وواقعات)	"ص232
13	اخبار الاندلس	-----	خلیل الرحمن	لاہور، نصیر کا تج	1340ھ	سالار جنگ لائبریری

	(جلددوم) History of the Moorish		، منشی محمد	،ربانی روڈ		،حیدرآباد،اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ،حیدرآباد صفحات:722
14	"(جلد سوم) History of the Moorish	----	"	"	1340ھ	" صفحات:756
15	آغاز اسلام اردو ترجمہ بدء الاسلام	شبلی نعمانی	شاہ بانو	دہلی رحمانی پریس	1343ھ (ولادت با سعادت، ولادت، یتیمی ،رضاعت ،بچپن، سفر شام، نکاح ،اولاد ،رسالت، تبلیغ علی الاعلان ،قریش کی مخالفت، اسلام حضرت	ندوۃ العلماء، لکھنؤ صفحات:69

	عمر، زمانہ حج میں تبلیغ اسلام، انصار، مدینہ میں اسلام ،ہجرت، آنحضرت کے متعلق کفار قریش کا مشورہ، آنحضرت اور ابو بکر کی مکہ سے روانگی اور غار ثور میں قیام، غزوات و سریات اور دیگر حالات ،غزوہ بدر ،ولادت حسین، خالد بن ولید کا اسلام					

					لانا،وفود عرب)	
16	"	"	میمونہ سلطان شاہ بانو	دہلی، ہلالی پریس	1336ھ (طبع اول) (زمانہ رسالت ،ولادت، یتیمی، رضاعت، بچپن، سفر شام، نکاح ،اولاد، رسالت، تبلیغ علی الاعلان، قریش کی مخالفت اور ایذاء رسانی وغیرہ)	خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ صفحات:76
17	الفتنۃ الکبریٰ	طہ حسین	پروفیسر محمد منور	لاہور، ادارہء طلوع اسلام	ب۔ت (حضرت عثمان کے زمانے کے	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی صفحات:501

					نازک ترین واقعات کا ذمہ دارانہ اور غیر جانبدارانہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔	
18	مجموعہ کامل مترجمہ تاریخ واقدی (حصہ اول، مغازی الرسول)	واقدی	دیکھنا ہے	لکھنو، مطبع منشی نولکشور	1917ء	عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری، سالار جنگ میوزیم لائبریری
19	تاریخ عہد بنی امیہ	"	"	کراچی، کریم سنز	1966ء (یزید بن معاویہ کی تخت نشینی سے مروان بن محمد کے قتل تک کے دور کی بنی امیہ کی تاریخ	خدابخش لائبریری پٹنہ ،مولانا آزاد لائبریری ،علی گڑھ ص201

20	ذکر فتح اندلس	عبدالرحمٰن ابن عبدالحکم	جمیل الرحمٰن محمد	لاہور، ایس عبد الرشید اینڈ سنز	1923ء (مسلمانوں کے اندلس فتح کرنے کا بیان	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ صفحات:96
21	تاریخ طبری کا ایک تحقیقی جائزہ		اسیر ادروی	دارالمؤلفین ،دیوبند	1408ھ	" صفحات:124
22	تاریخ طبری کے مآخذ	اردو میں	ڈاکٹر جواد علی /نثار علی فاروقی	دولت ایسوسی ایٹ، لاہور	1998ء	جامعہ نظامیہ، حیدرآباد
23	تاریخ فلاسفۃ الاسلام	لطفی	ڈاکٹر میر ولی الدین	؟	1941ء	علی گڑھ، حیدرآباد
24	مباحث مشرقیہ جلد اول	امام فخر الدین محمد بن عمر رفیع	حکیم سید عبد الباقی	؟	1949ء	حیدرآباد
25	" جلد دوم	"	"	؟	1950ء	حیدرآباد
26	اسلام منزل بہ منزل	طہٰ حسین	رئیس احمد جعفری ندوی	دہلی، خواجہ پریس	طبع اول 1967ء عربوں کا عہد جاہلیت،	صفحات: 432 خدابخش لائبریری پٹنہ

					یہودی اور نصرانیت کا اثر ،شام اور عراق میں داخلہ ،عرب جاہلیت کے شعراء، کیا عرب پڑوس کی متمدن قوموں سے متاثر ہوئے ،بت پرستی ،منفعت بخش بت پرستی ،قریش کا نظم حکومت، ثقیف ،اہل مکہ ،یثرب)	
27	عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں	طہٰ حسین	عبدالمجید نعمانی	بمبئی، اجمل پریس	ب۔ت (سیاسی تجزیہ ،اسلام کے سیاسی نظام	صفحات: 334 خدا بخش لائبریری پٹنہ ،مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

					کی بنیاد مساوات پر ہے، اسلامی نظام حکومت الہٰی نہ تھا جمہوری نہ تھا، شخصی بادشاہت نہ تھی، اسلامی نظام حکومت ایک مستقل عربی اختراع ہے، اسلامی حکومت کے عناصر)	
28	محبوب الارب یعنی ترجمہ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب	دیکھنا ہے	جلال سید	حیدر آباد، مطبع آئین دکن،	1317ھ (جزیرۃ العرب ،اصلی عربوں کے اقسام ،عربوں کے حالات	

	،عادات و اطوار اور روز مرہ کی زندگی ،مذاہب ،عرب کے مدارس خلفاء اور سلاطین وغیرہ کے سن جلوس کی تاریخیں ،خلفائے راشدین، خلفائے بنی عباس،بنی امیہ،علوی ،فاطمی اور عبیدی ،خلفائے افریقہ، مصر ،ترکی ،سلاطین بنی بویہ وغیرہ					

					کے نام و حالات)	
29	سر تطور الامم	نامعلوم	مترجم مولوی عبدالسلام ندوی			
30	تاریخ جنات و شیاطین	امام جلال الدین سیوطی	مولانا امداد اللہ انور	فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹیڈ جامع مسجد دہلی	سنہ ندارد	خدابخش لائبریری، پٹنہ
31	اسلام اور عربی تمدن	محمد کرد علی	مولانا معین الدین احمد ندوی	دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ	1952ء	مانو لائبریری شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی کی کتاب الاسلام والحضارۃ العربیہ کا ترجمہ جس میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر علماء مغرب کے اہم اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور یورپ پر اسلام اور مسلمانوں کے اخلاقی، علمی، اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات و نتائج کی

تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ آگیا ہے						
اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کیا گیا ہے اور تاریخی واقعات سے ثابت کیا ہے کہ علم و سائنس اور تمدن و تہذیب سے اسلام کس قدر دوش بدوش ہے اور عیسائیت نے اس کی کس قدر مخا لفت کی ہے۔	1327ھ	روز بازار پریس امرتسر پنجاب		محمد عبدہ	الاسلام و النصرانیہ	32
صفحات 192	1910ء	بھوپال دارالافتاء	مفتی انوار الحق		تاریخ عالم ترجمہ اردو تاریخ ابوالبشر	33
صفحات 770		مطبع العلوم دہلی	کریم الدین	ابوالفداء اسماعیل	تاریخ ابوالفداء	34
صفحات 578	1986ء	نفیس اکیڈمی ،کراچی	مولوی عبد الغفور خان رامپوری	سیدیو	تاریخ عرب	35

			،مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی			
36	تاریخ علوم اسلامیہ جلد اول	سزگین فواد	نذیر حسین	پاکستان رائٹرز کوآپریٹیو سوسائٹی	1994ء	جلد اول، علوم القرآن کے بارے میں
37	جلد دوم	----	---	----	1997ء	تاریخ و ثقافت کے بارے میں
38	جلد سوم	-----	----	----	1999	علم کلام و تصوف کے بارے میں

عربی کی وہ اہم تاریخی کتابیں جن کے تراجم ابھی تک نہیں ہوئے ہیں یا دوران تحقیق ان ترجموں تک میری رسائی نہیں ہوئی ان کی بھی ایک مختصر فہرست پیش درج ذیل ہے۔

عربی کی اہم تاریخی کتابیں جن کے ترجمے نہیں ہوئے

سلسلہ نمبر	کتاب کا نام	مصنف کا نام	مطبع و سنہ اشاعت
1	تاریخ دول العرب والاسلام	محمد طلعت حترب	در مطبع احمدی، 1327ھ
2	تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام	الحافظ الذہبی	در مطبع مصر، 1367ھ
3	کتاب الاغانی	ابو الفرج الاصبہانی	مطبع التقدم بشارع محمد کرد علی، 1323ھ
4	نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر	علامہ عبد الحیؒ الحسنی	دائرۃ المعارف، حیدرآباد، 1927ء
5	تاریخ الحوادث والاحوال النبویۃ	السید محمد بن علوی	دار الکتاب العربی، بیروت، 1995ء
6	الدرر الکامنۃ	شہاب الدین احمد ابن الحجر العسقلانی	مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، 1318ھ
7	غزوۃ بدر	جمال حماد	در مطبع مصر، 1977ء
8	غزواۃ الرسول الکریم صلی اللہ علیہ وسلم	فواد حمد والد قس	دار الحفاظ، دمشق، 2003ء
9	کتاب دول الاسلام	ابو عبد اللہ الذہبی	دائرۃ المعارف، حیدرآباد، 1337ھ
10	محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد الحضری بک	در مطبع مصر، 1354ھ

11	تاریخ بغداد	محب الدین ابو عبداللہ	مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، 1978ء
12	تاریخ الموصل	الشیخ ابوزکریا	در مطبع قاہرہ، 1927ء
13	وفیات الاعیان وابناء ابناء الزمان	قاضی ابن خلکان	در مطبع مصر، 1310ھ
14	تاریخ الخلفاء الراشدین	ابو محمد عبداللہ بن مسلم	در مطبع منیریہ مصر، 1318ھ

حوالہ جات:

1۔سعید اختر، پروفیسر، اسلامی یونیورسیٹی بہاولپور پاکستان، مسلمان تاریخ نویس ، ص:11،ناشر: ہدیٰ پبلیکیشنز پرانی حویلی حیدر آباد، سن اشاعت 2013ء

2۔احمد حسین الہ آبادی حکیم، تاریخ ابن خلدون، جلد اول، دیباچہ ص:27، ناشر: نفیس اکیڈیمی اردو بازار، کراچی، سن اشاعت طبع دہم: ستمبر،1986ء

3۔ محمد صہیب ، مرتب ، تاریخ ابن خلدون ، ص 28، بحوالہ ترجمہ تاریخ ابن خلدون 1 :17 ،نامور پریس 1901)،ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسری اشاعت،2010ء

4۔ابن خلدون علامہ، تاریخ ابن خلدون، جلد:2، ص: 404،ناشر: دارالفکر، بیروت، سن اشاعت: 2000ء

5۔احمد حسین الہٰ آبادی حکیم، تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، باب:1، ص: 31،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: طبع دہم ستمبر،1986

6۔ابن خلدون علامہ، تاریخ ابن خلدون، ج: 5، ص:168،ناشر: دارالفکر بیروت، سن اشاعت: 1988ء

7۔رشید احمد ارشد سید، حافظ، تاریخ ابن خلدون، حصہ ششم، ص: 33-34،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: طبع دہم ستمبر،1986ء

8۔رشید احمد ارشد سید، حافظ، تاریخ ابن خلدون، حصہ ہشتم، ص: 305،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت طبع جدید: 2003ء

9۔رشید احمد ارشد سید، حافظ، عرض ناشر: چوہدری طارق اقبال گاہندری (مالک نفیس اکیڈمی)، تاریخ ابن خلدون، دیباچہ ص:4،ناشر: نفیس اکیڈیمی آفسٹ پرنٹرز کراچی، چھٹی اشاعت: اپریل1983ء

10۔اختر فتح پوری، تاریخ ابن خلدون، حصہ یازدہم، ص: 4 (عرض ناشر: چودھری طارق اقبال) ،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت:2003ء

11۔اختر فتح پوری، مولانا، تاریخ ابن خلدون، حصہ دوازدہم، ص: 6 (عرض ناشر) ،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 2003ء

12۔ابن خلدون علامہ ،تاریخ ابن خلدون،ج: 7،ص:3،ناشر: دارالفکر بیروت، سن اشاعت: 1988ء

13۔اختر فتح پوری، مولانا،تاریخ ابن خلدون، جلد نمبر:7، حصہ دوازدہم، ص: 61۔62،ناشر: نفیس اکیڈیمی، تیر تھ داس روڈ،اردو بازار، کراچی، سن اشاعت طباعت اول: جنوری1987ء

14۔ حسین احمد، حکیم ،تاریخ ابن خلدون حصہ اول،، ص:13، تاریخ الانبیاء، ناشر: نفیس اکیڈمی، سن اشاعت: 2003ء

15۔احمد حسین، حکیم ،تاریخ ابن خلدون، تاریخ الانبیاء، حصہ اول، ص:14، ناشر: نفیس اکیڈمی، سن اشاعت: 2003ء

16۔ابن خلدون،علامہ، مقدمہ ابن خلدون،ج:1،ص:839،ناشر:دارالفکر بیروت، سن اشاعت: 1988ء

17۔ محمد داؤد صاحب راغب رحمانی دہلوی، مولانا، مقدمہ ابن خلدون ص:427،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، 1561۔ کوتانہ اسٹریٹ۔سوئی دالان، نئی دہلی، سن اشاعت: 1987ء

18۔ محمد داؤد صاحب راغب رحمانی دہلوی، مولانا، مقدمہ ابن خلدون، حصہ دوئم، ص: 428،(عرض مترجم) ،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس156۔کوتانہ اسٹریٹ۔سوئی دالان، نئی دہلی، سن اشاعت: 1987ء

19۔ سعد حسن خان یوسفی، مولانا، مقدمہ ابن خلدون، ص: 602، ناشر: نور محمد اصح المطابع و کار خانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سن اشاعت: درج نہیں

20۔ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی،الفصل فی الملل والاھواء والنحل،،ج: 1،ص: 39،ناشر: دارالجیل بیروت، سن اشاعت: درج نہیں

21۔ عبد اللہ عمادی ، مولانا، الملل و النحل ، جلد اول ،ص: 22 ،ناشر: دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ، سن اشاعت:1364ھ مطابق1945ء

22۔علی بن الحسین بن علی المسعودی المصری، مروج الذهب و معادن الجوهر،ج: 3،ص: 74 ،ناشر: المكتبۃ العصریۃ بیروت، سن اشاعت: 2005ء

23۔ سید محمد ابراہیم ندوی، مولوی، مروج الذھب و معادن الجوھر، ص:2، طباعت: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن، سن اشاعت: 1350ھ مطابق 1931ء

24۔ ابوالحسن علی بن ابی الکرم، علامہ، الکامل فی التاریخ،، ج: 5، ص: 20، ناشر: دارالکتب العربی بیروت، سن اشاعت 1997ء

25۔ ابوالخیر مودودی، سید، مولانا، تاریخ الکامل، حصہ اول، ص: 20، ناشر: دارالترجمہ عثمانیہ، حیدر آباد، سن اشاعت: 1938ء

26۔ ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج: 5، ص: 5، تحقیق: عمر عبدالسلام تدمری، ناشر دارالکتاب العربی بیروت، سن اشاعت: 1997 ء

27۔ ابوالخیر مودودی، سید، تاریخ الکامل، حصہ اول، مجلد پنجم، ص: 1، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1938ء

28۔ ابی الحسن علی بن ابی الکرم، علامہ، الکامل فی التاریخ، ج: 3، ص: 5، ناشر: دارالکتاب العربی بیروت، سن اشاعت: 1997ء

29۔ جمیل الرحمٰن، مولانا، کامل ابن اثیر، حصہ اول، ص: 1، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، سن اشاعت: 1922ء

30۔ ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج: 3، ص: 7، تحقیق: عمر عبدالسلام،، ناشر: دارالکتاب العربی، بیروت، سن اشاعت: 1997ء

31۔ جمیل الرحمن ایم۔اے، کامل ابن اثیر، جلد سوم ص: 4، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1922ء

32۔ عبید الرحمن، مولانا، الکامل فی التاریخ (اردو)، عرض مترجم، ج: 1، ص: 24، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان، سن اشاعت 2018ء

33۔ ابی الحسن علی بن ابی الکرم، علامہ، الکامل فی التاریخ، ج: 1 ص: 384، ناشر: دارلکتاب العربی، بیروت، ڈیجیٹل لائبریری، سن اشاعت: 1997ء

34۔ عبید الرحمن ،مولانا ، الکامل فی التاریخ اردو، ج:1 ص:333 ،ناشر : نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ، سن اشاعت:2018ء

35۔عبداللہ عمادی، مولانا،طبقات ابن سعد ، جزءاول،ص: 1۔3،طباعت: دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ، سن اشاعت: 1944ء

36۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی،ج:1 ،ص: 23 ،الطبقات الکبریٰ ، ناشر: دارالکتاب العلمیہ بیروت ،سن اشاعت:1990ء

37۔عبداللہ عمادی،مولانا،طبقات کبیر ، جزءاول،ص: 7۔8،طباعت:دارالطبع جامعہ عثمانیہ،سن اشاعت: 1944ء

38۔محمد بن سعد کاتب الواقدی، الطبقات الکبریٰ ، ج:6 ،ص: 132، ناشر: دارالکتاب العلمیہ بیروت ،سن اشاعت:1990ء

39۔نذیرالحق،مولوی،طبقات ابن سعد،حصہ ششم،ص: 68،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: درج نہیں

40۔راغب رحمانی،مولانا،طبقات ابن سعد،حصہ ششم،ج: 7،ص: 29،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: درج نہیں

41۔محمد بن سعد کاتب الواقدی،الطبقات الکبریٰ،ج:7،ص: 3، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، ،ناشر: دارالکتاب العلمیہ بیروت،سن اشاعت:1990ء

42۔راغب رحمانی،مولانا،طبقات ابن سعد،ج: 7،ص: 30،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: درج نہیں

43۔علی محسن صدیقی،کتاب المعارف،ص:41،ناشر: قرطاس پرنٹرز کراچی،سن اشاعت: باراول فروری1999ء

44۔ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری ، علامہ ، المعارف،ص: 9،ناشر: الھیئۃ المصریۃ قاہرہ ،سن اشاعت:1922ء

45۔ علی محسن صدیقی ،کتاب المعارف، باب اول ،ص: 9، ناشر: ادارہ قرطاس ،C-68 اسٹاف ٹاؤن ،کراچی یونیورسٹی،کراچی،سن اشاعت: باراول،فروری1999ء

46۔ابو العرفان ندوی، مولانا، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں ، ص: 3، پیش لفظ، ناشر: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سن اشاعت: 2009ء

47۔سید عبد الحئ حکیم مولانا، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، ص: 13-14، ناشر: مؤسسۃ ہنداوی للتعلیم والثقافۃ، مصر، سن اشاعت: 2012ء

48۔ابو العرفان ندوی مولانا، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ص: 21، ناشر: دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ، سن اشاعت: 2009ء

49۔ علی حیدر طباطبائی سید مولوی، تاریخ طبری، حصہ اول، جلد دوم، ص: 435، طباعت: دار الترجمہ سرکار عالی، سن اشاعت: 1345ھجری مطابق 1926ء

50۔ابو جعفر محمد بن جریر طبری علامہ، تاریخ طبری،، ج: 5، ص: 158 ، ناشر: دار التراث، بیروت، سن اشاعت: طبع دوم، 1387ھ

51۔ علی حیدر طباطبائی سید مولوی، تاریخ طبری، جلد دوم، حصہ اول، ص: 1 ، ناشر: دار الترجمہ عثمانیہ حیدر آباد، سن اشاعت: 1926ء

52۔ تسہیل و تہذیب: ادارہ دار الاشاعت، تاریخ طبری، جلد چہارم ، حصہ اول ، ص 39 ، ناشر: دار الاشاعت کراچی، سن اشاعت: 2003ء

53۔: کوکب شادانی ،تاریخ ابن کثیر ، جلد سوم ، ص: 8، عرض ناشر، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی ، سن اشاعت : 1987ء طبع اول،

54۔عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، البدایۃ والنھایہ، ج: 3، ص: 94 ، ناشر: دار الفکر بیروت، سن اشاعت: 1984ء

55۔کوکب شادانی، تاریخ ابن کثیر، جلد سوم، ص: 111، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1987ء طبع اول

56۔ابن کثیر دمشقی، البدایۃ والنہایۃ، ن ص: ؟؟، اشر: دار الفکر بیروت، سن اشاعت: 1986ء

57۔اختر فتح پوری مولانا، البدایہ والنہایہ، ج: 8، ص: 24، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1988ء

58۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج: 9،ص: 2،ناشر: دارالفکر بیروت،سن اشاعت: 1986ء

59۔عبدالرشید سید حافظ،البدایہ والنہایہ،ج: 9،ص: 11،ناشر: نفیس اکیڈمی،سن اشاعت: 1988ء

60۔انوارالحق قاسمی،تاریخ ابن کثیر،ج: 11،ص: 6،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: 1989ء

61۔ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،ج: 11،ص:44،ناشر: دارالفکر بیروت،سن اشاعت: 1986ء

62۔انوارالحق قاسمی،تاریخ ابن کثیر،ج: 11،ص: 96،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: 1989ء

63۔انوارالحق قاسمی،تاریخ ابن کثیر،ج: 11،ص: 97،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی،سن اشاعت: 1989ء

64۔ابوطلحہ مغل،تاریخ ابن کثیر،حصہ سوم،ص: 132،ناشر: دارالاشاعت کراچی،سن اشاعت: 2008ء

65۔ ثناءاللہ محمود، تاریخ ابن کثیر، ج: 15، ص: 569، مترجم: ،ناشر: دارالاشاعت کراچی، سن اشاعت: 2008ء

66۔ابی الحسن علی بن ابی الکریم علامہ،الکامل فی التاریخ،ج:1،ص:14،ناشر:دارالکتاب العربی،بیروت،سن اشاعت: 1997ء

67۔ محمد عبدالغفور خان مولوی،تاریخ عروج الاسلام،ص35۔36، مطبع: در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی،سن اشاعت:1318ھ مطابق 1901ء

68۔ابی الحسن علی بن ابی الکریم علامہ،الکامل فی التاریخ،ج: 1،ص:527 ،ناشر: دارالکتاب العربی، بیروت، سن اشاعت:1997ء

69۔ محمد عبدالغفور خان مولوی،تاریخ عروج الاسلام،ص: 13،14، مطبع: در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی،سن اشاعت:1318ھ مطابق 1901ء

70۔ سلیمان ندوی سید، مقالات شبلی، جلد چہارم، ص: 133،ناشر: مطبع معارف اعظم گڈھ، سن اشاعت: 1975ء

71۔ حلیم ردولوی،تاریخ تمدن اسلام،ص: 4،ناشر: فرید بکڈپو دہلی، سن اشاعت: 2007ء

72۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج: 1 ،ص:41،مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ، مصر، سن اشاعت: 2012ء

73۔ حلیم انصاری، تاریخ تمدن اسلام، ص: 43،ناشر: فرید بکڈپو، نئی دہلی، سن اشاعت، جدید ایڈیشن: 2007ء

74۔ ظفرالاسلام خان ڈاکٹر، مغربی افریقہ کی تحریک جہاد، ص: 8،ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، نئی دہلی، سن اشاعت: 1998ء

75۔ ظفرالاسلام خان ڈاکٹر، مغربی افریقہ کی تحریک جہاد، ص: 24،ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، نئی دہلی، سن اشاعت: 1998ء

76۔ محمد عبداللہ عنان بیرسٹر، مواقف حاسمۃ فی تاریخ الاسلام، الفصل الثانی، ص:19، ناشر: حسین عنان، سن اشاعت خامس: 1997ء

77۔ محمد عبدالوہاب ظہوری، تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات،، ص: 25، ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، سن اشاعت: طبع اول، 1971ء

78۔ جمال الدین افغانی، تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان، ناشر: مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ، قاھرہ، سن اشاعت: درج نہیں

79۔ عبدالقدوس ہاشمی سید، تاریخ الافغان، ص: 21،ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1977ء، طبع اول

80۔ ضیاءالدین اصلاحی مولانا، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ج: 1، ص: 42،ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ، سن اشاعت: 2009ء

81۔ ضیاءالدین اصلاحی مولانا، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ج: 2، ص: 2،ناشر: معارف پریس اعظم گڈھ، سن اشاعت:2001ء

82۔ مجیب اللہ ندوی مولانا، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ج: 2، ص: 118، ناشر: معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سن اشاعت: 2001ء

83۔ افتخار احمد بلخی ،تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ص:34۔35، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی ،1353 چتلی قبر، دہلی سن اشاعت دوسری بار: جولائی1997ء

84۔افتخار احمد بلخی، تاریخ افکار وعلوم اسلامی، باب:2، ص: 47، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، سن اشاعت: باراول ،جنوری1983ء

85۔ محمد ابوزھرہ، تاریخ المذاھب الاسلامیۃ، ص: 56، ناشر: دارالفکر العربی، قاہرہ، سن اشاعت درج نہیں

86۔ غلام احمد حریری، پروفیسر، اسلامی مذاہب ، ص: 101، مطبوعہ: ملک سنز پبلشرز ،فیصل آباد ، پاکستان ، سن اشاعت: 2004ء

87۔ شاہ معین الدین احمد ندوی مولانا، اسلام اور عربی تمدن، ص:4، مطبوعہ: مطبع معارف اعظم گڈھ ، سن اشاعت: 1952ء

88۔ محمد کرد علی، الاسلام والحضارۃ العربیۃ، ص:141، ناشر: مؤسسۃ: ہنداوی، سی ای سی، سن اشاعت: 2017ء

89۔ شاہ معین الدین احمد ندوی مولانا ،اسلام اور عربی تمدن، چھٹا باب، ص: 153،154 ، مطبوعہ: مطبع معارف اعظم گڈھ، سن اشاعت: 1952ء

90۔ عبداللہ عمادی مولانا، تنبیہ واشراف، ص: 12 ، مطبع: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سن اشاعت: 1345ھجری بمطابق1926ء

91۔ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی، کتاب التنبیہ والاشراف، ص:196، ناشر: مکتبۃ الشرق الاسلامیۃ، قاہرۃ، سن اشاعت: 1938ء

92۔عبداللہ عمادی مولانا، التنبیہ والاشراف، ص: 15، ناشر: دارالترجمہ عثمانیہ حیدراباد، سن اشاعت: 1926ء

93۔ سیف الرحمن الفلاح، تاریخ حرمین شریفین، حصہ اول، ص: 14۔16، ناشر: مکتبہ رحمانیہ لاہور،، سن اشاعت: درج نہیں

94۔ عباس کرارہ، تاریخ الحرم المدنی، ص: دستیاب نہیں، ناشر: مکتبۃ البوصی مکۃ، سن اشاعت: 1971ء، طبع اول،

95۔سیف الرحمن الفلاح،تاریخ حرمین شریفین، حصہ دوم،ص: 30،ناشر: مکتبہ رحمانیہ لاہور،، سن اشاعت: درج نہیں

96۔سیف الرحمن الفلاح،تاریخ حرمین شریفین، حصہ اول،ص: 23۔24، ناشر: مکتبہ رحمانیہ لاہور، سن اشاعت:درج نہیں

97۔لسان الدین ابن الخطیب،الاحاطۃ فی اخبار غرناطہ ج:1،ص:7،مقدمۃ الکتاب،ناشر:دارالکتب العلمیۃ بیروت، سن اشاعت:1424ھ

98۔سید احمد اللہ صاحب ندوی مولانا،اخبار غرناطہ،دیباچہ: جلد اول،ص: 6،دارالترجمہ عثمانیہ حیدرآباد، سن اشاعت: 1932ء

99۔ لسان الدین ابن الخطیب ،الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ ،ج:2،ص:5،ناشر: دارالکتبالعلمیۃ بیروت ، سناشاعت: 1424ھ

100۔احمد اللہ صاحب ندوی سید مولانا،اخبار غرناطہ، حصہ دوم،ص: 4۔5،دارالطبع عثمانیہ،حیدرآباد، سن اشاعت: 1936ء

101۔ محمد خلیل الرحمن صاحب مولوی،نفح الطیب،دیباچہ،ص: 13،طباعت واشاعت: مسلم یونیورسیٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، سن اشاعت: 1921ء

102۔ شہاب الدین ابو العباس التلسمانی المقریزی علامہ ،نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب ، ج: 1 ،ص: 127، تحقیق:احسان عباس،دار صادر بیروت، سن اشاعت: 1900ء

103۔ محمد خلیل الرحمن صاحب مولوی ،نفح الطیب ، ص : 2 ،مطبوعہ : مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ، سن اشاعت : 1921ء

104۔ محمد خلیل الرحمن صاحب مولوی،نفح الطیب ص:12،دیباچہ، مطبوعہ: مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، سن اشاعت: 1921ء

105۔احمد بن یحیٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری،فتوح البلدان، ج:1، ص:332،ناشر: دار ومکتبۃ الھلال،بیروت، سن اشاعت:1988ء

106۔ ابوالخیر مودودی سید،فتوح البلدان ، جلد دوم ،ص: 25۔ ناشر: دارالترجمہ عثمانیہ حیدر آباد ، سن اشاعت 1940:

107۔رئیس احمد جعفری، سفر نامہ شیخ ابن بطوطہ، دیباچہ، ص: 3، نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت، طبع پنجم: 1984 ء

108۔ حبیب الحق ندوی ڈاکٹر ، پاکستان میں فروغ اردو، ص: 284، کنوینر پہلی قومی کانگریس برائے فروغ عربی ، پاکستان، سن اشاعت: 1975ء

109۔رئیس احمد جعفری، سفر نامہ ابن بطوطہ، جلد1، ص: 5، نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1984ء، طبع پنجم

110۔پیرزادہ مولانا محمد حسین، عجائب الاسفار جلد دوم، ص: 30، ناشر: تخلیقات لاہور، سن اشاعت: 2011ء

111۔پیرزادہ مولانا محمد حسین، عجائب الاسفار ، جلد دوم ،ص: 31۔30 ،ناشر: تخلیقات ،لاہور ، سن اشاعت : 2011ء

112۔عطاءالرحمن صاحب مولانا، شاہ جہاں آبادی، عجائب الاسفار جلد اول، ص: 13، ناشر: رحمانی پریس دہلی، سن اشاعت:1348ھ

113۔ابو عبداللہ محمد بن عبدللہ اللواتی الطنجی ،رحلۃ ابن بطوطۃ، ج: 1 ،ص: 7، ناشر: دارالشرق العربی ڈیجیٹل لائبریری، سن اشاعت : درج نہیں

114۔ رئیس احمد جعفری، سفر نامہ ابن بطوطہ، جلد: 1 ، ص: 19، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی ، سن اشاعت طبع پنجم:1986ء

115۔عطاءالرحمن مولانا، سفر نامہ ابن بطوطہ، جلد: 1، ص: 2، ناشر: رحمانی پریس دہلی، سن اشاعت: 1348ھ

116۔ابو عبداللہ محمد بن عبدللہ اللواتی الطنجی ،رحلۃ ابن بطوطۃ ج : 2، ص: 309 ،ناشر: دارالشرق العربی، لبنان، سن اشاعت: درج نہیں

117۔ پیرزادہ مولانا محمد حسین صاحب، سفر نامہ ابن بطوطہ، جلد دوم، باب اول، فصل 34، ص: 2، ناشر: رحمانی پریس دہلی، سن اشاعت: 2011ء

118۔ رئیس احمد جعفری، سفر نامہ ابن بطوطہ، حصہ دوم۔ص: 17، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1984ء

119۔ محمد علاء الدین ندوی مولانا، ازادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ، ص: 11، ناشر: مجلس گیارہ ستارے انڈیا، سن اشاعت: طبع اول، اپریل 2012ء

120۔ محمد علاء الدین ندوی مولانا، ازادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ، ص: 15، ناشر: مجلس گیارہ ستارے انڈیا، سن اشاعت: طبع اول، اپریل 2012ء

121۔ محمد علاء الدین ندوی مولانا، ازادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ ص: 181، ناشر: مجلس گیارہ ستارے انڈیا، سن اشاعت: طبع اول، اپریل 2012ء

122۔ شبیر احمد انصاری حنفی مولانا حکیم، تاریخ الخلفاء ص: 18، ناشر: مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، سن اشاعت: طبع اول، ڈسمبر 2008ء

123۔ جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: تحقیق: حمدی الدمر داش، ناشر: مکتبہ نزار مصطفی الباز، سن اشاعت: 2004ء

124۔ شبیر احمد انصاری حنفی مولانا حکیم، تاریخ الخلفاء، ص: 196، ناشر: مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، سن اشاعت: طبع اول، ڈسمبر 2008ء

125۔ شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، عرض ناشر: ص: 3، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر لاہور، سن اشاعت: 1997ء

126۔ شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، ص: 33، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر، لاہور، سن اشاعت: 1997ء

127۔ شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، ص: 40، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر، لاہور، سن اشاعت: 1997ء

128۔ شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، ص: 42، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر، لاہور، سن اشاعت: 1997ء

129۔ شمس بریلوی، علامہ، تاریخ الخلفاء، ص: 45، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر، لاہور، سن اشاعت: 1997ء

130۔ جلال الدین السیوطی علامہ، تحقیق: حمدی الدمرداش، تاریخ الخلفاء ص: 369، ناشر: مکتبہ نزار مصطفی الباز، سن اشاعت: 2004ء

131۔ شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، ص: 849، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر لاہور، سن اشاعت: 1997ء

132۔ محمد مبشر چشتی، تاریخ الخلفاء (اردو)، ص: 696، ناشر: بشیر برادرز، لاہور، سن اشاعت: 2002ء

133۔ اقبال الدین احمد، تاریخ الخلفاء، ص: 18، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت پنجم: 1983ء

134۔ اقبال الدین احمد، تاریخ الخلفاء، ص: 476، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت پنجم: 1983ء

135۔ محمد زکریا مائل، اخبار مجموعہ، ص: 27، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند، سن اشاعت: 1942ء

136۔ مصنف: معلوم نہیں، تعریب: ابراہیم الایباری، اخبار مجموعہ، ص: 2۔3)، ناشر: ربدنیر، مجریط، سن اشاعت: 1867ء

137۔ محمد زکریا مائل، اخبار مجموعہ اردو، ص: 33۔34، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند، سن اشاعت: 1942ء

138۔ غلام جیلانی برق ڈاکٹر، معجم البلدان، ص: 22، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن اشاعت: 1972ء

139۔ غلام جیلانی برق ڈاکٹر، معجم البلدان، ص: 34، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن اشاعت: 1972ء

140۔ قدامہ ابن جعفر، تحقیق: محمد حسین الزبیدی، کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ، ص: 78، ناشر: دارالرشید للنشر، الجمہوریۃ العراقیہ، سن اشاعت: 1981ء

141۔ ابوالخیر مودودی مولانا، کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت، ص: 5، طباعت: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1930ء

142۔ عنایت حسین سید، فتوح الشام ص: 4، ناشر: مکتبہ نول کشور لکھنو، سن اشاعت: 1868ء

143۔ شبیر احمد انصاری مولانا حکیم، فتوح الشام، ص: 13، ناشر: المیزان ناشران کتب لاہور، سن اشاعت: 2004ء

144۔ غلام نصیر الدین گولڑوی، مولانا، فتوح الشام، ص: 46، ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار لاہور، سن اشاعت: 2008ء

145۔ ابوعبد اللہ محمد بن عمر واقد الوقدی، فتوح الشام ،الجزالاول ، ص:2، ناشر :المطبعۃالشرفیۃ، مصر، سن اشاعت: 1321ھ

146۔ بشارت علی خان، مغازی الصادقہ ، ص:1،ناشر: مطبع نول کشور لکھنؤ،تاریخ ترجمہ: 1289ھ

147۔ سعید الرحمن علوی ،مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، ص: ؟ ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ ، سن اشاعت: 2000ء، طبع دوم

148۔ ابوالحسن علی میاں ندوی مولانا،انسانی دنیاپر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: 21۔22،ناشر : مجلس نشریات اسلام کراچی، سن اشاعت: درج نہیں ہے، طبع یازدہم

149۔ ابوالحسن علی ندوی،ماذا خسر العالم،الباب الاول ص: 29،ناشر :مکتبۃ الایمان جامعۃ الازھر، سن اشاعت: درج نہیں

150۔ ابوالحسن علی میاں ندوی مولانا،انسانی دنیاپر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص: 31،ناشر : مجلس نشریات اسلام کراچی، سن اشاعت: درج نہیں ہے، طبع یازدہم

151۔ عبد السلام ندوی مولانا، انقلاب الامم ، ص: 26، ناشر : معارف پریس اعظم گڈھ ، سن اشاعت : تیسری: 1945ء

152۔ احمد فتحی زغلول پاشا(عربی مترجم)، سر تطور الامم ، ص: 2،ناشر :المجلس الاعلی للثقافۃ، القاھرۃ، سن اشاعت الطبعۃالثانیۃ:1971ء

153۔ عبد السلام ندوی مولانا، انقلاب الامم ، ص: 27،ناشر : معارف پریس اعظم گڈھ ، سن اشاعت تیسری بار: 1945ء

154۔ احمد علی خان شوق حافظ ، سفر نامہ محمد ابن جبیر اندلسی، ص: 21،ناشر: مطبع احمدی رامپور، سن اشاعت درج نہیں

155۔ محمد بن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ص:14،ناشر : مکتبۃ الھلال بیروت، سن اشاعت: درج نہیں

156۔ احمد علی رامپوری حافظ ، سفر نامہ ابن جبیر، ص: 9،ناشر: مطبع احمدی ریاست رامپور، سن اشاعت: درج نہیں

157۔ علی اصغر سید، کتاب الہند، دیباچہ، جلد اول، ص: ی، ک، ناشر: انجمن ترقی اردو دہلی، سن اشاعت: 1941ء

158۔ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، کتاب الہند، ص: 23، ناشر: عالم الکتب بیروت، سن اشاعت الطبعۃ الثانیۃ: 1402ھ

159۔ علی اصغر سید، کتاب الہند، باب دوم، ص:24، ناشر: انجمن ترقی اردو دہلی، سن اشاعت: 1941ء

160۔ مترجم: نامعلوم، کتاب الہند، باب دوم، ص:17، ناشر: بک ٹک، لاہور، سن اشاعت: 2011ء

161۔ غلام جیلانی برق ڈاکٹر، تاریخ الحکماء اردو، ص: 10، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند دہلی، سن اشاعت: 1945ء

162۔ جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی، اخبار العلماء باخبار الحکماء، حرف الہمزہ ص:8، دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن اشاعت: الطبعۃ الاولی:2005ء

163۔ غلام جیلانی برق ڈاکٹر، تاریخ الحکماء اردو، ص: 18۔19(الف)، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند دہلی، سن اشاعت: 1945ء

164۔ محمد ادریس صاحب مولانا، پرنسپل ادارہ شرفیہ دہلی، تاریخ الحکماء عرض مترم، ص: 786، ناشر: الامان برقی پریس دہلی، سن اشاعت درج نہیں

165۔ ظہیر الدین البیہقی الشہیر بابن فندمہ، تتمۃ صوان الحکمت، ص: 1، ناشر: المکتبۃ الشاملۃ، سن اشاعت: درج نہیں

166۔ ادریس مولانا، تاریخ الحکماء، ص: 1، مطبوعہ: الامان برقی پریس دہلی، سن اشاعت: درج نہیں

167۔ علیم اللہ صدیقی مولانا، فاضل دیوبند، مسلمانوں کا نظام مملکت، ص: 12،13، ناشر: دارالاشاعت لاہور، سن اشاعت، طبع اول: 1975ء

168۔ حسن ابراہیم حسن علی ابراہیم حسن ڈاکٹر، النظم الاسلامیۃ، الباب الاول، ص:1، ناشر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، قاہرہ، سن اشاعت: درج نہیں

169۔ علیم اللہ صدیقی، مسلمانوں کا نظم مملکت،، ص: 20، ناشر: دارالاشاعت کراچی، سن اشاعت، طبع اول: 1975ء

حاصل مطالعہ/خلاصہ

خلاصہ کلام

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جس میں ماضی میں پیش آنے والے لوگوں اور واقعات کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں، یہ معلومات مردہ قوموں کے لئے آب حیات کی حیثیت رکھتی ہیں، روشن تاریخ زندہ قوموں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے اور جس قوم کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی یا وہ اپنی تاریخ کو درس عبرت نہیں سمجھتی وہ ہمیشہ ناکام رہتی ہے اور اس کا کوئی نام لیوا نہیں ہوتا۔

چونکہ تاریخ جامع انسانی کے انفرادی واجتماعی اعمال وافعال اور کردار کا آئینہ دار ہوتی ہے اور اسی تاریخ سے تمدن انسانی کا کارواں رواں دواں رہتا ہے؛ اسی لئے تاریخ کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا تصور زمان ومکاں، اور اسی لئے آغاز تمدن سے اب تک تاریخ نے کئی لباس زیب تن کیے ہیں اور کئی شکلوں میں دنیا کے سامنے رونما ہوئی ہے۔

تاریخ کی ترقی جیسے جیسے ہوتی گئی اس کا دامن وسیع تر ہوتا گیا اور اخیر میں اس نے علوم وفنون کی شکل اختیار کر لی اور اس کی قسمیں بنتی چلی گئیں، مؤرخ کے فرائض اور ذمہ داریوں سے بحث ہونے لگی، مؤرخ کی لغزشیں بھی سامنے آنے لگیں چنانچہ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ علاقائی تاریخ وجود میں آئی، ادواری قسم بندی سے دنیا متعارف ہوئی اور علوم وفنون، طب وحکمت، مذاہب اور مختلف النوع موضوعات کی تاریخیں بنتی چلی گئیں۔ جب اسلام آیا تو تاریخ کو سنہرا دور نصیب ہوا، مسلم مؤرخوں نے تاریخ کی ہر اعتبار سے خدمت کی، دنیا کو قیمتی تاریخی سرمایہ دیا، تاریخ کے موضوعات پر تصنیف وتالیف کا زبردست سلسلہ شروع ہوا اور عالمی تاریخ کے ساتھ اسلامی تاریخ وجود میں آئی اور دیکھتے دیکھتے تاریخی سرمایہ سے کتب خانے تیار ہو گئے اور چراغ جلتے گئے اور اقوام عالم اور قوم مسلم سب کے لئے تاریخ کے دفتر میں عبرت وموعظت کا ڈھیروں سامان دکھائی دینے لگا۔

جن مؤرخوں نے تاریخ پر خامہ فرسائی کی ہے عموماً انہوں نے علاقائی زبان کو ترجیح دی، اسلامی عہد میں جب عالمی یا اسلامی تاریخ باضابطہ لکھی گئی تو عربی زبان میں لکھی گئی جو اس وقت عالمی زبان سے کم رتبہ نہیں تھی، جب تمدن اور سماج میں پھیلاؤ پیدا ہوا تو تاریخ کے سرمایہ سے استفادہ مشکل ہوا اس لئے ہر ملک کے علاقائی اہل علم نے ان عربی

تاریخی کتابوں کو علاقائی زبان کا جدید اور نافع لباس عطا کیا، یہ لباس زمانہ کی تبدیلی سے بدلتا رہا، چنانچہ ایک دور ایسا آیا کہ عربی تاریخ کو اردو کا زیور نصیب ہوا اور انفرادی کوششوں کے بعد باقاعدہ اور منظم طور پر تاریخ کی عربی کتابوں کے اردو ترجموں کے لئے اجتماعی کوششیں شروع ہو گئیں اور ترجمہ کے لئے دار الترجمے، اکیڈمیاں اور ادارے قائم ہو گئے اور انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اسلامی اور عالمی علوم وفنون کو عربی زبان سے اردو زبان میں منتقل کرنا ایک علمی اور معاشی مشن بن گیا اور عربی زبان کے ساتھ فارسی اور سنسکرت زبان کی تاریخی کتابوں کے اردو تراجم بہت بھاری مقدار میں وجود میں آ گئے۔

یہ سلسلہ اتنا مقبول اور دراز ہوا کہ ترجمہ ایک مستقل فن اختیار کر گیا اور ترجمہ کی متنوع صورتیں سامنے آئیں اور معیاری ترجمے ہونے لگے اور مترجم کے ترجمہ کو علمی اور فنی اور ترجموں کی متعدد قسموں کے معیار پر پرکھا جانے لگا، ترجمے کی خوبی اور خامی بھی سامنے آنے لگی اور اس کی روشنی میں معیاری اور غیر معیاری مترجمین کا مقام و مرتبہ بھی طے ہونے لگا۔

انقلاب زمانہ کے ساتھ تاریخی تراجم سے لوگ دور ہونے لگے اور نئی نسلیں اپنی تاریخ سے بیزار ہونے لگیں اور معاشی اعتبار سے ایک ہی کتاب کے متعدد ترجمے بھی شروع ہو گئے تو ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ از سرے نوان تمام اردو ترجموں کا ایک ایسا جامع جائزہ پیش کیا جائے جو ایک طرف علمی اور معیاری ہو اور دوسری طرف نسل نو کو دوبارہ اپنے اباء واجداد کی تاریخ سے مربوط کرنے کا ذریعہ بنے۔ چوں کہ از اول تا آخر عربی کتب تواریخ کے تراجم کا جائزہ لینا نہ صرف یہ کہ دشواری کا سبب تھا بلکہ اصل مقصود سے ہٹنے کے مترادف بھی تھا اس لئے بیسویں صدی کے منتخب اور معیاری عربی کتب تواریخ کا جائزہ لینا کافی سمجھا گیا تا کہ مقصد بھی حاصل ہو جائے اور قارئین اس کا بآسانی مطالعہ کر سکیں۔ تاریخ اور تاریخ کے اردو ترجمے اور مترجمین کے احوال و کوائف کے ساتھ تاریخ اور ترجمہ کی فنی گفتگو سے قارئین اور نئی نسلوں کو متعارف کرانے کے لئے یہ تحریر آپ کے سامنے ہے ہم ذیل میں پوری تحریر اور پورے مقالہ کی ایک جامع جھلک پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

پیش نظر مقالہ" تاریخ کی منتخب عربی کتابوں کے بیسویں صدی میں کئے گئے اردو تراجم۔ایک جائزہ" پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: تاریخ وفن تاریخ نویسی تعریف وتعارف

باب دوم: بیسویں صدی میں عربی سے اردو تراجم ایک اجمالی جائزہ

باب سوم: عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت

باب چہارم: بیسویں صدی کے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو مترجمین

باب پنجم: بیسویں صدی میں منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ:

اس باب کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف)منتخب عربی کتب تواریخ کے وہ اردو ترجمے جن کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تعداد 40 ہے۔

(ب) عربی کتب تواریخ کے وہ اردو ترجمے جن کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے اور جزوی معلومات فراہم کرتے ہوئے ایک فہرست پیش کی گئی ہے۔

(د) عربی کی وہ اہم تاریخی کتابیں جن کے ترجمے یا تو ابھی تک نہیں ہوئے ہیں یا پھر دوران تحقیق میری رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی اس کی بھی ایک مختصر فہرست پیش کی گئی ہے۔

ذیل میں ہر باب کا اجمالی خاکہ اور اس کی تلخیص پیش کی جاتی ہے:

باب اول کے تحت اولا لفظ تاریخ کی لغوی واصطلاحی تعریف کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، اور مختلف زبانوں میں تاریخ پر قیمتی اور پر مغز تحقیق پیش کی گئی ہے، تاریخ کا موضوع، اس کی غرض وغایت کے ساتھ مورخ کی صفات اور اس کے اوصاف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تاریخ کا سرسری جائزہ کے ضمن میں تاریخ کی اقسام، تاریخ کے شعبہ جات، تاریخ سے متعلق نظریات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تاریخ کا دامن ہر اعتبار سے بہت وسیع ہے، عالمی اور ملکی تاریخ کے حوالہ سے مختصر کلام پیش کیا گیا ہے جس سے تاریخ کی اہمیت اجاگر ہو جاتی ہے اسی لئے تاریخ کی اہمیت پر دو تین صفحات لکھے گئے ہیں۔ تاریخ کا قاری تاریخ کے اخروی و دنیوی فوائد کا متلاشی ہو سکتا ہے اس لیے اس باب کے تحت تاریخ کے دنیوی اور اخروی فوائد کے ذیل میں محققین اور اہل علم کی تحریروں کی روشنی میں تاریخ کے فوائد لکھے گئے ہیں۔ چوں کہ تاریخ ایک عمومی عنوان اور تفصیل طلب تعبیر ہے اس لیے "سیرت" اس میں داخل ہے یا خارج ہے، یہ ایک ایسا سوال ہے جو قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، مقالہ نگار نے سیرت اور تاریخ میں فرق کے عنوان سے فاضلانہ گفتگو کی ہے اور دونوں کے درمیان مذہبی فرق بھی بیان کیا ہے۔ تاریخ کا اغاز کیسے اور کیوں کر ہوا؟ اس مقالہ میں اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے

اسلامی تاریخ چوں کہ تاریخ کا ایک مستقل عنوان ہے اس لیے ہم نے اس باب میں اسلامی تاریخ کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے۔ نیز تاریخ نگاری کا آغاز اور اس کا ارتقاء، عصر حاضر میں تاریخی تقاضے، تاریخ نگاری کے اصول وضوابط اور اس کے ضمن میں ابن خلدون کے حوالے سے تاریخ نگاری کے زریں اصول کے بیان کے ساتھ اردو زبان میں تاریخ نگاری کی ابتداء جیسے عنوانات پر سلیقہ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسی ذیل میں عربی کتب تواریخ اور قدیم اسلامی مؤرخین کی کتابوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور تقابل کے طور پر جدید مؤرخین سے متعارف کرا دیا گیا ہے۔ عربی سے اردو زبان میں تاریخی کتب کے تراجم کی روایت کیا اور کیسی رہی اور اس کا دائرہ کار اور منہج کیسا رہا اور اس کے لیے کیسے اور کہاں مراکز علم وجود میں آئے ان سب سوالوں کے جوابات تحریری شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس باب کے اختتام پر تکمیل بحث کے طور پر ہم نے تاریخ کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے تاکہ تاریخ کو سیاسی، ثقافتی اور علمی اعتبار سے جانچا اور پرکھا جائے اور استفادہ کیا جائے اور مؤرخین کے سلسلے میں اچھی رائے قائم کی جا سکے۔

باب دوم کے تحت بیسویں صدی میں عربی سے اردو تراجم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، ہر چند کہ اس موضوع پر پچھلی صدیوں میں بھی کام ہوا ہے؛ لیکن بیسویں صدی چوں کہ اردو ترجمہ کے حوالہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لیے راقم نے صرف اس صدی کا جائزہ لیا ہے۔

اولا راقم نے عرب وہند کے کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے دونوں ملکوں کے روحانی، علمی اور ثقافتی تعلقات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو سکے کہ ہندوستان میں علوم عربیہ کی آمد کیسے اور کب ہوئی اور اس وقت دونوں ملکوں کے علمی سطح پر حالات کیسے تھے۔

راقم نے اس باب کے تحت ہندوستان میں اردو ترجمہ کے مراکز اور ادارے سے قاری کو متعارف کرانے کی کوشش بھی کی ہے، اور اس ذیل میں دارالمصنفین اعظم گڑھ اور اس کی علمی اور ترجمانی خدمات کا دائرہ کار، دارالترجمہ عثمانیہ کے قیام کے اغراض و مقاصد اور اس کی زبردست علمی خدمات، اردو زبان میں ترجمہ کردہ کتابوں کا اجمالی تعارف اور ان کی تعداد اور وہاں کے قابل مترجمین کے اسماء، دارالعلوم دیوبند کا اردو تراجم میں گراں قدر حصہ، اور ان کے علاوہ کچھ اہم تراجم کے ادارے پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ تراجم کے ادارے نہ ہوتے تو اردو دنیا اپنے اکابر و اسلاف کے علمی کارناموں سے کس قدر بے خبر اور اندھیرے میں ہوتی اس تحریر سے اس کا انداز ہو سکتا ہے۔

اس باب کے تحت بیسویں صدی میں تاریخ کے علاوہ مختلف علوم وفنون سے متعلق جن عربی کتابوں کے اردو تراجم پر کام ہوا ہے اس کا جائزہ بھی پیش کر دیا گیا ہے، جس میں سیرت، غیر اسلامی مذہبی کتب، سوانح وتذکرے، سفر نامے، حکمت وفلسفہ، فن طب، عربی ادب، فقہی مصادر، کتب تصوف اور عربی سائنسی کتابوں کے اردو ترجمہ کی مختصر جھلک پیش کر کے باب کو مکمل کیا گیا ہے، اس باب کے ذریعہ قاری کو یقینا ایک نئی روشنی ملے گی اور اپنے اردو زبان سے تعلق رکھنے والے اکابر و اسلاف کی علمی اور فنی خدمات سے وہ متعارف ہو سکے گا اور اخیر میں اہل علم کے سامنے اپنا درد پیش کیا گیا ہے کہ اس میدان میں ابھی جو کام تشنہ ہے اسے مکمل کرنے کی اشد ضرورت ہے، اور اپنے اسلاف کی قائم

کردہ حدود اور خطوط پر نئے سرے سے انفرادی یا اجتماعی کام کی ضرورت ہے تاکہ بیسویں صدی، اکیسویں صدی کی مثال اور نمونہ بن سکے اور اکیسویں صدی بھی ترجمہ کے میدان میں اپنا نمایاں مقام بنا سکے۔

باب سوم: عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کی ضرورت واہمیت، عنوان سے ظاہر ہے کہ اس باب میں عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم پر ایک تحقیقی کلام پیش کیا گیا ہے۔ ترجمہ کی لغوی، لفظی اور اصطلاحی تعریف پر تفصیلی گفتگو کے بعد ترجمہ کی قسمیں بیان کی گئی ہیں، جس سے اندازہ کیا جاسکے گا کہ ترجمہ کا میدان اور فن کس قدر وسیع ہے، علمی ترجمہ، ادبی ترجمہ، صحافتی ترجمہ، لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ، معتدل ترجمہ، موضوعاتی اور فنی ترجمہ، قانونی ترجمہ، مذہبی ترجمہ اور بامحاورہ ترجمہ جیسے عنوانات اور اس کے تحت ان کی تعریفوں سے بخوبی اس نتیجہ پر پہونچا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کی اپنی ایک پوری دنیا ہے اور ایک پورا جہاں ہے، جس کے تحت انفرادی اور اجتماعی نیز علمی اور معاشی کام کیے جا سکتے ہیں۔

زبان اردو کو ترجمہ کی دولت کب اور کس پس منظر میں حاصل ہوئی اور اس کے تحت کیا نظریے پائے جاتے ہیں اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اور عربی زبان سے اردو زبان میں دوران ترجمہ مترجم کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے؛ چنانچہ ایسی گیارہ مشکلات و مسائل کا تذکرہ اس امید کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اگر عہد جدید میں کوئی اردو ترجمہ پر کچھ کام کرنا چاہے تو وہ خود کو ان دقتوں سے محفوظ رکھ سکے اور دنیائے اردو کے سامنے ایک علمی اور وزنی ترجمہ پیش کر سکے، مختلف اہل قلم اور اہل ترجمہ کی تحریروں کا خلاصہ اس فصل میں پیش کر دیا گیا ہے، راقم یہ دعوی تو نہیں کر سکتے کہ اس نے نے تمام مسائل کا احاطہ کر لیا ہے لیکن راقم یہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ اصولی طور پر اگر ان مسائل و مشکلات پر قابو پالیا جائے تو دیگر دشواریاں بھی قابو یافتہ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد ترجمے کے مختلف شعبہ جات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی۔ اختتام سے قبل ترجمہ کی ضرورت واہمیت کے حوالہ سے اہم مواد پیش کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں عرب وہند کو جوڑنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ ترجمہ ہے، اسی ترجمہ کے ذریعہ دونوں ملک ایک دوسرے کی علمی اور تحقیقاتی ترقیوں سے روشناس ہو سکتے ہیں۔

اسی باب کے تحت ترجمہ کی نئی قسموں سے بھی متعارف کرادیا گیا ہے چنانچہ زبانی ترجمہ، مسلسل ترجمہ، متوازی ترجمہ اور مشینی ترجمہ جیسے نئے ترجموں کی تعریف و تحقیق اور اغراض ومقاصد یقینا قاری کے لیے خاصے کی چیز ہوگی۔ ترجمہ نگاری کے اہداف ومقاصد اور ترجمہ علم ہے یا فن؟ اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے تاکہ علمی وفنی اعتبار سے بحث مکمل ہوجائے۔

کتب تواریخ کے ترجمہ کی ضرورت واہمیت کے تحت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مختلف حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عالمی تاریخ ہو یا اسلامی تاریخ چوں کہ زیادہ تر کام عربی زبان میں ہوا ہے، اس لیے نئی نسل اگر ان کتابوں سے مستفید ہونا چاہتی ہے تو ان کتب تواریخ کا مطالعہ ضروری ہے اور مطالعہ کے لیے اردو زبان کا سہارا لینا ناگزیر ہے نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر ان تراجم پر توجہ نہ دی گئی ہوتی تو آج نسل نو اور عام لوگ بلکہ مسلم قوم فکری محکومیت اور ذہنی مرعوبیت کے دلدل میں اس قدر دھنس چکی ہوتی کہ انہیں اس سے باہر نکالنا بہت مشکل ہوتا۔ یہ باب قاری کو یہ بتاتا ہے کہ مسلم قوم کے اندر جو فکری محکومیت سرایت کرچکی ہے یہ تاریخی تراجم اس کی اصلاح میں ایک بہترین معاون ثابت ہوں گے اور یہی تراجم اردو دنیا کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہمارے پاس ہمارے اسلاف کی جو یادگار میراث ہے اس کے ہوتے ہوئے اغیار کے ناقص اور سطحی علوم کو کارنامہ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

باب چہارم: بیسویں صدی کے منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو مترجمین کے عنوان سے معنون ہے، بیسویں صدی میں جن حضرات نے اردو ترجمہ کا کام انجام دیا ہے یقیناوہ علمی دنیا پر احسان ہے، مقالہ نگار نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کا تذکرہ اور تعارف پیش کیا ہے، اردو مترجمین کی ایک لمبی فہرست ہے لیکن صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے سب کا تفصیلی تعارف نہیں کرایا گیا ہے کہ بلکہ ان مترجمین میں سے آٹھ مترجمین کے حالات زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مترجمین حضرات نے ترجمہ نگاری کا جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ غیر معمولی کارنامہ ہے، ہم نے جن حضرات کا تفصیلی تعارف کرایا ہے ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔ خیال رہے ان حضرات کے تذکرہ کو ترجیح دینا کسی امر خارج کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حسن اتفاق کی بنیاد پر ہے۔

1۔علامہ عبداللہ عمادی — 2۔حکیم احمد حسین عثمانی الہ آبادی

3۔مولانا ضیاءالدین اصلاحی — 4۔مولانا عبدالسلام ندوی

5۔ڈاکٹر ظفرالاسلام — 6۔مولانا شاہ معین الدین ندوی

7۔مولانا ابوالخیر مودودی — 8۔رئیس احمد جعفری

اس باب کے اخیر میں راقم نے یہ لکھا ہے کہ مذکورہ بالا مترجمین کے تذکرہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے علاوہ مترجمین قابل ذکر نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے باکمال مترجمین کی تعداد کم از کم ہماری معلومات اور ہماری جستجو کے مطابق سینکڑوں میں ہے، اگر ان تمام کا احاطہ کیا جائے اور مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب وجود میں آئے گی، تاہم تکملہ اور نتیجہ کے طور پر ہم نے اخیر میں ایک فہرست تیار کی جس میں مترجمین کے ناموں کے ساتھ ان کا کیا ہوا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے، چھپن (56) ایسے باکمال مترجمین کا ذکر اس فہرست میں موجود ہے جنھوں نے کسی نہ کسی عربی تاریخی کتاب کا ترجمہ کیا ہے، یقینا یہ فہرست ایک معلوماتی فہرست ہے جسے بنیاد بنا کر مستقل علمی کام کیا جاسکتا ہے۔

باب پنجم: بیسویں صدی میں منتخب عربی کتب تواریخ کے اردو تراجم کا جائزہ، یہ باب اس مقالہ کی روح ہے، تمہید کے تحت یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسلمانوں نے ایسی کتابیں بکثرت تحریر کی ہیں جو تاریخ عالم پر مشتمل ہیں، ان کتابوں میں شخصیات اور اہم واقعات کی ضروری تفصیل اور اہم معلومات بھی درج ہیں، اہل تحقیق ان کتابوں سے استفادہ بھی کرتے ہیں اور ان مفصل کتابوں سے مختلف علاقائی زبانوں میں متعدد کتابچے اور کتابیں تیار کرتے ہیں، چوں کہ یہ کتابیں اصلا عربی زبان میں لکھی گئی ہیں اس لیے ہر کس و ناکس اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس مشکل کا حل پیش کرنے کے لئے ان عربی کتابوں کے ترجمے کی ضرورت تھی جو اہل علم اور باکمال شخصیات نے انجام دیا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کتابوں سے خود متعارف ہوں اور نسل نو کو بھی روشناس کرائیں تاکہ چراغ سے چراغ روشن ہو اور علم و فن کی روشنی بڑھتی اور پھیلتی چلی جائے۔

اس باب کے تحت میں نے عالم عرب کے مشہور مؤرخین کی مستند اور معتبر عربی کتابوں کے اردو تراجم کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔اس جائزہ کے تحت اصل مصنف کا مختصر تعارف،اصل کتاب کا مختصر تذکرہ،اور ضرورت تصنیف پر جامع گفتگو کی گئی ہے،اس کے بعد کتاب کے ترجمہ کا ایسا جائزہ پیش کیا گیا ہے جس کے تحت مترجم کا مختصر تعارف بھی آگیا ہے نیز ترجمہ کی خامی یا خوبی بھی ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہر چند کہ بہت سے ترجمہ نگار اپنے فن میں مہارت رکھتے ہیں تاہم اہل تحقیق کی ذمہ داری ہے کہ جس بات کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اس کی نشاندہی کریں خواہ وہ ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر مترجم نے اپنے ترجمہ کے لیے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے ہیں تو اولا انہیں نقل کیا گیا ہے پھر مترجم کے ترجمہ کو ان اصول وضوابط پر منطبق کیا گیا ہے جس کے لیے اصل عربی کتاب کی مختصر عبارت ذکر کی گئی ہے پھر اس کے نیچے مترجم کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے پھر تقابل کے ذریعہ خوبی یا خامی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

بعض مترجم ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط بیان نہیں کیے ہیں،تاہم میں نے ان کے ترجمے کو ترجمہ نگاری کے اصول واقسام کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔بعض کتابیں متعدد ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں اس لیے ان کے متعدد مترجم ہیں میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس ایک کتاب کے متعدد مترجموں میں سے ہر ایک مترجم کے ترجمہ کا جائزہ پیش کر دیا جائے۔اسی طرح بعض کتابیں ایسی بھی ہیں کہ اس ایک کتاب کے متعدد حضرات نے ترجمے کیے ہیں اور وہ ترجمے متعدد مطابع سے شائع ہوئے ہیں ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ان ترجموں میں تقابل کے ذریعہ ان کے حسن وقبح کو واضح کر دیا جائے۔نیز راقم نے قدیم ترجموں کا جائزہ بھی لیا ہے جو طوالت زمانہ کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور ان جدید ترجموں کو بھی ذکر کیا ہے جو جدید تقاضوں سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

اس باب کے تحت ہم نے تقریبا چالیس (40) عربی کتابوں کے ترجمے کا تذکرہ کیا ہے،خیال رہے کہ یہ تعداد ترجموں کا احاطہ نہیں ہے بلکہ ایک اکثری اور عمومی جائزہ ہے،اس جائزہ کو اگر بغور پڑھا جائے گا تو ضرور اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ یہ جائزہ یقینا اس میدان میں ایک اہم پیش رفت ہے اور اس کے ذریعہ ہم اپنے اسلاف واکابر کے

کارناموں سے متعارف ہو سکیں گے اور ان کے ذریعہ ہمارے حافظہ اور علم کے ذخیروں میں ایک خوشگوار اضافہ ہو گا۔ علاوہ ازیں ان چالیس کتابوں کے اردو ترجمے تاریخ کی جملہ اقسام جیسے ملکی تاریخ، بین الاقوامی تاریخ اور اسلامی تاریخ وغیرہ سب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ گویا جملہ تاریخی اقسام ان ذکر کردہ ترجموں میں شامل ہونے کی وجہ سے مقالہ کو حتی الامکان مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ترجمہ پر تبصرہ کے ذیل میں ترجمہ کے ابواب کی تفصیل، صفحات کی تعداد، مطابع کی نشاندہی، سن اشاعت کی تحقیق اور اہل علم کے گراں قدر تبصرے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ اس تحقیق کی وجہ سے اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے راستہ بہت آسان اور ہموار ہو جائے گا۔ راقم نے اس باب کے تحت جن اردو ترجموں کا تعارف پیش کیا ہے ان میں سے چند مشہور کے نام درج ذیل ہیں:

1۔تاریخ ابن خلدون	2۔طبقات ابن سعد
3۔تاریخ عروج الاسلام	4۔تاریخ تمدن اسلام
5۔تاریخ الخلفاء	6۔تاریخ افکار وعلوم اسلامی
7۔التنبیہ والاشراف	8۔مروج الذھب
9۔تاریخ ابن کثیر	10۔تتمۃ البیان فی تاریخ افغان
11۔اسلامی مذاہب	12۔الملل والنحل

اس باب میں راقم نے چند سفر ناموں کا تذکرہ بھی کیا ہے کیوں کہ سفر نامے مصنف کے دور کی انکھوں دیکھی تاریخ ہوتی ہے۔ اسی لیے ان سفر ناموں کے اردو تراجم کا کام انجام دیا گیا ہے علاوہ ازیں وہ سفر نامے ہمارے ملک ہندوستان سے بھی متعلق ہیں جن میں اس زمانے کے حالات وواقعات، رسم ورواج اور تہذیب وثقافت بیان کیے گئے ہیں جو تاریخ کے وسیع مفہوم میں شامل ہیں۔ راقم نے حتی الامکان انصاف کے ساتھ ان ترجموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

مندرجہ بالا تمام ابواب کے تحت انجام دیئے گئے کاموں کے تذکرے کے بعد اس تحقیق کی فائنڈنگس اور اخذ کردہ نتائج درج ذیل ہیں۔

1. میری تحقیق اور تلاش و جستجو کے مطابق عربی کتب تواریخ بحیثیت مراجع سب سے زیادہ جامعہ نظامیہ کی لائبریری میں موجود ہیں، اس میں عربی کتب تواریخ کی تعداد 477 بتائی گئی ہے؛ لیکن جب ان کے اردو ترجمے کی تلاش کے لئے نظر ڈالی گئی تو ان کی تعداد بمشکل ڈیڑھ سو تک پہونچتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ابھی بھی دو سو سے زائد ایسی عربی کتابیں موجود ہیں جن کے اردو ترجمے نہیں ہوئے ہیں۔ غالبا اگر دینی مدارس کے فضلاء اس جانب بھی توجہ دیتے تو ضرور ترجمے کی تعداد بڑھ سکتی تھی کیونکہ ان کی توجہ کی وجہ سے دیگر اسلامی علوم و فنون کی تقریبا ہر چھوٹی بڑی کتابوں کے ترجمے اور شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔ دراصل اصل بات یہ ہے کہ بیشتر اہل مدارس مضمون تاریخ کو پڑھانے پر بہت کم توجہ دیتے ہیں اور وہ داخل نصاب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتابوں کے ترجمے یا تو شخصی دلچسپی یا حکومتوں کے ذریعے قائم کئے گئے دارالترجمے اور اکیڈمیوں کے ذریعے انجام دیئے گئے۔ اور مدارس کے مترجمین کی توجہ اس اہم کام کی جانب نہیں ہوئی۔

2. یہ بھی کسی علمی المیہ سے کم نہیں کہ جتنے بھی ترجمے لائبریریوں میں دستیاب ہیں ان میں سے بیشتر ترجمے نہایت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ حالات میں ہیں، اوراق پھٹے ہونے کے ساتھ ابتدا اور انتہا کے اوراق غائب بھی ہیں پڑھنے میں کافی دقتیں پیش آرہی ہیں۔ اگر پاکستان کی اکیڈمیاں بالخصوص نفیس اکیڈمی کی توجہ ان ترجموں کو کمپوزنگ کرکے اس کی اشاعت کی طرف نہیں جاتی تو شاید صحیح طور پر ان کتابوں سے استفادہ ممکن نہ تھا اگرچہ کہ ان کی طرف سے بھی ایڈٹ اور کمپوزنگ کرکے شائع شدہ ترجمے کی تعداد لگ بھگ ایک درجن کے ہی قریب ہے۔ ہندوستان کے کتب خانے اور پبلشرز کی اس جانب عدم توجہی شاید اس وجہ سے ہے کہ اس میں کثیر صرفہ کے بعد اس کی کھپت ہو پائے گی یا نہیں اس سلسلے میں وہ متذبذب ہیں؛ لیکنخوش

آئند بات یہ ہے اکیسویں صدی جسے ٹکنالوجی کی صدی سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں ہر چیز میں ترقی کے ساتھ اردو کی کتابیں بھی ڈیجیٹل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

3. جہاں تک جائزہ لیے گئے تراجم پر اخذ کردہ نتیجہ کی بات ہے تو بلاشبہ تمام ترجمے معیاری ہیں لیکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے ترجمے کے معیار کو دیگر اکیڈمیوں کے تراجم اور شخصی تراجم کے مقابلہ میں راقم بہتر محسوس کررہا ہے اس لیے کہ وہاں کے مترجمین قابل تو تھے ہی ساتھ ہی ان ترجموں پر نظرثانی ہوتی تھی اسی طرح وہاں کے ترجمہ نگار کہنہ مشق ہونے کے ساتھ فن پر عبور بھی رکھتے تھے۔ جائزہ لیے گئے ترجموں میں سے بیشتر تراجم میں آزاد ترجمہ کا طریقہ کار اپنایا گیا ہے عربی عبارتوں کے ساتھ حذف واضافے سے کام لیا گیا ہے نیز ترجمہ میں تقدیم وتاخیر کی گئی ہے۔ کچھ ایسے بھی تراجم ہیں جن میں بامحاورہ ترجمہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے لفظی ترجمہ کے طریقہ کار کو تقریبا تمام مترجمین نے چھوڑ دیا ہے۔اس تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان ترجموں میں ترجمے کے وقت کی اردو زبان استعمال کرنے کی وجہ سے آج کے زمانے کی رائج اردو زبان سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے قدرے مشکلات پیش آرہی ہیں جنھیں ایڈیٹنگ کرکے از سر نو شائع کرنے کی ضرورت ہے۔اس تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان اردو ترجموں میں عربی الفاظ واصطلاحات کے کثیر مقدار میں استعمال کی وجہ سے آج کے خالص اردوداں طبقہ کے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہیں اس لیے ان ترجموں کو سہل اور آسان بنانے کی بھی ضرورت ہے۔اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔

4. اس تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا کہ بیسویں صدی کے نصف اول یا متحدہ ہندوپاک میں جتنے ترجمے ہوئے تھے اتنے پر ہی اکتفا کرنے کی کوشش کی گئی ہے آگے اس کام میں پیش رفت بالخصوص ہندوستان میں کمی محسوس ہورہی ہے اور بہت کم ترجمے دستیاب ہورہے ہیں اگرچہ کہ پاکستان میں رفتہ رفتہ ہی سہی قدرے زیادہ کام ہو رہا ہے۔ بیسویں صدی کی نصف آخر کے علحدہ ہندوستان میں ترجمے کے لئے نہ تو کوئی دارالترجمے بنے اور نہ شخصی طور پر عربی تاریخی کتب کے ترجمے میں کوئی خاطر خواہ اضافہ ہی ہوا اگرچہ فی زمانہ اردو کے فروغ کے

لئے "قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان "،"انسٹیٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز"اور ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن، مولانا آزاد اردو یونیورسٹی وغیرہ جیسے کئی مؤقر ادارے موجود ہیں تاہم ان کا دائرہ کار بھی محدود ہے اور زیادہ تر ترجمے انگریزی سے اردو میں ہو رہے ہیں۔ جب میں نے قومی کونسل کی فہرست پر نظر ڈالی تو اس میں صرف عربی تاریخ کی دو کتابوں کی ایڈیٹنگ کرکے دیدہ زیب بنا کر اشاعت کا تذکرہ ہے، ان میں سے ایک تاریخ ابن خلدون کی پہلی جلد کی ایک حصہ کی اشاعت اور دوسری " تمدن اسلام " کی اشاعت اس کے علاوہ اس سلسلے میں اور کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ یہی حال مذکورہ بالا دونوں اداروں کا بھی ہے۔

5. اس موضوع پر تحقیق سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جیسے عربی کے کتب تواریخ، تاریخ کے تمام پہلوؤں اور اقسام کا احاطہ کرتی ہیں اسی طرح اس کے ترجمے بھی تمام قسموں اور پہلوؤں پر محیط ہیں گو کہ ابھی تک ساری کتب تواریخ کے ترجمے نہیں ہوئے ہیں۔

6. مترجمین اور ترجمہ سے متعلق دیگر حضرات کے ذکر کردہ اصول وضوابط اور ترجمہ کے طریقہ کار کو بیان کرنے کے ساتھ ناشرین کتب اور تبصرہ نگاروں کے عمدہ اور گرانقدر ملفوظات کو اس تحقیق میں شامل کرنے کی وجہ سے اکیسویں صدی میں ترجمہ کرنے والے حضرات کے لئے ایک اچھا خاصہ مواد تیار ہو گیا ہے، اور اگر مقالہ میں بکھری ہوئی چیزوں کو کتابچے کی شکل دے دی جائے تو ترجمہ کرتے وقت بہت سے مسائل و مشکلات سے نجات مل سکتی ہے۔

اخیر میں راقم چند سفارشات کو قلمبند کرکے اس خلاصہ کلام کی تکمیل کا خواہش مند ہے، اگر راقم کے سفارشات پر عمل در آمد کر لیا جائے تو ممکن ہے کہ عربی تاریخی کتب کے سلسلے میں جو کام تشنہ رہ گیا ہے وہ مکمل ہو جائے اور ایک گرانقدر کام وجود آئے۔

1. تمام پرانے ترجمے کو اکیسویں صدی کے تقاضے اور اسلوب و بیان کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔

2. دار الترجمے اور اکیڈمیوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ باقی ماندہ عربی کتابیں بھی اردو لباس کے زیور سے آراستہ ہو سکے۔
3. بیسویں صدی کے ترجمہ کے اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر اکیسویں صدی میں نئے قواعد وضوابط کے لئے از سر نو غور وفکر کیا جائے۔
4. عربی کتب تواریخ میں بے شمار اقوال وامثال اور واقعات وحوادث کے بیانات موجود ہیں اور ان میں ان کے مناسب حل اور تجاویز بھی موجود ہیں ان سے رہنمائی حاصل کر کے آج کے زمانے کے چیلنجز اور مشکلات کو حل کرنے لئے عربی کتب تواریخ کے مطالعہ کے لئے ماحول اور مواقع پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔
5. مدارس اسلامیہ اور اردو یونیورسٹی کے فضلا کے درمیان اس حوالہ سے ربط پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے استفادہ کر سکیں۔
6. چونکہ یہ دور ڈیجیٹل دور کہلاتا ہے اس لیے ترجمہ اور اس کے متعلقات کے لیے سوشل میڈیا کا استعمال کرنے کے ساتھ ویب سائٹس وغیرہ بنانے کی ضرورت ہے۔
7. قومی وملی ادارے سرکاری اداروں کے تعاون سے اچھے مترجمین کی جماعت تیار کرے اور ان کے لئے ایک مرکز بنایا جائے تاکہ وہ وہاں جمع ہو اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر ترجمہ کی دنیا میں سبز انقلاب پیدا کر سکے۔

کتابیات

کتابیات

1. ابن خلدون علامہ، مقدمہ ابن خلدون، ناشر: دار الفکر بیروت، سن اشاعت: 1988ء

2. ابن خلدون علامہ، تاریخ ابن خلدون، جلد: 2، ناشر: دار الفکر، بیروت، سن اشاعت: 2000ء

3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد: 2، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سن اشاعت: 1990ء

4. ابو جعفر محمد بن جریر طبری علامہ، تاریخ طبری، ناشر: دار التراث، بیروت، سن اشاعت: طبع دوم، 1387ھ

5. ابو الحسن علی بن ابی الکرم، علامہ، الکامل فی التاریخ، ناشر: دار الکتب العربی بیروت، سن اشاعت 1997ء

6. ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی، کتاب التنبیہ والاشراف، ناشر: مکتبۃ الشرق الاسلامیۃ، قاہرۃ، سن اشاعت: 1938

7. ابو الحسن علی میاں ندوی مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ناشر: مجلس نشریات اسلام کراچی، سن اشاعت طبع یازدہم: درج نہیں ہے۔

8. ابو الحسن علی ندوی مولانا، ماذا خسر العالم، الباب الاول، ناشر: مکتبۃ الایمان جامعۃ الازھر، سن اشاعت: درج نہیں

9. ابو الخیر مودودی مولانا، تاریخ الکامل، ناشر: دار الترجمہ عثمانیہ، حیدر آباد، سن اشاعت: 1938ء

10. ابو الخیر مودودی مولانا، کتاب الخراج و صنعۃ الکتابت، طباعت: دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1930ء

11. ابو الخیر مودودی مولانا، مترجم، فتوح البلدان، جزء دوم، ناشر: جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن، سن اشاعت: 1940ء

12. ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، کتاب الہند، ناشر: عالم الکتب بیروت، سن اشاعت الطبعۃ الثانیۃ: 1402ھ

13. ابو طلحہ مغل، تاریخ ابن کثیر، حصہ سوم، ناشر: دارالاشاعت کراچی، سن اشاعت: 2008ء

14. ابو ظفر ندوی سید، مختصر تاریخ ہند، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، یوپی، سن اشاعت: 2009ء

15. ابو عبداللہ محمد اللواتی الطنجی، رحلۃ ابن بطوطۃ، ج: 1، ناشر: دارالشرق العربی ڈیجیٹل لائبریری، سن اشاعت: درج نہیں

16. ابوعبد اللہ محمد بن عمر واقد الوقدی، فتوح الشام، الجزالاول، ناشر: المطبعۃ الشرفیۃ، مصر، سن اشاعت: 1321ھ

17. ابوالعرفان ندوی مولانا، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، ناشر: دارالمصنفینا عظم گڑھ سن اشاعت: 2009ء۔

18. ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ناشر: دار الجیل بیروت، سن اشاعت: درج نہیں

19. ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری، علامہ، المعارف، ناشر: الھیئۃ المصریۃ قاہرہ، سن اشاعت: 1922ء

20. احمد اللہ سید ندوی مولانا، اخبار غرناطہ، دارالترجمہ عثمانیہ حیدر آباد، سن اشاعت: 1932ء

21. احمد امتیاز ڈاکٹر، اردو میں ادبی ترجمے کی روایت، اردو ریسرچ جرنل، نئی دہلی، سن اشاعت: جنوری۔مارچ 2015ء

22. احمد بن یحیٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری، فتوح البلدان، جلد اول: دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، سن اشاعت: 1988ء

23. احمد حسین الہ آبادی حکیم، تاریخ ابن خلدون، جلد اول، ناشر: نفیس اکیڈیمی اردو بازار، کراچی، سن اشاعت طبع دہم: ستمبر، 1986ء

24. احمد فتحی زغلول پاشا (عربی مترجم)، سر تطور الامم، ناشر: المجلس الاعلی للثقافۃ، القاہرۃ، سن اشاعت الطبعۃ الثانیۃ: 1971ء

25. احمد علی خان شوق حافظ، سفر نامہ محمد ابن جبیر اندلسی، ناشر: مطبع احمدی رامپور، سن اشاعت: درج نہیں

26. اختر فتح پوری مولانا، البدایہ والنہایہ، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1988ء

27. اختر فتح پوری مولانا، تاریخ ابن خلدون، حصہ یازدہم، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 2003ء

28. افتخار احمد بلخی، تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی، 1353 چتلی قبر، دہلی سن اشاعت دوسری بار: جولائی 1997ء

29. اقبال الدین احمد، تاریخ الخلفاء، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت پنجم: 1983ء

30. اکبر شاہ نجیب آبادی مولانا، تاریخ اسلام، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، اشاعت اول: 1990ء

31. انسائکلوپیڈیا امریکانہ، جلد: 14

32. انسائکلوپیڈیا برٹانکا

33. انوار الحق قاسمی، تاریخ ابن کثیر، جلد: 11، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: 1989ء

34. المنجد، فرید بک ڈپو (پرائیوٹ) لمیٹیڈ 422 مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی

35. المنجد فی اللغۃ والاعلام، دار المشرق بیروت

36. بشارت علی خان، مغازی الصادقہ، ناشر: مطبع نول کشور لکھنؤ، تاریخ ترجمہ: 1289ھ

37. پیرزادہ مولانا محمد حسین، عجائب الاسفار جلد دوم، ناشر: تخلیقات لاہور، سن اشاعت: 2011ء

38. تاریخ طبری، تسہیل وتہذیب: ادارہ دار الاشاعتناشر: دار الاشاعت کراچی، سن اشاعت: 2003ء

39. تصدق حسین رضوی سید مولوی، لغات کشوری، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی، سن اشاعت: ندارد

40. ثناء اللہ محمود، تاریخ ابن کثیر، جلد: 15، ناشر: دار الاشاعت کراچی، سن اشاعت: 2008ء

41. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الا سلامی، ج: 1، مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ، مصر، سن اشاعت: 2012ء

42. جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، تحقیق: حمدی الدمر داش، ناشر: مکتبہ نزار مصطفی الباز، سن اشاعت: 2004ء

43. جلال الدین السیوطی، الشماریخ فی علم التاریخ، ناشر: الدار السلفیہ کویت، سن اشاعت: درج نہیں

44. جمال الدین ابوالحسن علی القفطی، اخبار العلماء باخبار الحکماء، دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن اشاعت الطبعۃ الاولی: 2005ء

45. جمال الدین افغانی، تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان، ناشر: مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ، قاھرہ، سن اشاعت: درج نہیں

46. جمیل الرحمٰن، مولانا، کامل ابن اثیر، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، سن اشاعت: 1922ء

47. حبیب الحق ندوی ڈاکٹر، پاکستان میں فروغ اردو، کنوینر پہلی قومی کانگریس برائے فروغ عربی، پاکستان، سن اشاعت: 1975ء

48. حبیب صالح، مضمون نگار، عرب وہند کے تعلقات، الفاروق، جمادی الثانیہ 1433ھ، آن لائن

49. حسن ابراہیم حسن علی ابراہیم حسن ڈاکٹر، النظم الاسلامیۃ، ناشر: مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، قاہرہ، سن اشاعت: درج نہیں

50. حسن الدین احمد ڈاکٹر، جامعہ عثمانیہ، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، سن اشاعت اول: 1988ء

51. حلیم ردولوی، تاریخ تمدن اسلام، ناشر: فرید بکڈپو دہلی، سن اشاعت: 2007ء

52. حقانی القاسمی، ہندوستان کا بیت الحکمت، دارالمصنفین اعظم گڈھ، آن لائن (Mazameen .com)

53. خلیل الرحمن مولانا، نفح الطیب، ناشر: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، سن اشاعت: 1921ء

54. خلیق انجم، مرتب، مضمون نگار: مرزا حامد بیگ، فن ترجمہ نگاری، ناشر: ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن اشاعت: 1996ء

55. داؤد اشرف سید ڈاکٹر، مشاہیر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، ناشر: شگوفہ پبلی کیشنز، حیدر آباد، سن اشاعت: 2017ء

56. راغب رحمانی مولانا، طبقات ابن سعد، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: درج نہیں

57. راغب رحمانی مولانا، مقدمہ ابن خلدون، حصہ اول، ناشر: نفیس اکیڈمی، سن اشاعت: 2001ء

58. رام چندر ورما آچاریہ، لوک بھارتی پرمانت ہندی کوش، مطبوعہ لوک بھارتی پرکاشن، 15 اے مہاتما گاندھی مارگ الہ آباد، سن اشاعت: 1999ء

59. رشید احمد ارشد سید حافظ ،تاریخ ابن خلدون، حصہ ششم، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: طبع دہم ستمبر 1986ء

60. رئیس احمد جعفری، سفر نامہ شیخ ابن بطوطہ، نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت، طبع پنجم: 1984ء

61. سعد حسن خان یوسفی، مولانا، مقدمہ ابن خلدون، ناشر: نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ ،کراچی، سن اشاعت: درج نہیں

62. سعید اختر پروفیسر، مسلمان تاریخ نویس، ناشر: ہدی پبلیکیشنز، پرانی حویلی، حیدر آباد، اشاعت اول: 2013ء

63. سعید الرحمن علوی، مغازی رسول صلیٰ اللہ علیہ وسلم ، ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ ، سن اشاعت طبع دوم: 2000ء

64. سلیمان ندوی سید، مقالات شبلی، جلد:4، ناشر: مطبع معارف اعظم گڈھ، سن اشاعت: 1975ء

65. سیف الرحمن الفلاح، تاریخ حرمین شریفین، حصہ اول، ناشر: مکتبہ رحمانیہ لاہور، سن اشاعت درج نہیں

66. شاہ معین الدین احمد ندوی مولانا، اسلام اور عربی تمدن، مطبوعہ: مطبع معارف اعظم گڈھ، سن اشاعت: 1952ء

67. شبلی نعمانی علامہ، الفاروق، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع جدید 2012ء

68. شبیر احمد انصاری مولانا حکیم ،تاریخ الخلفاء، ناشر: مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، سن اشاعتطبع اول: ڈسمبر 2008ء

69. شبیر احمد انصاری مولانا حکیم، فتوح الشام، ناشر: المیزان ناشران کتب لاہور، سن اشاعت: 2004ء

70. شفیع شیخ، عربی زبان وادب کا اردو پر اثر، ناشر: ڈاکٹر شفیع شیخ، صدر شعبہ عربی ممبئ یونیورسٹی، سن اشاعت :2000ء

71. شمس بریلوی علامہ، تاریخ الخلفاء، ناشر: زاہد بشیر پرنٹر لاہور، سن اشاعت: 1997ء

72. شہاب الدین ابو العباس التلسمانی المقریزی علامہ، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب ، تحقیق: احسان عباس، ناشر: دار صادر بیروت، سن اشاعت: 1900ء

73. صادق علی گل ڈاکٹر، فن تاریخ نویسی، پبلشرز: ایمپوریم اردو بازار لاہور، سن اشاعت: 2002ء

74. ضیاءالدین اصلاحی مولانا، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ج: 1، ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ، سن اشاعت: 2009ء

75. ظفرالاسلام خان ڈاکٹر، مغربی افریقہ کی تحریک جہاد، ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، نئی دہلی، سن اشاعت: 1998ء ظہیرالدین البیہقی الشہیر بابن فندمہ، تتمۃ صوان الحکمت، ناشر: المکتبۃ الشاملۃ، سن اشاعت: درج نہیں

76. عباس کرارہ، تاریخ الحرم المدنی، ناشر: مکتبۃ البوصی مکۃ، سن اشاعت طبع اول: 1971ء

77. عبداللہ عمادی علامہ، الملل والنحل، ناشر: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، سن اشاعت: 1364ھ مطابق 1945ء

78. عبداللہ عمادی علامہ، تنبیہ واشراف، مطبع: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سن اشاعت: 1926ء

79. عبداللہ عمادی علامہ، طبقات کبیر، ناشر: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سن اشاعت: 1944ء

80. عبدالحیؒ حکیم مولانا، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، ناشر: مؤسسۃ ہنداوی للتعلیم والثقافۃ، مصر، سن اشاعت: 2012ء

81. عبیدالرحمن، مولانا، الکامل فی التاریخ (اردو)، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان، سن اشاعت 2018ء

82. عطاءالرحمن صاحب مولانا، شاہ جہاں آبادی، عجائب الاسفار جلد اول، ناشر: رحمانی پریس دہلی، سن اشاعت: 1348ھ

83. عبدالسلام ندوی مولانا، انقلاب الامم، ناشر: معارف پریس اعظم گڈھ، سن اشاعت: تیسری: 1945ء

84. عبدالرشید سید حافظ، البدایہ والنہایہ، ناشر: نفیس اکیڈمی، سن اشاعت: 1988ء

85. عبدالقدوس ہاشمی، تاریخ الافغان، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت طبع اول: 1977ء

86. علی اصغر سید، کتاب الہند، دیباچہ، جلد اول، ناشر: انجمن ترقی اردو دہلی، سن اشاعت: 1941ء

87. علیم اللہ صدیقی مولانا، فاضل دیوبند، مسلمانوں کا نظام مملکت، ناشر: دارالاشاعت لاہور، سن اشاعت، طبع اول: 1975ء

88. علی بن الحسین بن علی المسعودی المصری، مروج الذھب و معادن الجوھر، ناشر: المکتبۃ العصریۃ بیروت، سن اشاعت: 2005ء

89. علی حیدر طباطبائی سید مولوی، تاریخ طبری، طباعت: دار الترجمہ سرکار عالی، سن اشاعت: 1345ھجری مطابق 1926ء

90. علی محسن صدیقی، کتاب المعارف، ناشر: قرطاس پرنٹرز کراچی، سن اشاعت: بار اول فروری 1999ء

91. عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، البدایۃ والنھایہ، ناشر: دار الفکر بیروت، سن اشاعت: 1984ء

92. عنایت حسین سید، فتوح الشام، ناشر: مکتبہ نول کشور لکھنو، سن اشاعت: 1868ء

93. غلام احمد حریری، پروفیسر، اسلامی مذاہب، مطبوعہ: ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، پاکستان، سن اشاعت: 2004ء

94. غلام جیلانی برق ڈاکٹر، تاریخ الحکماء اردو، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند دہلی، سن اشاعت: 1945ء

95. غلام جیلانی برق داکٹر، معجم البلدان، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن اشاعت: 1972ء

96. غلام نصیر الدین گولڑوی، مولانا، فتوح الشام، ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار لاہور، سن اشاعت: 2008ء

97. قدامہ ابن جعفر، تحقیق: محمد حسین الزبیدی، کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ، ناشر: دار الرشید للنشر، الجمھوریۃ العراقیہ، سن اشاعت: 1981ء

98. قمر رئیس ڈاکٹر، مرتب، مضمون نگار: ڈاکٹر عبد الحق، ترجمہ کا فن اور روایت، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2011ء

99. کوکب شادانی، تاریخ ابن کثیر، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت طبع اول: 1987ء

100. لسان الدین ابن الخطیب، الاحاطۃ فی اخبار غرناطہ، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن اشاعت: 1424ھ

101. مترجم: نامعلوم، کتاب الہند، ناشر: بک ٹک، لاہور، سن اشاعت: 2011ء

102. مجیب اللہ ندوی مولانا، ہندوستان عربوں کی نظر میں، ج: 2، ناشر: معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ سن اشاعت: 2001ء

103. محمد ابراہیم ندوی سید مولوی، مروج الذھب و معادن الجوھر، طباعت: دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن، سن اشاعت: 1350ھ مطابق 1931ء

104. محمد ابو زھرہ، تاریخ المذاھب الاسلامیۃ، ناشر: دار الفکر العربی، قاہرہ، سن اشاعت درج نہیں

105. محمد ادریس صاحب مولانا، پرنسپل ادارہ شرفیہ دہلی، تاریخ الحکماء، ناشر: الامان برقی پریس دہلی، سن اشاعت درج نہیں

106. محمد ارشاد ندوی نوگانوی ڈاکٹر، آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب، ڈاکٹر، ایچ۔ایس آفسیٹ پریس، دہلی، اشاعت اول: 2009ء

107. محمد خلیل الرحمن صاحب مولوی، نفح الطیب، اشاعت: مسلم یونیورسیٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، سن اشاعت: 1921ء

108. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر، دارالمصنفین کی تاریخی خدمات، ناشر: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، سن اشاعت: 2002ء

109. محمد الیاس الاعظمی ڈاکٹر، شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات، ناشر: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، سن اشاعت: 2007ء

110. محمد بن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ناشر: مکتبۃ الھلال بیروت، سن اشاعت: درج نہیں

111. محمد بن سعد کاتب الواقدی، الطبقات الکبریٰ، ناشر: دار الکتاب العلمیہ بیروت، سن اشاعت: 1990ء

112. محمد جنید ذاکر ڈاکٹر، اصطلاحی مطالعے، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سن اشاعت: 2015ء

113. محمد زکریا مائل، اخبار مجموعہ، ناشر: انجمن ترقی اردو ہند، سن اشاعت: 1942ء

114. محمد سعود عالم قاسمی ڈاکٹر، منہاج ترجمہ و تفسیر، فاران اکیڈمی، اسٹریٹ 2، اقراء کالونی، علی گڑھ، سن اشاعت: بار دوم 2005ء

115. محمد صہیب، مرتب، تاریخ ابن خلدون، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسری اشاعت، 2010ء

116. محمد عبداللہ عنان بیرسٹر، مواقف حاسمۃ فی تاریخ الاسلام، الفصل الثانی، ناشر: حسین عنان، سن اشاعت پنجم : 1997ء

117. محمد عبدالغفور خان مولوی، تاریخ عروج الاسلام، مطبع: در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی، سن اشاعت: 1318ھ مطابق 1901ء

118. محمد عبدالشکور لکھنوی، ترجمہ تاریخ طبری، مطبع: عمدۃ المطابع لکھنؤ، سن اشاعت 1323ھ

119. محمد عبدالوہاب ظہوری، تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات، ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، سن اشاعت: طبع اول، 1971ء

120. محمد عتیق الرحمن ڈاکٹر، عرب و ہند کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ناشر: کلاسک آرٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن اشاعت: 2013ء

121. محمد علاء الدین ندوی مولانا، ازادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ،، ناشر: مجلس گیارہ ستارے انڈیا، سن اشاعتطبع اول: اپریل 2012ء

122. محمد کرد علی، الاسلام والحضارۃ العربیۃ، ناشر: مؤسسۃ: ہنداوی، سی ای سی، سن اشاعت: 2017ء

123. محمد مبشر چشتی، تاریخ الخلفاء(اردو) ، ناشر: بشیر برادرز، لاہور، سن اشاعت: 2002ء

124. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، روشن پرنٹرس، دہلی، سن اشاعت: 2016ء

125. مشتاق حسین صوفیائی قادری مختصر تاریخ اسلام، سید الصوفیہ اکیڈیمی، حیدر آباد، 2005ء

126. مشتاق قادری ڈاکٹر، اردو میں فن ترجمہ نگاری، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، سن اشاعت: 2015ء

127. مصنف: معلوم نہیں ، تعریب : ابراہیم الابیاری، اخبار مجموعہ ، ناشر: ربدنیر، مجریط ، سن اشاعت: 1867ء

128. نذیر الحق، مولوی، طبقات ابن سعد، ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی، سن اشاعت: درج نہیں

129. ولیم ایل لینگر، مترجم: غلام رسول مہر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ناشر: الوقار پبلی کیشنز، سن اشاعت: 2010ء

ویب سائٹس

www.kitabosunnat.com

www.elmedeen

www.rekhta.org

www.manuu.ac.in

www.eeqaz.org

www.muhaddith.com

"Tareekh ki Muntakhab Arabi Kitabon ke Beeswin Sadi me kiye gaye Urdu Trajim: Ek Jaiza"

Thesis

Submitted in Partial Fulfillment of the Requirements for the Award of the Degree

Of

Doctor of Philosophy

(2016-2021)

By

Minhaj ul Abedin

Enrollment No- A165788

Under the Supervision of

Prof. Mohd Zafaruddin

Department of Translation

School of Languages, Linguistics & Indology

Maulana Azad National Urdu University, Gachibowli

Hyderabad, Telangana-500032

"Tareekh ki Muntakhab Arabi Kitabon ke Beeswin Sadi me kiye gaye Urdu Trajim: Ek Jaiza"

Thesis

Submitted in Partial Fulfillment of the Requirements for the Award of the Degree

Of

Doctor of Philosophy

(2016-2021)

By

Minhaj ul Abedin

Enrollment No- A16**5788**

Under the Supervision of

Prof. Mohd Zafaruddin

Department of Translation

School of Languages, Linguistics & Indology

Maulana Azad National Urdu University, Gachibowli

Hyderabad, Telangana-500032